مشکلات القرآن
اردو
یعنی
قرآن پاک کی آیاتِ متعارضہ کے درمیان تطبیقات
کا مستند مجموعہ
تالیف
حضرت مولانا محمد انور گنگوہی مدظلہ
ناشر
ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان
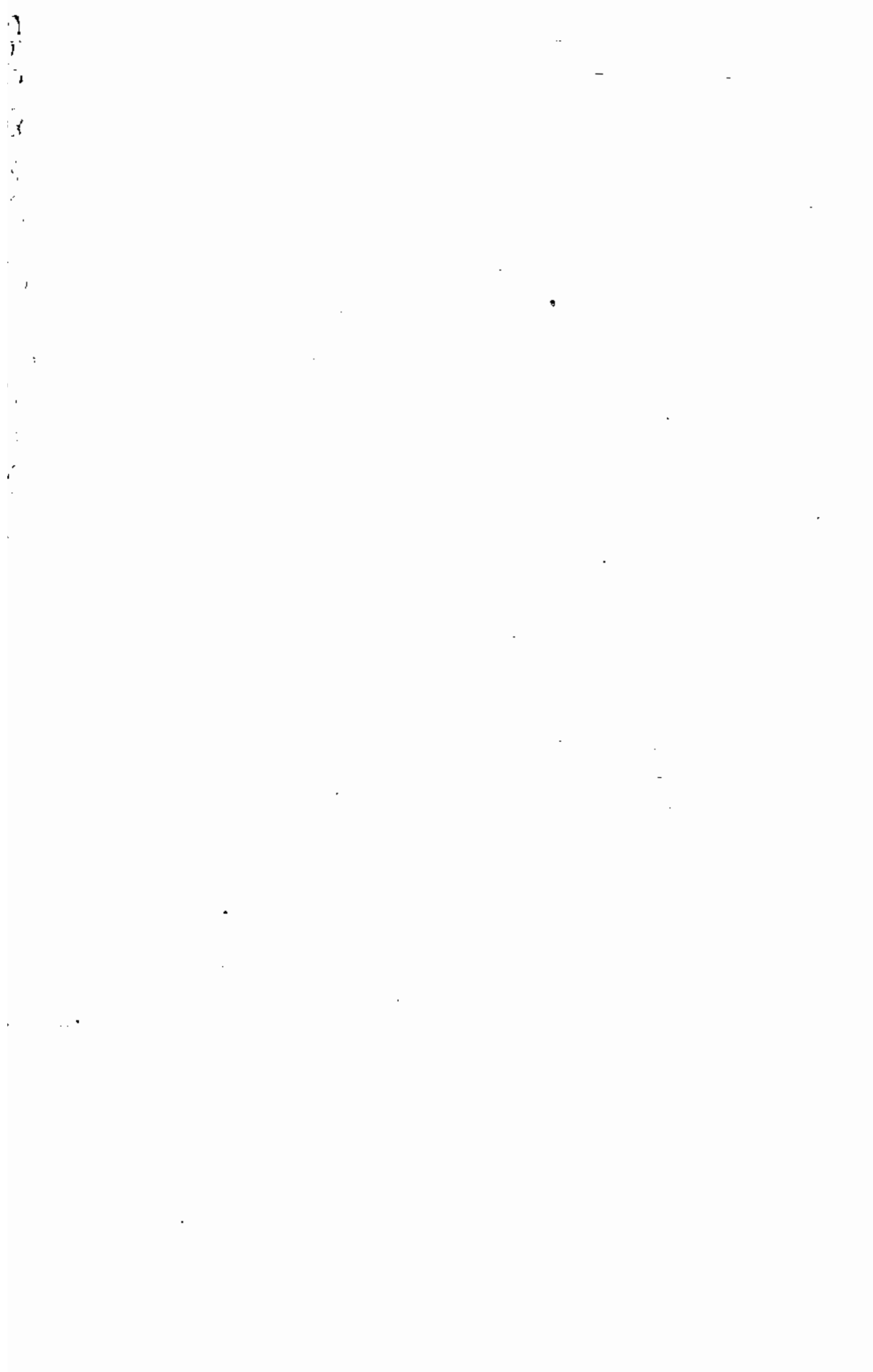
لدفع التعارض بین الآیات

یعنی

قرآن مقدس کی آیات متعارضہ کے درمیان تطبیقات کا مستند مجموعہ

مع ضمیمہ

تالیف

مولانا محمد انور گنگوہی مظاہری

استاذ حدیث و تفسیر جامعہ اشرف العلوم گنگوہ

ناشر

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 540513

فہرست ہذا میں آیاتِ متعارضہ کے مضامین کے عنوانات ذکر کئے گئے ہیں
نیز ہر تعارض کے کتنے جوابات دیئے گئے ہیں اس تعداد کو بھی واضح کیا گیا ہے

نوٹ :- بقیہ فہرست کتاب کے ضمیمہ میں صفحہ ۲۷۹ پر ملاحظہ فرمائیں :-

انتساب

بندہ اپنی اس صغیر مگر مبارک کاوش علمی کو اپنی مادر ہائے علمیہ

(۱) ــــ اشرف العلوم گنگوہ ــــ

(۲) ــــ دار العلوم دیوبند ــــ

(۳) ــــ مظاہر علوم سہارنپور

کی طرف منسوب کرنیکی سعادت حاصل کرتا ہے جن کے البانِ طیبہ سے علی الترتیب المذکور پرورش پاکر اس لائق ہوا

محمد انور غفرلہ گنگوہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التصدیر

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ۔ اما بعد!

خدائے عزوجل کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ اس نے قرآنِ مقدس کی ایک صغیر مگر مبارک خدمت کا موقع عنایت فرمایا۔ یہ ناقص العقل والفہم قلیل العلم والعمل ناکارہ عبدِ ضعیف اس لائق کہاں تھا کہ اس خدمت کیلئے خامہ فرسائی کرتا یہ تو فقط میرے مولائے واہب التوفیق کا کرم ہے ورنہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیم صبح تیری مہربانی

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ قرآنِ کریم خداوندِ قدوس کا ایک ایسا قیّم و مستقیم کلام ہے جو ہر قسم کے اختلاف واختلال، تعارض و تناقض سے کلیۃً منزّہ و مقدس ہے چنانچہ ارشادِ ربانی ہے،

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا قَیِّمًا (سورہ کہف پ۱۵)	وہ خدا مستحقِ ہر حمد ہے جس نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں کسی بھی

قسم کی کجی نہیں ہے، نہ اس میں تعارض و اختلاف ہے نہ تناقض و اختلال ہے بلکہ حق تعالیٰ نے اس کو قیم و مستقیم بنایا ہے

دراصل تعارض و تناقض تو اس شخص کے کلام میں ممکن ہے جس پر نسیان طاری ہوتا ہو، جس کا علم ناقص و ناتمام ہو جس کو یہ خبر نہ رہے کہ میں نے اس سے قبل کیا کہا تھا اور اب کیا کہہ رہا ہوں اور آئندہ مجھے کیا کہنا ہے، جس کے فکر و دماغ پر الجھنیں سوار ہوں، امورِ مختلطہ اس کے ذہن و قلب میں گشت کرتے رہتے ہوں ایسے شخص کی گفتگو میں تعارض و تناقض ہونا ایک لازمی امر ہے، بخلاف ذاتِ خداوند قدوس کے کہ وہ تو نسیان و ذہول اور جملہ عیوب و نقائص سے مطلقاً منزہ و مبرا ہے وہ تو عالم الغیب والشہادۃ ہے جس کی صفت و شان یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡنَا وَمَا خَلۡفَنَا وَمَا بَیۡنَ ذٰلِکَ وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا ہو، جس کو ماضی و حال اور استقبال کی پوری پوری خبر ہو بھلا اس کے کلام میں تعارض و اختلال ہو سکتا ہے؟ یہ ایک امرِ ناممکن اور محال ہے،

ہاں جن آیات میں تعارض معلوم ہوتا ہے یہ صرف ظاہر نظر کی بات ہے، ہماری عقول و افکار کی کوتاہی ہے

ورنہ نظرِ عمیق کے بعد یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ کسی آیت کا کسی آیت سے کوئی تعارض نہیں ہے
حق تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے اُن محققین مفسرین حضرات کو جنہوں نے نقولِ صحیحہ اور عقولِ سلیمہ کی روشنی میں آیاتِ متعارضہ میں تطبیقات بیان فرمائی ہیں اور ایسی ایسی توجیہات ذکر فرمائیں کہ جن کے بعد کوئی آیت کسی آیت کے معارض نہیں رہتی، البتہ یہ توجیہات و تطبیقات کتبِ تفسیر میں اپنے اپنے مقام پر کہیں اشارۃً واجمالاً کہیں قدرے توضیح و صراحت کے ساتھ متفرق و منتشر موجود ہیں، بعض مقامات پر بہت مختصر سی عبارت سے دفعِ تعارض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس سے ذہن جلدی سے اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ تعارض کی نوعیت کیا تھی اور وہ دفع کس طرح ہوا ،
بندہ کی نظر سے کوئی کتاب یا رسالہ اس قسم کا نہیں گذرا جس میں تمام آیاتِ متعارضہ کے تعارض کی تشریحات اور اس کے دفعیہ کے لئے جملہ توجیہات و تطبیقات کو یکجا جمع کیا گیا ہو اس لئے ارادہ ہوا کہ ایک مختصر سا رسالہ ایسا تالیف کیا جائے جس میں آیاتِ متعارضہ کو جمع کر کے ان کے مابین تعارض کی تشریح کی جائے پھر اُس تعارض کے وہ تمام جوابات جو کتبِ تفسیر میں اشارۃً یا صراحۃً متفرق و منتشر طور پر موجود ہیں ان کو آسان عبارت میں توضیح و تفصیل کے ساتھ باحوالۂ کتب جمع کر دیا جائے تاکہ علمِ تفسیر خصوصاً ترجمۂ قرآن پاک جلالین شریف وغیرہ پڑھنے پڑھانے والے طلبہ و مدرسین حضرات کیلئے سہولت و آسانی ہو جائے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کے فضل و کرم نے اس ارادہ کو تقویت بخشی، خدا کا نام لیکر اور اُس ذاتِ حق سے چالیس دن میں تکمیل کرا دینے کی دُعا کر کے ۲۹ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۹۰ء یکشنبہ کے روز اس کام کو شروع کیا حق سبحانہٗ کا فضل شاملِ حال رہا کہ تدریسی و خانگی مشغولیات کے باوجود چالیس روز میں ۸ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۹۰ء بروز پنجشنبہ بعد نمازِ ظہر اس رسالہ کی تالیف سے فراغت میسّر آگئی۔ فللّٰہ الحمد والمنّۃ

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دُعا ہے کہ حق تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے، خطایا و زلّات کو معاف کرے، مطالعہ کنندگان کیلئے نافع و مفید بنا کر بندہ کیلئے اس کو ذریعۂ نجات اور توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یا ربّ العالمین ـــــــــــــــ

احقر العباد
محمد انور گنگوہی عفا اللہ عنہ

ملاحظات

(۱) سب سے پہلے آیاتِ متعارضہ کو نمبر وار ذکر کیا گیا ہے پھر چونکہ آیات میں تعارض ہوجانے کی صورت میں ان کے مضامین مختلف ہوجاتے ہیں اس لئے ایک مضمون کی جملہ آیات کو ایک طرف ذکر کرکے اس طرح کی ◉ علامت لگادی گئی ہے اس کے بعد دوسرے مضمون کی جملہ آیات لکھی گئی ہیں مثلاً بارش آسمان سے ہوتی ہے یا بادلوں سے اس بارے میں آیات متعارض ہیں پس اولاً قرآن میں جہاں جہاں بھی نزولِ ماءِ من السماء کے مضمون کی آیات ہیں ان سب کو یکجا جمع کیا گیا اس کے بعد ◉ علامت لگاکر وہ تمام آیات ذکر کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے اور اگر تین قسم کے مضامین کی آیات ہیں تو دوسرے مضمون کی آیت کے بعد وہی علامت مذکورہ لگاکر تیسرے مضمون کی آیات کو ذکر کیا گیا ہے

(۲) ہر آیت کے ساتھ پارہ نمبر رکوع نمبر سورت کا نام اور تفسیر جلالین پڑھنے پڑھانے والوں کی سہولت کی خاطر ہر آیت کے ساتھ جلالین شریف کا صفحہ نمبر بھی درج کیا گیا ہے،

(۳) چونکہ بسا اوقات آیات میں تعارض مخفی ہوتا ہے اس لئے آیات کے ذکر کے بعد تشریح تعارض کا عنوان دیکر سمجھایا گیا ہے کہ ان آیات میں تعارض کس طرح ہے ؟

(۴) اس کے بعد دفعِ تعارض کے عنوان کے ذیل میں اس تعارض کے جوابات دیئے گئے ہیں یعنی وہ توجیہات وتطبیقات بیان کی گئی ہیں جن سے تعارض مرتفع ہوجاتا ہے اور بہت سے مقامات پر روایاتِ صحیحہ سے توجیہات کی تائیدات پیش کیگئی ہیں، تقریباً ہر جواب کے اخیر میں ان کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے جن سے وہ جواب ماخوذ ومستنبط ہے،

(۵) تعارض کے جوابات کو نمبر وار ذکر کیا گیا ہے ان کے نمبرات سیاہ رنگ میں سفید اس طرح ❶ ڈالے گئے ہیں البتہ ایک ہی جواب کے ذیل میں اگر متعدد تاویلات آگئی ہیں تو ان کے نمبرات سیاہ رنگ کے بجائے سادہ انداز میں اس طرح (۱) ڈال دیے گئے تاکہ امتیاز باقی رہے،

(۶) رسالہٰذا میں آیات کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرنے کا مستقل اہتمام والتزام نہیں کیا گیا ہے کیونکہ یہ چیز ہمارے موضوعِ سخن سے خارج ہے البتہ بہت سے مقامات پر دفعِ تعارض کے ذیل میں آیات کی اچھی خاصی تفسیر سامنے آگئی ہے،

(۷) شروع میں ایک فہرست دی گئی ہے جس میں آیاتِ متعارضہ کے مضامین کے عنوانات مع صفحات ذکر کئے گئے ہیں اور ہر تعارض کے کتنے جوابات دیئے گئے ہیں اس تعداد کو بھی واضح کیا گیا ہے

مؤلف

قرآن مقدس کن لوگوں کیلئے ہدایت ہے

پارہ نمبر ۱، ۲، ۱۱، ۲۱

آیات (۱) الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ پارہ ۱ رکوع ۱ سورہ بقرہ جلالین ص ۴ (۲) الٓمّٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ پارہ ۲۱ رکوع ۱۰ سورہ لقمان جلالین ص ۳۴۵ (۳) يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ پارہ ۱۱ رکوع ۱۱ سورہ یونس جلالین ص ۱۷۵ (۴) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ الآیۃ پارہ ۲ رکوع ۷ سورہ بقرہ جلالین ص ۲۹

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ و ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک صرف خواص مومنین یعنی اہل تقویٰ اور نیک لوگوں کیلئے ہدایت ہے اور آیت نمبر ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مومنین کیلئے ہدایت ورحمت ہے اور آیت نمبر ۴ میں ارشاد ہے ہُدًی لِّلنَّاس جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن تمام انسانوں کیلئے ہدایت ہے مؤمن ہو یا کافر متقی وصالح ہو یا فاسق وفاجر، پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) درحقیقت قرآن پاک چشمۂ ہدایت تو تمام ہی انسانوں کیلئے ہے جو بھی اس کو دیکھے اور پڑھے اس کے مضامین ومعانی میں غور وتدبر کرے وہ ہدایت پر آسکتا ہے مگر پہلی تین آیات میں جو متقین محسنین اور مومنین کی تخصیص کردی گئی وہ ایک تو اس وجہ سے کہ اس منبع ہدایت سے فیض یافتہ ہونیوالے اور اس نور ہدایت سے روشنی حاصل کرنیوالے یہی حضرات ہیں اگرچہ استفادہ میں فرق مراتب ہے کہ

اہلِ تقویٰ اور نیک لوگوں نے اعلیٰ درجہ کا استفادہ کیا ہے اور عوام مومنین کا استفادہ ان سے کم درجہ کا ہے مگر نفسِ استفادہ میں سب مشترک ہیں، دوسرے ان حضرات کی شرافت و کرامت کی وجہ سے کہ حق تعالیٰ نے ان کو ایمان و تقویٰ اور نیکی کی دولت سے مشرف فرمایا یہ عزت و سعادت ان کو بخشی، پس ان کی مدح سرائی کرتے ہوئے فرمایا ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ، ھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّلْمُحْسِنِیْنَ، ھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ، ورنہ تو اس قرآنِ مقدس کا ہدایت ہونا ہر شخص کے حق میں عام ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے (تفسیر ابوالسعود، تفسیر کبیر، خازن وغیرہ)

(۲) ہدایت کے دو معنی ہیں (۱) ارارۃ الطریق (صرف راستہ دکھلا دینا خواہ مقصود تک رسائی ہو یا نہ ہو (۲) ایصال الی المطلوب (مقصود تک پہنچا دینا) قرآن پاک میں دونوں صفتیں موجود ہیں، صفتِ ارارۃ الطریق تو ہر شخص کے حق میں عام ہے قرآن نے حق و باطل کا راستہ سب کے سامنے صاف صاف واضح کر دیا ہے اسی کو فرمایا ھُدًی لِّلنَّاسِ مگر صفتِ ایصال الی المطلوب حضراتِ مومنین محسنین و متقین کے حق میں مخصوص ہے یہ حضرات قرآن پاک کی تعلیمات کو اختیار کر کے مقصدِ اصلی تک پہنچ گئے اسی کو فرمایا گیا ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ، ھُدًی لِّلْمُحْسِنِیْنَ، ھُدًی لِّلْمُؤْمِنِیْنَ، پس آیت ۱ و ۲ و ۳ میں ہدایت بمعنی ایصال الی المطلوب ہے اور آیت ۴ میں بمعنی ارارۃ الطریق ہے فلا تعارض (تفسیر کبیر)

بارش آسمان سے ہوتی ہے یا بادلوں سے؟

پارہ نمبر ۱، ۲، ۷، ۸، ۱۱، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۳۰

آیات (۱) اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً پارہ ۱ رکوع ۳ سورۂ بقرہ جلالین ص ۶ (۲) وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا پارہ ۲ رکوع ۴ سورۂ بقرہ جلالین ص ۲۳ (۳) وَھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ پارہ ۷ رکوع ۱۸ سورۂ انعام جلالین ص ۱۲۱ (۴) اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ

مِنَ السَّمَآءِ الایۃ پارہ ۱۱ رکوع ۸ سورۂ یونس جلالین ص۱۷۲ (۵) اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَۃٌ بِقَدَرِھَا پارہ ۱۳ رکوع ۸ سورۂ رعد جلالین ص۲۰۲ (۶) اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً پارہ ۱۳ رکوع ۱۷ سورۂ ابراھیم جلالین ص۲۰۹ (۷) وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰکُمُوْہُ پارہ ۱۴ رکوع ۲ سورۂ حجر جلالین ص۲۱۲ (۸) وَاللّٰہُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا پارہ ۱۴ رکوع ۱۴ سورۂ نحل جلالین ص۲۲۱ (۹) وَاضْرِبْ لَھُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ پارہ ۱۵ رکوع ۱۸ سورۂ کھف جلالین ص۲۴۶ (۱۰) وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی پارہ ۱۶ رکوع ۱۱ سورۂ طٰہٰ جلالین ص۲۶۳ (۱۱) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّۃً پارہ ۱۷ رکوع ۱۵ سورۂ حج جلالین ص۲۸۵ (۱۲) وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ الایۃ پارہ ۱۸ رکوع ۱ سورۂ مؤمنون جلالین ص۲۸۷ (۱۳) وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَھُوْرًا پارہ ۱۹ رکوع ۳ سورۂ فرقان جلالین ص۳۰۱ (۱۴) اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً پارہ ۲۰ رکوع ۱ سورۂ النمل جلالین ص۳۲۲ (۱۵) وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ پارہ ۲۱ رکوع ۲ سورۂ عنکبوت جلالین ص۳۴۰ (۱۶) وَمِنْ اٰیٰتِہٖ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً پارہ ۲۱ رکوع ۶ سورۂ الروم جلالین ص۳۴۲ (۱۷) وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ پارہ ۲۱ رکوع ۱۰ سورۂ لقمان جلالین ص۳۴۶ (۱۸) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ پارہ ۲۲ رکوع ۱۶ سورۂ فاطر جلالین ص۳۶۶ (۱۹) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَہٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ پارہ ۲۳ رکوع ۱۶ سورۂ الزمر جلالین ص۳۸۷ (۲۰) وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِہٖ بَلْدَۃً مَّیْتًا پارہ ۲۵ رکوع ۷ سورۂ زخرف جلالین ص۴۰۶ (۲۱) وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا فَاَنْۢبَتْنَا بِہٖ جَنّٰتٍ پارہ ۲۶ رکوع ۱۵ سورۂ قٓ جلالین ص۴۲۹ ◉ (۲۲) حَتّٰٓی اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰہُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِہِ الْمَآءَ پارہ ۸ رکوع ۱۴ سورہ اعراف جلالین ص۱۳۷ (۲۳) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ

يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ پارہ ۱۸ رکوع ۱۲ سورۂ النور جلالین ص ۳۰۰ (۲۴) اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ پارہ ۲۱ رکوع ۸ سورۂ الروم جلالین ص ۳۴۴ (۲۵) ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ پارہ ۲۷ رکوع ۱۵ سورۂ الواقعۃ جلالین ص ۴۴۸ (۲۶) وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا پارہ ۳۰ رکوع ۱ سورۂ النباء جلالین ص ۴۸۴

تشریح تعارض

آیت نمبر ۱ تا ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش آسمان سے ہوتی ہے اور آیت ۲۲ تا ۲۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے چنانچہ آیت ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ میں تو سحاب کی تصریح ہے اور يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فرمایا گیا ہے کہ بارش بادلوں کے درمیان سے نکلتی ہے اور آیت نمبر ۲۵ و ۲۶ میں مُزْن اور مُعْصِرَات کا لفظ آیا ہے مُزْن کے معنی پانی سے بھرا ہوا سفید بادل، اور مُعْصِرَات اُن بادلوں کو کہا جاتا ہے جن کے برسنے کا وقت قریب آگیا ہو ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے پس پہلی اکیس ۲۱ آیات اور اخیر کی ان پانچ آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض

اس تعارض کے تین جواب ہیں،

(۱) پہلی آیات میں سمار سے مراد سحاب ہے ہر اس شئے کو جو جہت علو میں ہوتی ہے سمار سے تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسے مکان کی چھت وغیرہ، کہا جاتا ہے کُلُّ مَا عَلَاكَ فَهُوَ سَمَاءٌ ہر وہ شے جو تیرے اوپر ہے وہ آسمان ہے پس چونکہ سحاب بھی جہت علو میں ہوتا ہے اس لئے اس کو سمار سے تعبیر کر کے اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً کہدیا گیا ورنہ درحقیقت بارش بادلوں ہی سے ہوتی ہے اس لئے ان آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے،

(۲) بارش تو بادلوں ہی سے ہوتی ہے مگر اس کا سبب تاثیرات سماویہ ہیں چنانچہ سورج جو کہ آسمان میں ہے اس کی شعاعیں سمندروں پر پڑتی ہیں جن کی حرارت سے پانی بُخارات بن کر اٹھتا ہے پھر وہ بُخارات ہوا کے طبقۂ ثالثہ میں پہنچکر جمع ہو جاتے ہیں اور جب زیادہ بوجھل ہو جاتے ہیں تو قطرات بنکر برسنے لگتے ہیں پس جب تک وہ بُخارات جمع رہتے ہیں ان کو بادل کہا جاتا ہے اور جب برسنے لگتے ہیں تو بارش کہتے ہیں تو چونکہ بادلوں سے بارش برسنے کا سبب آسمانی تاثیرات ہیں اس لئے مجازاً آسمان کی

طرف نسبت کردی گئی پس پہلی آیات مجاز پر اور اخیر کی آیات حقیقت پر محمول ہیں فاندفع التعارض، (روح المعانی)

بارش آسمان سے ہوتی ہے اور بادل درمیان میں واسطہ ہیں اولاً پانی آسمان سے بادلوں پر نازل ہوتا ہے پھر بادل کے سوراخوں میں سے چھن چھن کر زمین پر برستا ہے حق تعالیٰ نے بادلوں کو بارش کیلئے چھلنی بنا دیا ہے لہٰذا ان آیات میں کوئی تعارض نہیں اس توجیہ کی تائید حضرت کعب کے ارشاد سے ہوتی ہے لولا السحاب حین ینزل المطر من السماء لافسد مایقع علیہ من الارض کہ جس وقت آسمان سے بارش برستی ہے اگر درمیان میں بادل نہ ہوتے تو پانی زمین کے جس مقام پر بھی گرتا اس کو تباہ کر دیتا یعنی آسمان سے پانی موٹی دھار بنکر نہایت تیزی کے ساتھ گرتا ہے مگر بادل اس کو روک لیتے ہیں پھر وہ بادل کے سوراخوں سے چھن چھن کر ہلکی رفتار کے ساتھ قطرات بن کر اور باریک باریک دھار بن کر برستا ہے اگر بادل نہ ہوتے اور پانی کی موٹی دھار بنکر پوری تیزی کیساتھ براہِ راست زمینوں اور مکانوں وغیرہ پر گرتا تو سب چیزوں کو ہلاک و تباہ کر ڈالتا، یہ تو حق تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے درمیان میں بادلوں کو واسطہ بنا دیا ہے (صاوی)

اہل عرب کو قرآن کی کتنی سورتوں کا مثل پیش کرنیکا چیلنج کیا گیا تھا

پارہ نمبر ۱، ۱۱، ۱۲، ۱۵، ۲۷

آیات (۱) وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ پارہ ۱ رکوع ۳ سورۂ بقرۃ جلالین ص ۶ (۲) اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ پارہ ۱۱ رکوع ۹ سورۂ یونس جلالین ص ۱۷۴ (۳) اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ پارہ ۱۲ رکوع ۲ سورۂ ھود جلالین ص ۱۸۱ (۴) قُلْ لَّىٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ پارہ ۱۵ رکوع ۱۰ سورۃ الاسراء جلالین ص ۲۳۸ (۵) فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ پارہ ۲۷ رکوع ۴ سورۂ طور جلالین ص ۴۳۶

تشریح تعارض ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے فصاحت و بلاغت پر ناز کرنیوالے مشرکین عرب بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کو منظابہ کرتے ہوئے چیلنج کیا ہے کہ اگر تمہیں اس قرآنِ مقدس کے منجانب اللہ

ہونے میں شک ہے اور تمہارا گمان یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے بنا کر پیش کر دیا ہے
تو تم بھی تو بڑے فصیح و بلیغ مانے جاتے ہو ذرا قرآن جیسا کوئی کلام پیش کر کے دکھا دو اور تم تنہا ہی
نہیں بلکہ جتنے مددگاروں کو تم بلا سکتے ہو بلا لو اور سب مل کر قرآن پاک کا مثل پیش کر کے دکھا دو مگر
یاد رکھو اگر ساری دنیا کے انسان و جنات مل کر بھی قرآن کا مثل پیش کرنا چاہیں تو ہرگز نہیں کر سکتے،

لیکن ان آیات میں سے آیت نمبر ۱ و ۲ میں تو ایک سورت کے متعلق چیلنج ہے کہ قرآن جیسی ایک
سورت ہی بنا کر دکھا دو تم ایک سورت بھی نہیں بنا سکتے اور آیت نمبر ۳ میں ہے کہ قرآن جیسی دس سورتیں
پیش کر دو اور آیت نمبر ۴ و ۵ میں بمثل ھٰذا القرآن اور بحدیث مثلہ کہکر پورے قرآن کے متعلق
چیلنج کیا گیا ہے، پانچویں آیت میں حدیث سے مراد قرآن ہی ہے مطلب یہ ہے فلیأتوا بقرآن
مثلہ کہ قرآن جیسا پیش کر کے دکھا دو یا حدیث کے معنی مطلق بات کہ قرآن جیسی کوئی ایک بات
مثلاً ایک چھوٹی سی آیت یا ایک چھوٹا سا جملہ پیش کر دو۔ بہرحال ان آیات میں قرآن کا مثل پیش کرنے
کی مقدار کے بارے میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفعِ تعارض

اس تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) حق تعالیٰ شانہ نے اولاً تو پورے قرآن کا مثل پیش کرنے کا چیلنج کیا جب لوگ اس سے عاجز رہ
گئے اور مثل پیش نہ کر سکے تو فرمایا اچھا اگر تم پورے قرآن کا مثل پیش نہیں کر سکتے تو قرآن جیسی دس
سورتیں بنا کر دکھا دو پھر جب لوگ اس سے بھی عاجز رہے تو قرآن کی شانِ اعجاز کو اور زیادہ واضح کرتے
ہوئے فرمایا "فأتوا بسورۃ من مثلہ" کہ اگر دس سورتیں نہیں بنا سکتے تو کم از کم ایک ہی سورت کا مثل پیش
کر کے دکھا دو اور سورۃ کو معرف بللام لانے کے بجائے نکرہ لا کر اس طرف اشارہ کیا کہ قرآن کی کسی
بھی سورت کا یعنی چھوٹی سے چھوٹی سورت کا مثل پیش کر کے دکھا دو مگر تم قرآن جیسی ایک چھوٹی سی سورت
بھی نہیں بنا سکتے اور اگر فلیأتوا بحدیث مثلہ میں حدیث سے مراد مطلق ایک آیت یا ایک جملہ ہو تو شانِ
اعجازِ قرآنی کی مزید در مزید توضیح کرتے ہوئے چیلنج ہوگا کہ اگر ایک چھوٹی سی سورت پیش نہیں کر سکتے
تو چلو اچھا کم از کم قرآن جیسی ایک چھوٹی سی آیت یا ایک چھوٹا سا جملہ ہی بنا کر دکھا دو مگر تم سے ایک

چھوٹی سی آیت بھی نہیں بن سکتی، پس جان لو کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے بلکہ خدائے عالم الغیب والشہادۃ کا کلام ہے،

یہ جو ترتیب بیان کیگئی ہے کہ پہلے پورے قرآن کے متعلق پھر دس سورتوں کے متعلق پھر ایک سورت کے متعلق چیلنج کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ترتیبِ تلاوت کے اعتبار سے اگرچہ پہلے سورۂ بقرہ پھر سورۂ یونس پھر سورۂ ہود پھر اسرآر ہے مگر ترتیبِ نزول اس کے برعکس ہے اولاً سورۂ اسرا نازل ہوئی جس میں "بمثلِ ہذا القرآن" کہا گیا پھر سورۂ ہود کا نزول ہوا جس میں " فاتوا بعشرِ سُوَرٍ" فرمایا پھر سورۂ یونس اور سورۂ بقرۃ نازل ہوئیں جن میں " فاتوا بسورۃٍ " فرمایا گیا کیونکہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اولاً ایک سورت کا مثل پیش کرنے کیلئے کہا گیا ہو جب اس سے عاجز ہو گئے تو دس سورتیں بنانے کیلئے فرمایا ہو کیونکہ جو شخص ایک سورت بنانے سے عاجز ہو جائے وہ دس سورتیں بنانے سے بدرجہ اولیٰ عاجز ہو گا پس اس کو یہ کہنا کہ جب تو ایک سورت نہیں بنا سکتا تو دس سورتیں بنا کر پیش کر دے " بے معنیٰ ہوگا،

جواب کا حاصل یہ نکلا کہ یہ اختلافِ زمان پر محمول ہے متعدد و متعارض چیلنج ایک ہی زمانہ میں نہیں کئے گئے بلکہ مختلف زمانوں میں یکے بعد دیگرے کئے گئے اور جب دو متعارض چیزوں کا زمانہ جُدا جُدا ہو تو تعارض نہیں رہتا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنی تصنیف کے بارے میں چیلنج کرے کہ کوئی اس جیسی کتاب تصنیف کر کے دکھا دے اگر پوری کتاب نہیں لکھ سکتا تو اس جیسی آدھی کتاب لکھ دے اگر یہ بھی نہیں تو کم از کم ثلث یا ربع یا کم از کم اس کتاب کے کسی ایک مسئلہ کا مثل پیش کر کے دکھا دے اور ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی تعارض نہیں (صاوی، روح المعانی، تفسیر کبیر)

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اختلافِ زمان ہی محمول ہے مگر صورت اوّل کے برعکس ہے چنانچہ ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ اولاً ایک سورت پیش کرنے کا چیلنج فرمایا پھر دس سورتیں پیش کرنے کا، امام مُبَرَّد سے بھی یہی مروی ہے اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ سورۂ یونس جس طرح تلاوت میں سورۂ ہود پر مقدم ہے اسی طرح نزول کے اعتبار سے بھی مقدم ہے علامہ ابن الضریس نے بھی فضائل القرآن میں حضرت ابن عباسؓ سے یہی نقل کیا ہے مگر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ایک سورت کے چیلنج کے بعد دس سورتوں کا

چیلنج کرنے کا کیا مطلب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ کا مطلب فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِن مِثْلِهِ فی البلاغة والاشتمال علی ما اشتمل علیه من الاخبار عن المغیبات والاحکام واخواتها ہے اور فأتوا بعشر سُوَرٍ مِثْلِهِ کا مطلب بعشر سُوَرٍ مثله فی النظم فقط ہے یعنی اولاً تو یہ کہا گیا کہ ایک ایسی سورت بنا دو جو الفاظ و معانی فصاحت و بلاغت میں قرآن کے مثل ہو نیز جس طرح قرآن غیب کی خبروں، احکام، مواعظ، وعد و وعید وغیرہ پر مشتمل ہے اسی طرح تمہاری بنائی ہوئی سورت بھی اِن مذکورہ امور پر مشتمل ہونی چاہئے مگر جب لوگ اِن شرائط کے ساتھ سورت پیش کرنے سے عاجز رہ گئے تو فرمایا اچھا اگر تم ایسا نہیں کرسکتے تو دس سورتیں ایسی پیش کردو جو صرف الفاظ میں قرآن کے مثل ہوں اگرچہ اُن میں وہ تمام اُمورِ مذکورہ نہ ہوں جن پر قرآن مشتمل ہے مگر تم ایسا بھی نہیں کرسکتے (روح المعانی)

اس دوسرے جواب میں سورۂ اسراء کی آیت قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ سے اور سورۂ طور کی آیت فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا غالباً اس وجہ سے کہ بمثل ہذا القرآن مطلق ہے جو بسُورةٍ اور بعشر سُوَرٍ دونوں کو شامل ہے اسی طرح حدیث سے مراد بھی مطلق قرآن ہے جو ایک سورت اور دس سورتوں دونوں کو شامل ہے، فافہم

تخلیقِ سماوات مقدم ہے یا تخلیقِ ارض؟

پارہ نمبر ۱، ۲۴، ۳۰

آیات (۱) هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ پارہ ۱، رکوع ۳ سورۂ بقرہ جلالین ص۷ (۲) قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ ـ الی قوله ـ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ الآیة پارہ ۲۴ رکوع ۱۶ سورہ حٰم سجدہ جلالین ص۳۹۷ ● (۳) أَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا ـــ الی قوله ـــ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا پارہ ۳۰ رکوع ۴ سورۂ النازعات جلالین ص۴۸۹

تشریحِ تعارض آیت نمبر ۱ و ۲ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اولاً زمین کو پیدا

کیا اس کے بعد آسمان بنایا اور آیت نمبر ۳ اس کے برعکس پر دلالت کرتی ہے کہ تخلیقِ سمار مقدم ہے تخلیقِ ارض پر کیونکہ اس میں ارشاد ہے "والارض بعد ذلک دحٰہا" کہ زمین کو آسمان کے بنانے کے بعد بچھایا، پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے دفعیہ کے تین طریقے ہیں (۱) تقدیم خلقِ ارض والی آیات کو اصل قرار دیکر تقدیم سمٰوات والی آیات میں تاویل کیجائے (۲) تقدیم خلقِ سماوات والی آیات کو اصل قرار دیکر تقدیم ارض والی آیات میں تاویل کیجائے (۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ایسی توجیہ اختیار کیجائے جس سے دونوں قسم کی آیات اصل پر رہیں اور تعارض ختم ہوجائے اِن طرقِ مذکورہ کے پیشِ نظر اس تعارض کے بظاہر چار جواب ہیں مگر پہلے دو جوابوں کے تحت مذکورہ تاویلات کو مستقل جواب شمار کرکے آٹھ ہوجائینگے

(۱) تقدیم خلقِ ارض والی آیات اصل اور اپنے ظاہر پر محمول ہیں یعنی حق تعالیٰ نے اولاً ارض وما فیہا (جبال، اشجار، انہار وغیرہ) کو پیدا فرمایا اس کے بعد آسمانوں کی تخلیق فرمائی جیسا کہ پہلی دو آیتوں سے معلوم ہو رہا ہے روایتِ مرفوعہ صحیحہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے،

عن ابن عباس رضـ ان الیھود اتت النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فسألتہ عن خلقِ السمٰوٰت والارضِ فقال علیہ السلام خَلَقَ اللہ تعالیٰ الارضَ یومَ الاحد والاثنین وَخَلَقَ الجبالَ ومافیھن من المنافع یوم الثلثاء وخَلَقَ یوم الاربعاء الشجرَ والماءَ والمدائن و العمرانَ والخرابَ فھذہ اربعۃٌ فقال تعالیٰ ائنکم لتکفرون بالذی خَلَقَ الارضَ فی یومین وتجعلون لہٗ اندادا ذلک ربُّ العٰلمین وجعل فیھا رواسی وبارک فیھا

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہود نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کے متعلق دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یکشنبہ اور دوشنبہ کے دن زمین کو پیدا فرمایا اور پہاڑوں کو اور جو ان میں منافع رکھے ہیں ان سب کو سہ شنبہ کے روز پیدا کیا اور چہارشنبہ کے دن درختوں، پانی، شہروں، آبادیوں اور کھنڈرات کو پیدا فرمایا پس یہ چار دن ہوگئے اسی کو حق تعالیٰ نے فرمایا "کیا تم لوگ ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو

وقدر فیہا اقواتہا فی اربعۃ ایام سوآءً للسائلین وخلق یوم الخمیس السمآء وخلق یوم الجمعۃ النجوم والشمس والقمر والملٰئکۃ (اخرجہ ابن جریر وغیرہ وصححوہ) (روح المعانی ص ۱۰۵/۲۴)

روز میں پیدا کر دیا اور تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو یہی سارے جہان کا رب ہے اور اسی نے زمین میں پہاڑ بنا دیئے اور اس میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں اور اس میں اسکی غذائیں تجویز کر دیں چار دن میں پورے ہیں پوچھنے والوں کیلئے اور پنجشنبہ کے روز آسمانوں کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستارے، سورج، چاند اور فرشتے پیدا کئے،

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ تخلیقِ ارض مقدم ہے تخلیقِ سماوات پر، اسی طرح ایک اور مرفوع روایت ہے

انہ خلق الارض فی یوم الاحد والاثنین وخلق الجبال والاٰکام فی یوم الثلاثاء والاشجار فی الاربعاء وخلق السمآء فی الخمیس و الجمعۃ (رواہ الحاکم مرفوعًا) (حاشیہ جلالین ص ۴۸۹)

کہ اللہ نے یکشنبہ اور دوشنبہ کے روز زمین کو پیدا کیا اور سہ شنبہ کے دن پہاڑوں اور ٹیلوں کو بنایا اور چہار شنبہ کے دن درختوں کو اور پنجشنبہ اور جمعہ کے دن آسمانوں کو پیدا کیا،

نیز عقلاً بھی یہی بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ زمین بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے اور آسمان چھت کے درجہ میں ہے جیساکہ ارشاد باری ہے وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا اور بنیاد پہلے قائم کی جاتی ہے بعد میں چھت ڈالی جاتی ہے لہٰذا تخلیق ارض مقدم ہے تخلیق سماوات پر، اکثر مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے،

رہی سورۂ نازعات کی آیت وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا سو اس میں دو طرح سے تاویل کی گئی ہے

(۱) اَلْاَرْضَ سے پہلے تَدَبَّرُوْا یا تَذَكَّرُوْا یا اُذْكُرْ فعل محذوف ہے اور بَعْدَ ذٰلِكَ اس فعل محذوف کا ظرف ہے اور دَحٰهَا جملہ مستانفہ ہے اور آیت شریفہ سے یہ بتانا مقصود ہی نہیں کہ زمین کی تخلیق آسمان کی تخلیق کے بعد ہوئی بلکہ اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا اور یاد دلانا مقصود ہے مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو سماوی نعمتوں کی معلومات ہوگئی تو اس کے بعد نعم ارضیہ کو یاد کیجئے ان میں تدبر و تفکر

کیجئے کہ حق تعالیٰ نے زمین کو بچھایا اس میں سمندروں، دریاؤں اور نہروں کو جاری کیا اس سے چشمے نکالے اور اس سے نباتات اور اشجار کو نکالا اور اس پر پہاڑ جما دیئے ،

(۲) بعدؔ، معؔ کے معنی میں ہے ، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے بعد ذلک کی تفسیر مع ذلک کیساتھ نقل کی ہے آیتِ شریفہ کا مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے کیسی کیسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ آسمان بنایا اس کی چھت کو بلند کیا اس کو درست کیا اس کی رات کو تاریک بنایا اس کے دن کو ظاہر کیا اور صرف یہی نعمتیں نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اور بھی نعمتیں عطا فرمائیں کہ زمین کو بچھایا اس میں سے پانی اور نباتات کو نکالا اس پر پہاڑ پیدا کئے یہ سب چیزیں حق تعالیٰ نے تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کے نفع کیلئے پیدا فرمائی ہیں پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں تخلیق ارض کے تاخر کو بیان کرنا مقصود ہی نہیں ہے ان دونوں تاویلات کے بعد آیات میں کوئی تعارض نہیں رہتا ،

(۳) تقدیمِ خلقِ سماوات والی آیت اصل اور اپنے ظاہر پر محمول ہے یعنی حق تعالیٰ نے اولاً آسمان کو پیدا کیا اس کے بعد زمین کو پیدا کیا جیسا کہ آیت نمبر ۳ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا سے معلوم ہوتا ہے ، امام واحدی نے البسیط میں حضرت مقاتل سے یہی نقل کیا ہے محققین میں سے بہت سے حضرات نے اسی کو اختیار کیا ہے اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ اکثر ان آیات میں جن میں آسمان و زمین کا ذکر آیا ہے ، سمٰوٰت کو ارض پر مقدم کیا گیا ہے جیسے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ، لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ، اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ، اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وغیرہ ، جب اکثر آیات میں ذکرِ سماوات مقدم ہے ذکرِ ارض پر تو معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق سماوات بھی مقدم ہے تخلیق ارض پر ، دوسری دلیل یہ ہے کہ حکمت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اشرف کو غیر اشرف پر مقدم کیا جائے اور آسمان ذاتاً وصفتاً دونوں اعتبار سے زمین سے اشرف ہے آسمان مقدار میں بھی زمین سے بڑا ہے اور مکان کے اعتبار سے بھی اعلیٰ وارفع ہے پس اشرف یعنی آسمان کی تخلیق کا غیر اشرف یعنی زمین کی تخلیق پر مقدم ہونا مطابق مقتضائے حکمت ہے ،

رہی آیت ۱ و ۲ سوال میں چار طرح سے تاویل کیگئی ہے ،

(۱) ثُمَّ اسْتَوٰی میں لفظ ثُمَّ واؤ کے معنی میں ہے جو مطلق جمعیت کیلئے آتی ہے، مقصود آسمان وزمین دونوں کی محض تخلیق کو بیان کرنا ہے تقدیم وتاخیر کے اعتبار سے ترتیب بیان کرنا مقصود نہیں ہے پس کوئی تعارض نہیں رہا ،

(۲) لفظ ثُمَّ اگرچہ ترتیب مع التراخی کیلئے آتا ہے لیکن تراخی کی دو قسمیں ہیں، تراخی فی الزمان اور تراخی فی الرتبہ ثُمَّ کا استعمال حقیقۃً تو تراخی فی الزمان کیلئے ہوتا ہے لیکن کبھی مجازاً تراخی فی الرتبہ کیلئے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے یہاں پر یہ مجازاً تراخی فی الرتبہ کیلئے استعمال ہوا ہے جس سے آسمان کے بُعدِ رتبی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ آسمان کا مرتبہ زمین سے بعید اور اونچا ہے ، بُعدِ زمانی اور تاخّرِ زمانی کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے جیسا کہ آیت شریف فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الآیۃ میں لفظ ثُمَّ تراخی فی الرتبہ کیلئے مستعمل ہے، کہ اس انسان کافر نے گھاٹی کو پار کیوں نہیں کیا اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی کیا چیز ہے وہ کسی کی گردن کا غلامی سے چھڑا دینا ہے یا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا یا کسی خاک نشین محتاج کو کھانا کھلانا (یعنی ان احکام الٰہیہ مذکورہ کو بجالانا چاہئے تھا) پھر ان لوگوں میں سے ہوجاتا جو ایمان لائے الخ

اگر یہاں ثُمَّ کو تراخی فی الزمان کیلئے مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ پہلے ان اعمال مذکورہ کو کرنا چاہئے تھا اس کے بعد ایمان لانا چاہئے تھا حالانکہ ایمان تو اعمال پر مقدم ہے اس لئے ثُمَّ یہاں مجازاً تراخی فی الرتبہ کیلئے ہے جس سے ایمان کے بُعدِ مرتبت اور تفخیم شان کو بتلانا مقصود ہے کہ ایمان کا مرتبہ اعمال سے برتر واعلیٰ ہے پہلے ایمان لانا چاہئے اس کے بعد اعمال مذکورہ کا پابند ہوجانا چاہئے ، بس ایسے ہی ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ میں سمجھ لیا جائے کہ آسمان کے بُعدِ رتبی کو بیان کرنا مقصود ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے ،

(۳) تیسری تاویل یہ ہے کہ لفظ خلق ایجاد وتکوین کے معنی میں نہیں ہے بلکہ مجازاً تقدیراً ورقضاً

کے معنی میں مستعمل ہے مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارض وما فیہا کے پیدا کرنے کا فیصلہ فرما دیا کہ عنقریب ارض و ما فیہا کو پیدا کر دیں گے ابھی پیدا نہیں فرمایا اس کے بعد آسمانوں کو پیدا کر دیا آسمانوں کے بعد ارض و ما فیہا کو جن کے پیدا کرنے کا پہلے فیصلہ فرما چکے تھے پیدا کر دیا اس کو فرمایا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آیت شریفہ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ میں خَلَقَ بمعنی قَدَّرَ و قَضٰى مستعمل ہوا ہے یہاں اگر خلق کو ایجاد و تکوین کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر کہا کُنْ پس وہ پیدا ہو گئے اور ظاہر ہے کہ یہ مطلب درست نہیں ہے اس لئے کہ پیدا کر دینے کے بعد پھر کلمۂ کُنْ سے خطاب کرنا بے سود و بے معنی ہے اس لئے یہاں خَلَقَ، قَدَّرَ اور قَضٰى کے معنی میں ہے اس صورت میں مطلب بالکل درست ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کرنے کا فیصلہ فرمایا پھر کہا کُنْ پیدا ہو جاؤ پس وہ پیدا ہو گئے۔

(۴) چوتھی تاویل یہ ہے کہ خَلَقَ سے پہلے اَرَادَ محذوف ہے یعنی ھو الذی اراد ان یخلق لکم ما فی الارض جمیعًا ، قل ائنکم لتکفرون بالذی اراد خلق الارض فی یومین جیسا کہ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ میں اذا اردتم القیام الی الصلوٰۃ مراد ہے اور فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ میں اذا اردت القراءۃ مراد ہے اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آسمان سے قبل زمین کی تخلیق نہیں فرمائی بلکہ تخلیق کا ارادہ فرمایا کہ عنقریب ارض و ما فیہا کو پیدا کریں گے پھر آسمانوں کو پیدا کر دینے کے بعد زمین کے تخلیق کے ارادہ کی تکمیل فرما دی یعنی ارض و ما فیہا کو پیدا کر دیا جس کو آیت ثالثہ میں فرمایا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا فاندفع التعارض ، یہ تاویل تیسری تاویل کے قریب قریب ہی ہے ،

(۳) تعارض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ دونوں قسم کی آیتوں کو اپنے اصل اور ظاہر پر رکھتے ہوئے ایسی توجیہ کی جائے کہ تعارض دور ہو جائے سو وہ توجیہ یہ ہے کہ ہر جسم کا ایک مادہ ہوتا ہے اور ایک صورت و شکل ہوتی ہے مادہ کے اعتبار سے تو خلق ارض مقدم ہے خلق سماوات پر جیسا کہ پہلی دو آیتوں میں ہے اور

صورت وشکل کے اعتبار سے تخلیقِ سماوات مقدم ہے تخلیقِ ارض پر جیساکہ آیت نمبر ۳ میں ہے حاصل اس کا یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے اولاً زمین کے مادہ کو پیدا کیا جو ایک کھرل[1] کی شکل میں تھا جیساکہ حضرت حسنؒ سے مروی ہے اس کے بعد آسمان کا مادہ بنایا جو دخان کی شکل میں تھا جیساکہ آیت نمبر ۲ میں مصرح ہے ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ پھر آسمان کی موجودہ صورت بنائی اور اس کے سات طبقات بنادئے اس کے بعد زمین کے مادہ کو دراز کرکے اس کو موجودہ شکل وصورت عطا فرمادی اور اس کو بچھا کر اس کے اوپر جبال واشجار وانہار وغیرہ پیدا فرمادئے پس آیت نمبر ۱ و ۲ کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے زمین کا مادہ پیدا کیا پھر آسمان کا مادہ بنایا اور آیت نمبر ۳ کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے آسمان کی صورت بنائی پھر زمین کی صورت وشکل بنائی اس توجیہ کے بعد ان آیات میں کوئی تعارض نہیں رہتا حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں اسی کو اختیار کیا ہے اس توجیہ کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ہوتی ہے

عن سعید بن جبیر قال جاء رجل الی ابن عباسؓ فقال رأیت اشیاء تختلف علی فی القرآن قال ھات ما اختلف علیك من ذلك فقال اسمع اللّٰہ یقول (ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض ـ حتی بلغ ـ طائعین) فبدأ بخلق الارض فی ھذہ الآیۃ قبل خلق السماء ثم قال سبحانہ فی الآیۃ الاخری (ام السماء بناھا ـ ثم قال ـ والارض بعد ذلك دحٰھا) فبدأ جل شانہ بخلق السماء قبل خلق الارض فقال ابن عباسؓ اما خلق الارض

سعید بن جبیر سے مروی ہے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ مجھے کچھ چیزیں قرآن میں متعارض نظر آتی ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بتلاؤ کونسی چیز تم کو متعارض معلوم ہوتی ہے اُس نے عرض کیا میں سنتا ہوں اللہ عزوجل فرماتے ہیں (ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض یہاں تک کہ اس نے آیت کو طائعین تک پڑھا) اس آیت میں حق تعالیٰ نے آسمان کی تخلیق سے قبل زمین کی تخلیق کو بیان فرمایا پھر حق تعالیٰ نے دوسری آیت میں ارشاد فرمایا (ام السماء بناھا اس کے بعد فرمایا

[1] کھرل پتھر کا بنا ہوا ایک برتن ہوتا ہے جس میں اطباء دوا پیستے ہیں اور اسمیں سرمہ بھی پیس لیا جاتا ہے ۱۲

فی یومین فان الارض خُلِقت قبل السماء وکانت السماء دُخاناً فسواھن سبع سمٰوٰت فی یومین بعد خلق الارض واما قولہ تعالیٰ والارض بعد ذلک دحٰھا یقول جعل فیھا جبلاً وجعل فیھا نھرًا وجعل فیھا شجرًا وجعل فیھا بحورًا (رواہ الحاکم والبیھقی باسنادٍ صحیح (روح المعانی ص۱۰۵ ج۲۴)

والارض بعد ذلک دحاھا) اس میں حق تعالیٰ شانہ نے تخلیق ارض سے پہلے تخلیق سماء کو بیان کیا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بہرحال خَلَقَ الارضَ فی یومین تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ زمین آسمان سے پہلے پیدا کی گئی اور آسمان ایک دھواں تھا تو زمین کو پیدا کرنے کے بعد (یعنی زمین کا مادہ اور اس کے بعد آسمان کا مادہ بشکل دخان پیدا کرنیکے بعد)

اس کو دو دن میں سات آسمان بنا دئے اور بہرحال حق تعالیٰ کا ارشاد والارض بعد ذلک دحٰھا اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں پہاڑ بنائے نہریں بنائیں درخت بنائے سمندر بنائے،

علامہ خفاجی اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اخرج منھا ماءھا ومرعٰھا والجبال ارسٰھا یہ دَحٰھَا سے بدل یا عطف بیان ہے جس سے دَحٰھَا کی تفسیر اور اس سے مراد کو بیان کرنا مقصود ہے پس اس آیت میں زمین کو آسمان سے مؤخر کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ زمین ذات کے اعتبار سے آسمان سے مؤخر ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مافی الارض کے پیدا کرنے کے اعتبار سے زمین متاخر ہے زمین کی تکمیل گویا بعد میں ہوئی زمین میں مافی الارض کو پیدا کر کے اس قابل بنایا گیا کہ اس سے انتفاع اور تمتع کیا جائے ورنہ زمین کی نفسِ ذات کا وجود آسمان سے پہلے ہو چکا تھا

لیکن اس پر اشکال یہ ہو سکتا ہے کہ اس توجیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کا بچھانا اور اس پر جبال و اشجار و انہار کا پیدا کرنا آسمان کے بعد ہوا اور آیت نمبر۱ و۲ اور روایت ابن عباسؓ جو صفحہ ۱۸ و ۱۹ پر گذر چکی ہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جبال و اشجار اور انہار کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی آیت نمبر۱ میں تو فرمایا خلق لکم مافی الارض جمیعا ثم استوٰی الی السماء جس سے صاف ظاہر ہے کہ جمیع مافی الارض (جبال، اشجار و انہار وغیرہ) کی تخلیق آسمان سے قبل ہوئی اور ان سب چیزوں کی تخلیق زمین کے بچھائے بغیر ناممکن ہے پس معلوم ہوا کہ زمین کا بچھانا بھی آسمان سے قبل ہوا اور آیت

نمبر۲ میں ہے " خلق الارض فی یومین وجعل فیہا رواسی و بارک فیہا الخ اس کے بعد فرمایا ثم استوی الی السماء وھی دخان " اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تخلیقِ جبال وغیرہ تخلیقِ آسمان پر مقدم ہے اور روایت سابقہ میں ہے کہ پہاڑوں کو شنبہ کے دن درختوں اور نہروں کو چہارشنبہ کے روز اور آسمانوں کو پنجشنبہ کے دن پیدا فرمایا اس میں بھی صاف تصریح ہے کہ خلقِ جبال وغیرہ مقدم ہے خلقِ سماء پر، پس یہ توجیہ مذکور آیات وروایت کے خلاف ہے،

اس کا جواب یہ ہے کہ آیات وروایت میں جمیع مافی الارض (جبال، اشجار وانہار) کے پیدا کرنے سے مراد ان کے اصول اور مادوں کو پیدا کرنا ہے کہ حق تعالیٰ نے زمین کا مادہ پیدا کرنے کے بعد جمیع مافی الارض کے مادوں کو بھی پیدا کر دیا مگر ان کی تکمیل آسمان کی تخلیق کے بعد فرمائی اور جمیع مافی الارض کے صرف مادوں کی تخلیق زمین کے بچھائے بغیر بھی ممکن ہے لہٰذا زمین کا بچھانا آسمان سے قبل لازم نہیں آئے گا، حاصل یہ نکلا کہ اولاً زمین کا مادہ پیدا کیا پھر مافی الارض (جبال، اشجار وانہار وغیرہ) کا مادہ بنایا اس کے بعد آسمان کا مادہ پیدا کیا پھر آسمان کی صورت بنائی اور سات آسمان بنا دیئے اس کے بعد زمین کی صورت بنائی اس کو بچھا کر اس پر جبال، اشجار وانہار کی صورتیں پیدا فرما کر زمین کی تکمیل کر دی اور اس کو قابلِ انتفاع بنا دیا اب تخلیق کی ترتیب یوں ہوگی،

خلق اولاً مادة الارض ثم جعل مادة ما فی الارض من الرواسی والاشجار و الانہار وغیرہا ثم خلق مادة السماء التی ھی دخان ثم خلق صُوَر السماوات فبناھا ورفع سمکھا فسوٰھا وبعد ذلک دحی الارض وبسطھا ومدّھا و خلق فیہا الجبال والانہار والاشجار وغیرھا ،

فحصل التوفیق بین الآیات بل بین الروایات ایضا واندفع التعارض فالحمد للہ علی ذلک (ہذہ الاجوبة الثلثة والتاویلات المذکورة تحتہا ماخوذة من تفسیر الخازن و التفسیر الکبیر وبیان القرآن وروح المعانی وغیرہا)

(۴) تعارض کا چوتھا جواب بعض محققین نے توجیہ مذکور کے برعکس صورت اختیار کرکے دیا ہے

کہ مادہ کے اعتبار سے آسمان کی تخلیق مقدم ہے اور صورت کے اعتبار سے تخلیق ارض مقدم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اولاً آسمان کا مادہ بنایا پھر زمین کا مادہ پیدا کیا اس کے بعد زمین کی صورت و شکل بنائی پھر آسمان کی صورت بنائی[1] (روح المعانی پ۱۶)

کفار کو جہنم سے کسی وقت نکالا جائیگا یا نہیں؟

پارہ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۶، ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۴، ۱۷، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۸، ۲۹، ۳۰

آیات (۱) وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ پارہ ۱ رکوع ۴ سورۂ بقرۃ جلالین ص۸ (۲) بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ پارہ ۱ رکوع ۹ سورۂ البقرۃ جلالین ص۱۳ (۳) وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ پارہ ۲ رکوع ۴ سورۂ البقرۃ جلالین ص۲۴ (۴) وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَهُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ پارہ ۲ رکوع ۱۱ سورۂ البقرۃ جلالین ص۳۲ (۵) وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ پارہ ۳ رکوع ۲ سورۂ البقرۃ جلالین ص۴۰ (۶) وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ پارہ ۳ رکوع ۶ سورۂ البقرۃ جلالین ص۴۳ (۷) اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ ـــ الیٰ قولہ ـ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ پارہ ۴ رکوع ۳ سورہ آل عمران جلالین ص۵۸ (۸) وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا پارہ ۴ رکوع ۱۳ سورہ النسآء جلالین ص۷۲ (۹) یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ پارہ ۶ رکوع ۱۰ سورۂ المائدۃ جلالین ص۹۹

[1] یہ بظاہر تو چار جوابات ہوئے لیکن جواب اول کے تحت دو تاویلیں اور جواب ثانی کے تحت چار تاویلات جو ذکر کی گئی ہیں اگر ان کو مستقل جوابات شمار کئے جائیں تو پہلے دو جواب چھ بن جاتے ہیں اور کل ملا کر آٹھ جوابات ہو جائیں گے کما لا یخفیٰ ۱۲

(۱۰) لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَفِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ پارہ ۶ رکوع ۱۵ سورۃ المائدۃ جلالین ص۱۰۵ (۱۱) وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ پارہ ۸ رکوع ۱۱ سورۃ الاعراف جلالین ص۱۳۲ (۱۲) اَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدًا فِیْهَا پارہ ۱۰ رکوع ۱۴ سورۃ التوبۃ جلالین ص۱۶۲ (۱۳) وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْکُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْهَا پارہ ۱۰ رکوع ۱۵ سورۃ التوبۃ جلالین ص۱۶۲ (۱۴) وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ ــ الی قولہ ــ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ پارہ ۱۱ رکوع ۸ سورۃ یونس جلالین ص۱۷۳ (۱۵) فَادْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَکَبِّرِیْنَ پارہ ۱۴ رکوع ۱۰ سورۃ النحل جلالین ص۲۱۸ (۱۶) لَوْ کَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا وَکُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ پارہ ۱۷ رکوع ۷ سورۃ الانبیاء جلالین ص۲۷۷ (۱۷) اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْکٰفِرِیْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِیْرًا خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا پارہ ۲۲ رکوع ۵ سورۃ الاحزاب جلالین ص۳۵۸ (۱۸) قِیْلَ ادْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَکَبِّرِیْنَ پارہ ۲۴ رکوع ۵ سورۃ الزمر جلالین ص۳۹۰ (۱۹) اُدْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَکَبِّرِیْنَ پارہ ۲۴ رکوع ۱۲ سورۃ المؤمن (غافر) جلالین ص۳۹۶ (۲۰) ذٰلِکَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ لَهُمْ فِیْهَا دَارُ الْخُلْدِ پارہ ۲۴ رکوع ۱۸ سورۃ حٰمٓ سجدۃ جلالین ص۳۹۹ (۲۱) لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ پارہ ۲۸ رکوع ۳ سورۃ المجادلۃ جلالین ص۴۵۳ (۲۲) فَکَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خٰلِدَیْنِ فِیْهَا پارہ ۲۸ رکوع ۵ سورۃ الحشر جلالین ص۴۵۶ (۲۳) وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ پارہ ۲۸ رکوع ۱۵ سورۃ التغابن جلالین ص۴۶۲ (۲۴) وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا پارہ ۲۹ رکوع ۱۲ سورۃ الجن جلالین ص۴۷۷ (۲۵) اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا اُولٰٓئِکَ هُمْ شَرُّ

البریۃ پارہ ۳۰ رکوع ۲۳ سورۃ البینۃ جلالین ص ۵۰۴ (۲۶) ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ پارہ ۲۳ رکوع ۶ سورۃ الصّٰفّٰت جلالین ص ۳۷۶

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ تا ۲۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار جہنم میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے ان کو جہنم سے نکالا نہیں جائیگا چنانچہ ان میں سے اکثر آیات میں تو خلود کی تصریح ہے اور آیت نمبر ۳ و ۹ میں ہے وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ، يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا کہ کفار جہنم سے نکلنا چاہیں گے مگر وہ نکل نہیں پائیں گے اور اخیر کی آیت نمبر ۲۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو ماءِ حمیم پلانے کیلئے جہنم سے باہر نکالا جائے گا پھر جہنم میں لوٹا دیا جائیگا کیونکہ اس آیت سے اوپر کی آیات میں شجرۂ زقوم کا ذکر کرنے کے بعد حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ کہ یہ لوگ شجرۂ زقوم سے کھاویں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے پھر ان کو اس پر کھولتا ہوا گرم پانی (پیپ اور راد میں) ملاکر دیا جائیگا اس کے بعد ارشاد فرمایا ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ پھر انکو جہنم کی طرف لوٹنا ہوگا اس سے صاف ظاہر ہے کہ ماءِ حمیم پلانے کیلئے ان کو جہنم سے نکالا جائے گا پھر جہنم کی طرف لوٹا دیا جائے گا پس یہ آیت پہلی پچیس آیات کے بظاہر معارض ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کے ۲ دو جواب ہیں

(۱) ماءِ حمیم پلانے کیلئے ان کو جہنم سے بالکلیہ نہیں نکالا جائیگا بلکہ جہنم تو چونکہ ایک وسیع وعریض جگہ ہے اس میں اہلِ جہنم کیلئے مختلف درکات وطبقات ہیں ہر شخص اپنے اپنے مستقر اور ٹھکانے پر ہوگا ان کو انکے مستقر سے نکال کر جہنم کے اندر ہی اندر گویا دوسری جگہ لیجایا جائے گا جہاں ماءِ حمیم کا انتظام ہوگا ، وہاں سے ماءِ حمیم پی کر وہ پھر اپنے مستقر کی طرف لوٹ جائیں گے پس ماءِ حمیم جہنم سے باہر نہیں ہے اور اور اس کو پینے کیلئے جہنم سے نکلنا لازم نہیں آتا اور رجوع الی الجحیم سے مراد رجوع الی درکات الجحیم ومستقراتہم ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے جمہور حضرات اسی کے قائل ہیں (روح المعانی وجمل)

(۲) بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ماءِ حمیم جہنم سے باہر ہے مگر یہ ماءِ حمیم کا پلایا جانا جہنم میں داخلہ سے

پہلے ہوگا ان کو ابتداء میں ہی شجرۂ زقوم کھلا کر اور اس پر مار حمیم پلا کر پھر جہنم میں داخل کر دیا جائے گا اس کے بعد وہ کبھی جہنم سے نہیں نکلیں گے ہمیشہ ہمیش اسی میں رہیں گے لہذا کوئی تعارض نہیں مگر یہ توجیہ خلاف ظاہر ہے (روح المعانی)

آخرت میں کسی شخص کو کسی سے نفع پہنچے گا یا نہیں؟

پارہ نمبر ۱، ۱۳، ۲۱، ۲۴، ۲۵، ۲۷، ۳۰

آیات (۱) وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا الآیۃ پارہ ۱ رکوع ۶ سورۂ بقرۃ جلالین ص ۹ (۲) وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا الآیۃ پارہ ۱ رکوع ۱۵ سورۂ بقرۃ جلالین ص ۱۸ (۳) یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْئًا پارہ ۲۱ رکوع ۱۳ سورۂ لقمان جلالین ص ۳۴۵ (۴) یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَیْئًا وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ پارہ ۲۵ رکوع ۱۵ سورہ دخان جلالین ص ۴۱۲ (۵) لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى پارہ ۲۷ رکوع ۷ سورۂ النجم جلالین ص ۴۳۹ (۶) یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا وَّالْاَمْرُ یَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ پارہ ۳۰ رکوع ۷ سورۂ الانفطار جلالین ص ۴۹۲ ● (۷) جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ پارہ ۱۳ رکوع ۹ سورہ الرعد جلالین ص ۲۰۳ (۸) رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ۣالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ پارہ ۲۴ رکوع ۶ سورۂ غافر (المؤمن) جلالین ص ۳۹۱ (۹) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ پارہ ۲۷ رکوع ۳ سورۂ طور جلالین ص ۴۳۵،

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ تا ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں کوئی شخص کسی شخص کے کام نہ آئے گا کسی کو کسی سے کوئی فائدہ نہ پہونچے گا نہ باپ سے بیٹے کو کوئی نفع پہونچے گا نہ بیٹے سے باپ کو، آیت نمبر ۴ میں ہے کہ کوئی دوست کسی دوست کو نفع نہیں پہنچائے گا آیت نمبر ۵ سے بھی یہی بات مفہوم ہوتی ہے کہ انسان کے اسی کی سعی کام آئے گی کسی دوسرے کی سعی اور عمل سے انسان کو نفع نہیں پہونچے گا، اسی طرح آیت نمبر ۶ میں ہے کہ اس دن کوئی نفس کسی نفس کیلئے نفع کا مالک

نہیں ہوگا، غرض کہ ان پانچوں آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے روز کوئی کسی کے کام نہ آئے گا کسی سے کسی کو نفع نہیں پہنچے گا اور آیت نمبر ۷ و ۸ و ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت میں سے جو لوگ درجاتِ عالیہ پر فائز ہوں گے اُن سے اُن کے خاندان کے افراد مثلاً آباؤ اجداد ازواج و ذریات کو نفع پہنچے گا کیونکہ آیت نمبر ۷ و ۸ میں ارشاد ہے کہ حضراتِ مؤمنین صالحین کاملین کیلئے جنت کے درجاتِ عالیہ ہیں جن میں ان حضرات کے ساتھ ساتھ ان کے آباء و اجداد ازواج و ذریات میں سے جو مؤمن ہوں گے وہ بھی انھیں درجات عالیہ میں داخل ہوں گے اگرچہ ان لوگوں کے اعمال اس درجہ کے نہیں ہوں گے کہ درجاتِ عالیہ کے مستحق ہوتے مگر حضرات کاملین کے اعزاز و اکرام اور تعظیم شان کی خاطر ان کے آباء و اجداد ازواج و ذریات کو بھی ان کے درجات پر پہنچا دیا جائے گا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور ان کے سرور و عیش میں اضافہ ہو چنانچہ روایت میں اس آیت کی تفسیر یہی وارد ہوئی ہے،

عن ابن جبیر قال یدخل الرجل الجنة فیقول این اُمّی این ولدی این زوجتی فیقال لم یعملوا مثل عملك یقول کنتُ اَعمل لی ولهم ثم قرأ الآیة (رواه ابن ابی حاتم وابو الشیخ) روح المعانی ص۱۴۳ ج۱۳

ابن جبیر سے مروی ہے کہ آدمی جنت میں داخل ہوگا تو کہے گا، میری ماں کہاں ہے میرا بیٹا کہاں ہے میری بیوی کہاں ہے اس سے کہا جائیگا کہ ان لوگوں نے تجھ جیسے اعمال نہیں کئے تھے وہ کہے گا میں نے جو اعمال کئے تھے وہ اپنے لئے بھی کئے تھے اور ان کے لئے بھی پھر حضرت ابن جبیر نے یہ آیت پڑھی (جنت عدن یدخلونها ومن صلح الآیة)

اور آیت نمبر ۹ میں تو صاف تصریح ہے اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ کہ ان کی ذریت کو ہم انھیں کے ساتھ لاحق کر دیں گے ان کے درجات پر پہنچا دیں گے اس آیت کی تفسیر بھی روایات میں یہی وارد ہوئی ہے،

عن ابن عباسؓ قال ان الله لیرفع ذُریّةَ المؤمن معه فی درجته فی الجنة وان کانوا دونه فی العمل لِتقرَّ بهم عینه ثم قرأ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں مؤمن کی ذریت کو اسی کیساتھ اس کے درجہ میں پہنچا دیں گے اگرچہ عمل کے اعتبار سے وہ اس

الآیۃ اخرجہ سعید بن منصور وھناد وابن جریر و ابن المنذر وابن ابی حاتم والبیہقی فی سننہ (روح المعانی صـ۳۲/۲۷)

سے ادنیٰ ہوں گے تاکہ ان کی وجہ سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں پھر حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت (والذین آمنوا واتبعتہم ذریتہم بایمان الحقنابہم ذریتہم) تلاوت فرمائی ایک اور مرفوع روایت ہے،

عن ابن عباس رضہ انہ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا دخل الرجل الجنۃ سأل عن ابویہ وزوجتہ وولدہ فیقال لہ انہم لم یبلغوا درجتک وعملک فیقول یا ربِ قد عملتُ لی ولہم فیؤمر بالحاقہم بہ (رواہ ابن مردویہ والطبرانی) روح المعانی ۳۲/۲۷

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی جنت میں داخل ہوگا تو اپنے والدین اور بیوی بچوں کے بارے میں سوال کرے گا (کہ وہ کہاں ہیں) تو اس سے کہا جائے گا کہ وہ لوگ تیرے درجہ اور تیرے عمل کو نہیں پہنچے (یعنی انھوں نے تجھ جیسے اعمال نہیں کئے کہ تیرے درجہ پر ان کو پہنچایا جاتا وہ درجاتِ سفلیٰ میں موجود ہیں) وہ شخص کہے گا یا رب میں نے اپنے لئے بھی اعمال کئے تھے اور ان کے لئے بھی تو ان کو اسی کے ساتھ لاحق کر دینے کا حکم کر دیا جائے گا (کہ اس کے والدین اور بیوی بچوں کو بھی اس کے درجات عالیہ میں پہنچا دیا جائے)

صاحبِ روح المعانی فرماتے ہیں کہ ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ الحاق سے مراد یہ نہیں ہے کہ کبھی کبھی زیارت وغیرہ کیلئے ان لوگوں کو اس شخص کے درجات عالیہ پر پہنچایا جائے گا بلکہ مستقل سکونت عطا کر دینا مراد ہے، بہر حال ان تینوں آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسان سے نفع پہنچے گا اور پہلی چھ آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور کسی کو کسی سے نفع نہیں پہنچے گا پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ آیت ۱و۲ لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا میں نفسِ اولیٰ سے مراد مؤمن اور نفسِ ثانیہ سے مراد کافر ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی مومن کسی کافر کو نفع نہیں پہنچائے گا یعنی اگر کسی مؤمن کا کوئی رشتہ دار یا دوست کافر ہوگا تو اس کافر کو اس مؤمن کے اعزاز واکرام میں بخشا نہیں جائے گا اسی طرح آیت نمبر ۳ لَا یَجْزِیْ وَالِدٌ

عَنْ وَّلَدِہٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِہٖ شَيْئًا کا مطلب یہ ہے کہ لا یجزی والد مؤمن عن ولدہ الکافر ولا مولود مومن ھو جاز عن والدہ الکافر کہ کوئی مؤمن باپ اپنے بیٹے کافر کے اور کوئی مؤمن بیٹا اپنے کافر باپ کے کام نہ آئے گا ایسے ہی آیت نمبر ۴ کا مطلب یہ ہے لَا یُغْنِیْ مَوْلًی مُّؤْمِنٌ عَنْ مَّوْلًی کافِرٍ شَیْئًا اسی طرح آیت نمبر ۵ میں سعی سے مراد سعیِ ایمانی ہے یعنی ہر انسان کو اپنے ایمان سے فائدہ ہوگا دوسرے کا ایمان کارآمد نہیں ہوگا، پس کسی مؤمن کے ایمان سے کافر کو نفع نہ پہنچے گا، اسی طرح آیت نمبر ۶ میں نفسِ ثانیہ سے مراد نفسِ کافرہ ہے جیسا کہ حضرتِ مقاتلؒ سے مروی ہے کہ کوئی شخص کسی کافر کیلئے کسی نفع کا مالک نہیں ہوگا، اور اخیر کی تین آیتوں میں جو ایک شخص کا دوسرے کیلئے نافع ہونا مذکور ہے وہ مؤمنین کے بارے میں ہے کہ ایک مؤمن سے دوسرے مؤمن کو نفع پہنچے گا کیونکہ جنت کا مستحق تو صاحب ایمان ہی ہوتا ہے البتہ ایک شخص اپنے عمل صالح اور تقویٰ وطہارت کی وجہ سے اپنے اعزا و اقارب کیلئے ترقیِ درجات کا سبب بن جائے گا، آیت نمبر ۸ میں وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ کہا گیا ہے، مَنْ صَلَحَ کی تفسیر حضرت ابن جبیرؒ نے مَنْ اٰمَنَ کے ساتھ کی ہے یہی تفسیر حضرت مجاہدؒ اور حضرتِ ابن عباسؓ سے مروی ہے اور آیت نمبر ۹ میں وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ میں ایمان کی قید مصرح ہے خلاصہ یہ ہوا کہ مؤمن مؤمن کو تو نفع پہنچائیگا مگر کافر کو مؤمن سے کوئی نفع نہیں پہنچے گا فلا تعارض (روح المعانی، مظہری، جمل)

قیامت کے دن کسی کی شفاعت قبول ہوگی یا نہیں؟

پارہ ۱، ۱۶، ۱۷، ۲۲، ۲۵، ۲۷

آیات (۱) وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ پارہ ۱ رکوع ۶ سورۃ البقرۃ جلالین ص۹ (۲) وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ پارہ ۱ رکوع ۱۵ سورۃ البقرۃ جلالین ص۱۸ (۳) لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا پارہ ۱۶ رکوع ۹ سورۃ مریم جلالین ص۲۶۰ (۴) وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ پارہ ۱۷ رکوع ۲ سورۃ انبیاء جلالین ص۲۷۱ (۵) وَلَا تَنْفَعُ

الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهُ پارہ ۲۲ رکوع ۹ سورۂ سباء جلالین ص ۳۶۱ (۶) وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ پارہ ۲۵ رکوع ۱۳ سورۂ الزخرف جلالین ص ۴۱۰ (۷) وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰى پارہ ۲۷ رکوع ۶ سورۂ النجم جلالین ص ۴۳۸

تشریح تعارض آیت ۱ اور ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کی طرف سے کوئی شفاعت کسی کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی اور کسی کی شفاعت سے کسی کو نفع نہیں پہنچے گا معتزلہ اسی کے قائل ہیں وہ شفاعت بمعنی رفع عذاب کا انکار کرتے ہیں اور اخیر کی پانچ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کو حق تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت دیدیں گے اور ان کی شفاعت قبول کی جائے گی جیساکہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے چنانچہ تیسری آیت میں ارشاد ہے کہ لوگ شفاعت کے مالک نہیں ہوں گے مگر وہ شخص جو اللہ سے اجازت حاصل کرے گا عہد کی ایک تفسیر اِذْن (اجازت) کے ساتھ بھی منقول ہے حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں اسی کو اختیار کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جب اللہ سے اجازت لیکر آدمی شفاعت کرے گا تو اس کی شفاعت کو حق تعالیٰ قبول بھی فرمائیں گے کیونکہ اجازت دینا قبول کرنے ہی کیلئے ہوگا ورنہ اجازت دینے سے کیا فائدہ؟ نتیجہ یہ نکلا کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کی شفاعت قبول فرمائیں گے اسی طرح آیت نمبر ۴ میں ارشاد ہے کہ ملائکہ نہیں شفاعت کریں گے مگر اس شخص کی جس کی شفاعت کئے جانے سے حق تعالیٰ راضی ہوں گے اور جس کی شفاعت کئے جانے سے حق تعالیٰ راضی ہوں اس کے حق میں شفاعت قبول بھی ہوگی کیونکہ رضا قبولیت کی علامت ہے بہر حال اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ ملائکہ کی شفاعت ان لوگوں کے حق میں قبول ہوگی رہی آیت نمبر ۵ سو اس میں تو صاف تصریح ہے کہ نفع نہیں دے گی شفاعت مگر اس شخص کو جس کیلئے اللہ شفاعت کی اجازت دیدیں گے اور شفاعت کا نافع ہونا قبولیت پر موقوف ہے معلوم ہوا کہ شفاعت قبول کیجائے گی اسی طرح آیت نمبر ۶ میں اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق کی گواہی دینے والے اہل علم حضرات شفاعت کرنے کے مالک ہوں گے اور مالکِ شفاعت ہونے کا حاصل یہی نکلتا

ہے کہ ان کی شفاعت مقبول ونافع ہوگی اور آیت نمبر ۷ میں ہے کہ جن کیلئے حق تعالیٰ شفاعت کی اجازت دیدیں گے اور اُن سے راضی ہوجائیں گے ان کے حق میں ملائکہ کی شفاعت نافع ہوگی، خلاصہ یہ ہوا کہ اخیر کی پانچ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے حق میں انسانوں اور فرشتوں کی شفاعت قبول ہوگی اور آیت ۱ و ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی کوئی شفاعت قبول نہیں ہوگی پس اِن آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) اختلافِ اشخاص پر محمول ہے آیت ۱ و ۲ کفار کے حق میں ہیں کہ کوئی مومن اگر کسی کافر کی شفاعت کرنا چاہے گا تو اسکی شفاعت قبول نہیں ہوگی اور آیت کا مطلب ہے لا تقبل من النفس المؤمنة شفاعة فی حق الکافرة اور اخیر کی پانچ آیات مؤمنین کے حق میں ہیں کہ حضرات انبیاء، ملائکہ اور مؤمنین صالحین، گنہگار مؤمنین کی شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول ہوگی اور اختلافِ اشخاص کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا (صاوی، مدارک وغیرہ)

(۲) اختلافِ زمان پر محمول ہے یعنی بعض اوقات میں تو کسی کی کوئی شفاعت قبول نہیں ہوگی اور یہ وہ وقت ہوگا جب تک کہ شفاعت کی اجازت نہیں ملی ہوگی اور دوسرے بعض اوقات میں جبکہ حق تعالیٰ کی طرف سے اجازت مل جائے گی شفاعت قبول کی جائے گی پس آیت ۱ و ۲ قبل الاذن پر اور آیات اخیرہ بعد الاذن پر محمول ہیں اور تمام آیات مؤمنین کے ساتھ مخصوص ہیں اس لئے کہ کفار کیلئے تو شفاعت کسی وقت بھی نافع نہیں ہوگی اجازت جو ملے گی یہ صرف مومنین کے حق میں ملے گی، بہرحال اختلافِ زمان کے بعد تعارض نہیں رہتا، (روح المعانی)

(۳) قیامت کے روز کفار کیلئے کوئی شفاعت کرنیوالا ہوگا یا نہیں؟

پارہ نمبر ۱، ۱۹، ۲۴، ۲۹

آیات (۱) وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ ۝ الآیۃ پارہ ۱ رکوع ۶ سورہ بقرۃ جلالین ص ۹ (۲) وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ۝ الآیۃ پارہ ۱ رکوع ۱۵

سورۂ البقرۃ جلالین ص۱۸ (۳) مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ پارہ ۲۴ رکوع ۷

سورۂ المؤمن (غافر) جلالین ص۳۹۲ (۴) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ پارہ ۲۹ رکوع ۱۶

سورۂ المدثر جلالین ص۴۸۱ ◉ (۵) فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ پارہ ۱۹ رکوع ۹ سورۂ الشعراء جلالین ص۳۱۳

تشریح تعارض پہلی چار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کیلئے شفاعت کرنے والے تو ہوں گے مگر ان کی شفاعت مقبول اور نافع نہیں ہوگی کیونکہ آیت نمبر ۱ و ۲ میں حرفِ نفی مطلق شفاعت پر داخل نہیں ہے یعنی یہ نہیں کہا گیا لَيْسَتْ لَهُمْ شَفَاعَةٌ کہ کفار کیلئے بالکل شفاعت ہی نہیں ہوگی بلکہ حرفِ نفی شفاعتِ مقیدہ بالقبولیۃ والنفع پر داخل ہے شفاعت مقید، اور قبولیت ونفع قید ہے اور قاعدہ ہے کہ جب نفی مقید بالقید پر داخل ہو تو نفی صرف قید کی ہوتی ہے مقید کی نہیں ہوتی مقید ثابت رہتا ہے جیسے کہا جائے لیس عندی ثوبٌ ابیض اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرے پاس کپڑا تو ہے مگر سفید کپڑا نہیں ہے نفی ابیض کی ہے جو کہ ثوب کیلئے قید ہے ایسے ہی یہاں پر نفی قبولیت ونفع کی ہوگی، نہ کہ مطلق شفاعت کی جس کا مطلب یہ نکلے گا کہ کفار کیلئے شفاعت تو ہوگی مگر مقبول ونافع نہیں ہوگی اسی طرح تیسری آیت میں ارشاد ہے کہ ظالمین کیلئے کوئی غمخوار دوست اور ایسا کوئی شفیع نہیں ہوگا جس کی بات مانی جائے یعنی اس کی شفاعت قبول کی جائے اس کا مطلب بھی قاعدۂ مذکورہ کے مطابق یہی ہوگا کہ ظالمین کیلئے شفیع تو ہوگا مگر اسکی شفاعت مانی نہیں جائے گی، ایسے ہی آیت نمبر ۴ میں ہے کہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کفار کو نفع نہیں دیگی اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شافعین تو ہوں گے مگر ان کی شفاعت کفار کیلئے نافع نہیں ہوگی بہرحال چاروں آیات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کیلئے شافعین تو ہوں گے مگر ان کی شفاعت مقبول ونافع نہیں ہوگی اور آیت نمبر ۵ میں کفار کا مقولہ ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے لئے کوئی شفاعت کرنے والا ہی نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کیلئے کوئی شفاعت کرنے والا ہی نہیں ہوگا پس یہ آیت پہلی چار آیات کے بظاہر معارض ہے

دفع تعارض اس تعارض کے دو ۲ جواب ہیں

(۱) بسا اوقات نفی قید اور مقید دونوں کی مقصود ہوتی ہے جیسے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

میں عدم مقید تو تنہا قید ہے اور اس آیت کی تفسیر میں جہاں اور دیگر احتمالات ہیں وہاں ایک احتمال صاحبِ روح المعانی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ موصوف وصفت دونوں کی نفی مقصود ہے کہ آسمانوں کیلئے ستون ہی نہیں ہیں اسی لئے وہ نظر بھی نہیں آتے صرف قید کی نفی مقصود نہیں ہے کہ ستون تو ہیں مگر نظر نہیں آتے اس لئے کہ آسمانوں کیلئے ستونوں کا نہ ہونا ہی حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ پر زیادہ دلالت کرنیوالی چیز ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اتنے طویل وعریض اور عظیم وثقیل آسمانوں کو بغیر ستونوں کے قائم کر دیا ہے بس اسی طرح پہلی چار آیات میں قید اور مقید دونوں کی نفی مقصود ہے یعنی کفار کیلئے کوئی شفاعت کرنے والا ہی نہیں ہوگا اور چونکہ قبولیت ونفع شفاعت پر مرتب ہے جب شفاعت نہیں تو قبولیت اور نفع کا کوئی سوال ہی نہیں بس ان تمام آیات کا مفہوم متحد ہوگیا کہ کفار کیلئے کوئی شفاعت کرنے والا ہی نہیں ہوگا فاندفع التعارض (جمل وغیرہ)

(۲) واقعہ یہی ہے کہ کفار کیلئے کوئی شفاعت کرنیوالا نہیں ہوگا جیسا کہ آیت نمبر ۵ میں کہا گیا ہے اور پہلی چار آیات میں علی سبیل الفرض کلام کیا گیا ہے کہ اگر بالفرض کفار کیلئے کوئی شفاعت کرنے لگے تو اس کی شفاعت مقبول اور نافع نہیں ہوگی بلکہ اگر سارے انسان وجنات مل کر بھی کسی کافر کی شفاعت کرنے لگیں تب بھی قبول نہیں ہوگی بس پہلی چار آیات میں کلام علی سبیل الفرض اور آیت نمبر ۵ میں علی سبیل الواقع کیا گیا ہے لہذا کوئی تعارض نہیں (روح المعانی)

حضرت موسیٰؑ کو کوہِ طور پر کتنے دن کیلئے بُلایا گیا تھا؟

پارہ نمبر ۱ و ۹

آیات (۱) وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً الآیۃ پارہ ۱ رکوع ۶ سورۃ البقرۃ جلالین ص ۹

(۲) وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً پارہ ۹ رکوع ۷ سورۃ الاعراف جلالین ص ۱۴۰

تشریحِ تعارض آیتِ اولیٰ میں تو فرمایا کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا کہ آپ کوہِ طور پر چالیس دن کیلئے تشریف لے آئیے ہم آپ کو تورات عطا فرمائیں گے اور

دوسری آیت میں ہے کہ تیس راتوں کا وعدہ کیا پھر دس راتوں کا مزید اضافہ کر کے چالیس راتیں مکمل فرما دیں پس دونوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے کوئی تعارض نہیں ہے اصل وعدہ تیس راتوں کا تھا کہ آپ کوہ طور پر تشریف لائیں اور ایک مہینہ عبادت میں گذاریں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ماہ حق تعالیٰ کی عبادت میں گذارا اور مسلسل روزے رکھے درمیان میں افطار نہیں کیا جس کو صوم وصال کہتے ہیں تیسویں دن افطار کر لیا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ نے افطار کر کے حالتِ صوم کی اس رائحہ کو دور کر دیا جو ہم کو مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے آپ دس روزے اور رکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس روزے مزید رکھے اس طرح کل ملا کر چالیس دن ہو گئے یہ اربعین کی تفصیل ہوئی جس کو آیت ثانیہ میں ذکر کیا گیا ہے اسی کو آیت اولیٰ میں دونوں عددوں کو جمع کر کے اجمالاً حاصل اور نتیجہ کو بیان کرتے ہوئے فرما دیا وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً اور کسی چیز کو اجمال کے بعد تفصیلاً ذکر کرنے یا تفصیل کے بعد اجمالاً ذکر کرنے میں کوئی تعارض نہیں (جمل، خازن، مدارک، بیان القرآن)

مرتکب کبیرہ مُخلّد فی النار ہے یا نہیں؟

پارہ نمبر ۱، ۴، ۵، ۱۰، ۲۹، ۳۰

آیات (۱) بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ پارہ ۱ رکوع ۹ سورۃ البقرۃ جلالین ص۱۳ (۲) وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا پارہ ۴ رکوع ۱۳ سورۃ نسآء جلالین ص۷۲ (۳) وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا پارہ ۵ رکوع ۱۰ سورۃ نسآء جلالین ص۸۴ (۴) وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا پارہ ۲۹ رکوع ۱۲ سورۃ الجن جلالین ص۴۷۷ (۵) وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ پارہ ۱۰ رکوع ۱۵ سورۃ التوبۃ جلالین ص۱۶۲ (۶) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ

ذَرَّۃٍ خَيْرًا يَّرَہٗ پارہ نمبر ۳۰ رکوع ۲۴ سورۃ الزلزال جلالین ص ۵۰۵

تشریح تعارض پہلی چار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مؤمن ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنا اس کے حدود سے تجاوز کرنا کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرنا یہ سب معاصی کبیرہ ہیں اور ان کے مرتکب کو ان آیات میں مُخلّد فی النار بتایا گیا ہے[1] اور آیت نمبر ۵ و ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب ایمان جنّت میں ضرور داخل ہوگا اگرچہ وہ فاسق وفاجر کیوں نہ ہو[2] حق تعالیٰ اس کے گناہوں کی سزا دینا چاہیں گے تو ایک عرصہ تک جہنم میں سزا دیکر پھر اس کے ایمان کی وجہ سے اس کو جہنم سے نکالکر جنت میں بھیجدیں گے کیونکہ آیت ۵ میں ہے کہ حق تعالیٰ نے ایمان والوں سے جنت کا وعدہ کر لیا ہے اور آیت نمبر ۶ میں ہے جو ذرّہ برابر عملِ خیر کرے گا اس کا ثواب دیکھے گا اور نفسِ ایمان عملِ خیر ہے اگرچہ پوری زندگی معاصی میں گذری ہو مگر نفسِ ایمان اس کے پاس موجود ہونے کی وجہ سے کبھی نہ کبھی اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں بھیجا جائے گا اور ایمان کی جزا اس کو ملے گی ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن اگر مرتکبِ کبیرہ ہو وہ مُخلّد فی النار نہیں ہے بلکہ جنت میں ضرور جائے گا اور آیت ۱ تا ۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ مُخلّد فی النار ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں ،

(۱) حقیقت تو وہی ہے جو آیت نمبر ۵ و ۶ میں ہے کہ صاحب ایمان جنت میں ضرور داخل ہوگا اگرچہ وہ مرتکبِ کبیرہ ہو روایتِ صحیحہ میں بھی اس کی تصریح وارد ہوئی ہے ،

عن ابی ذر رضؓ قال اتیتُ النبیَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وعلیہ ثوب ابیض وھونائم ثم اتیتُہٗ وقد استیقظ فقال مامن عبدٍ قال لا الٰہ الا اللّٰہ ثم مات علی ذٰلک اِلاَّ	حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ سفید کپڑا اوڑھے سو رہے تھے میں دوبارہ حاضر ہوا تو آپ بیدار ہو چکے تھے پس آپ نے یہ ارشاد فرمایا جو بندہ لا الٰہ الا اللہ

[1] معتزلہ کا یہی مسلک ہے اور یہ آیات ان کا مستدل ہیں ۱۲ [2] جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے ۱۲

دخل الجنة قلت وان زنیٰ وان سرق قال وان زنیٰ وان سرق قلت وان زنیٰ وان سرق قال وان زنیٰ وان سرق قلت وان زنیٰ وان سرق قال وان زنیٰ وان سرق ثم فی الرابعة علی رغم انف ابی ذر (رواہ البخاری ومسلم)۔ النبراس شرح شرح العقائد

پڑھے پھر اسی کلمہ پر مر جائے وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا میں نے عرض کیا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے آپؐ نے ارشاد فرمایا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے میں نے پھر کہا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے آپؐ نے فرمایا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے میں نے پھر (تعجب سے) پوچھا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے آپؐ نے فرمایا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے پھر چوتھی مرتبہ آپ نے فرمایا ابوذر کی ناک خاک آلود ہونے کے باوجود (یعنی ابوذر کو کتنا ہی ناگوار محسوس ہو رہا ہو مگر وہ شخص جنت میں ضرور جائے گا،

رہی وہ آیات جن سے مرتکب کبیرہ کا مُخَلَّد فی النار ہونا معلوم ہوتا ہے تو وہ اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہیں بلکہ ان میں تاویل کی جائے گی تاکہ آیات میں تطبیق ہو جائے،

پہلی آیت بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّاَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْئَتُہٗ الخ میں دو تاویلیں کی گئی ہیں،

(۱) سَیِّئَۃ سے مراد گناہ کبیرہ نہیں بلکہ شرک مراد ہے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت مجاہد سے اس آیت میں سیئۃ کی تفسیر شرک کے ساتھ منقول ہے ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ سے ابن جریر نے حضرت ابووائل، مجاہد، قتادہ، عطاء اور ربیع سے سیئۃ اور خطیئۃ کی تفسیر کفر کے ساتھ نقل کی ہے پس یہ آیت کافر کے حق میں ہوئی اور کافر مُخَلَّد فی النار ہوتا ہے اس تفسیر کے بعد اس آیت سے مرتکب کبیرہ کا مُخَلَّد فی النار ہونا لازم نہیں آیا پس یہ آیت اخیر کی دو آیتوں کے معارض نہیں رہی (روح المعانی، مدارک، خازن وغیرہ)

(۲) دوسری تاویل یہ ہے کہ اس میں اَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْئَتُہٗ فرمایا گیا ہے کہ اس کی خطائیں ہر جانب سے اس کا احاطہ کرلیں یعنی اس کے ظاہر و باطن پر خطاؤں کا غلبہ ہو جائے کوئی خیر اس کے اندر باقی نہ رہے حتی کہ اس کے قلب میں تصدیق اور زبان پر اقرار بھی باقی نہ رہے اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص کافر ہوتا ہے پس اس تاویل کی بنا پر بھی یہ آیت کافر کے حق میں ہوئی اور کافر

مُخلَّد فی النار ہوتا ہے (النبراس)

دوسری آیت وَمَنْ یَعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَتَعَدَّ الآیۃ میں بھی دو تاویلیں کی گئی ہیں،

(۱) وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ سے مراد وَیَتَعَدَّ جَمِیْعَ حُدُوْدِہٖ ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول کی نافرمانی کرے اور اللہ کی تمام حدود سے تجاوز کر جائے وہ مخلد فی النار ہے اور تمام حدود سے تجاوز کر جانے والا کافر ہوتا ہے اس لئے کہ جمیع حدود میں ایک حدِ توحید بھی ہے جو شخص حدِ توحید سے بھی تجاوز کر جائے بایں طور کہ اللہ کیساتھ غیر کو شریک کرنے لگے وہ کافر ہوتا ہے، مومن اگرچہ فاسق وفاجر ہو مگر وہ حدِ توحید پر ٹھہرا رہتا ہے وہ اس حد سے تجاوز نہیں کرتا لہذا وہ اس آیت میں داخل نہیں ہوگا اور اس کا مُخلَّد فی النار ہونا لازم نہیں آئے گا (روح المعانی والنبراس)

(۲) علامہ کلبیؒ سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت سے اوپر جو میراث کی تقسیم بیان کی ہے اور جو حدود اس تقسیم کی متعین فرمائی ہیں جو شخص ان حدود سے تجاوز کرنا حلال سمجھے اور حلال سمجھ کر ان حدود سے تجاوز کر جائے وہ مُخلَّد فی النار ہے اور کسی گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے پس یہ آیت کافر کے بارے میں ہوئی اور کافر کے مُخلَّد فی النار ہونے میں کوئی شک نہیں ہے ان دونوں تاویلوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ یہ آیت کافر کے حق میں ہے ابن جریج اور ابن جبیر سے بھی یہی منقول ہے کہ ومن یعص اللہ ورسولہ کا مطلب مَنْ لایؤمن بما فَصَّلَ سبحانہ من المواریث یعنی وہ شخص مراد ہے جو حق تعالیٰ کی بیان کردہ مواریث پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے اور مُخلَّد فی النار ہے (روح المعانی)

تیسری آیت وَمَنْ یَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ الآیۃ میں چار تاویلات کی گئی ہیں

(۱) خلود فی النار کی وعید زجر وتوبیخ میں تغلیظ وتشدید پر محمول ہیں یعنی خلود فی النار مقصود نہیں ہے بلکہ ڈانٹ ڈپٹ میں سختی اختیار کرتے ہوئے یہ وعید سنائی گئی ہے تاکہ کوئی شخص مومن کو قتل کرنے کی جرأت وہمت نہ کر سکے روایات میں بھی قتلِ مومن پر اس قسم کی وعیدیں زجر و توبیخ کے طور پر وارد ہوئی ہیں،

عن الحسن قال قال رسول اللہ صلی اللہ | حضرت حسن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علیه وسلم نازلتُ ربي في قاتل المؤمن ان یجعل له توبة فابی علی - رواہ عبد بن حمید (روح المعانی ص۱۱۶ ج۵)

نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے مومن کے قاتل کے بارے میں درخواست کی کہ اس کی توبہ قبول کر لیا کریں تو حق تعالیٰ نے انکار فرمادیا (کہ میں مؤمن کے

قاتل کی دعا قبول نہیں کروں گا) یہ زجر و توبیخ پر محمول ہے ورنہ ہر گناہ کبیرہ سے حتیٰ کہ کفر و شرک سے بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے ، اسی طرح حضرت سعید بن عینا سے منقول ہے کہ میں حضرت ابوہریرہؓ کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص آیا اس نے دریافت کیا کہ کیا مؤمن کو قتل کرنے والے کی توبہ قبول ہو جاتی ہے حضرت ابوہریرہ نے فرمایا لا والذی لا الٰہ الا ھو لا ید خل الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس شخص کی توبہ قبول نہیں ہوتی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے (یعنی قاتلِ مؤمن کا جنت میں داخل ہونا محال ہے جیسا کہ اونٹ کا سوئی کے سوراخ میں داخل ہونا محال ہے) حضرت ابن عباسؓ سے بھی مشہور ہے کہ قاتلِ مؤمن کی توبہ قبول نہیں ہوتی یہ سب زجر و توبیخ پر محمول ہے ،

دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت ابن حمید اور امام نحاس نے سعید بن عبیدہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس یہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مومن کو قتل کردے اسکی توبہ قبول ہو جاتی ہے ایک مرتبہ ایک شخص نے آکر اُن سے سوال کیا کہ کیا قاتلِ مؤمن کی توبہ قبول ہو جاتی ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نہیں! اس کیلئے تو صرف جہنم ہے جب وہ شخص چلا گیا تو اہلِ مجلس نے عرض کیا آپ تو اس طرح کا فتویٰ نہیں دیتے ہیں آپ تو ہم سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ قاتلِ مؤمن کی توبہ قبول ہو جاتی ہے آج کیا بات ہوئی (کہ آپ نے فرمادیا اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی اس کیلئے صرف جہنم ہے) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ شخص غصہ میں بھرا ہوا تھا میرا گمان یہ ہے کہ اس کا ارادہ کسی مومن کو قتل کرنے کا تھا (یہ اسی لئے معلوم کرنے آیا تھا کہ اگر قبولیتِ توبہ کی گنجائش نکل آئی تو قتل کرنے کے بعد توبہ کر لوں گا اس لئے میں نے اس سے کہدیا کہ قاتلِ مومن کی توبہ قبول نہیں ہوتی تاکہ یہ قتل سے رُک جائے) لوگوں نے کسی شخص کو اس کے پیچھے بھیجا کہ دیکھ کر آئے وہ کہاں جاتا ہے اس کا کیا ارادہ ہے معلوم ہوا کہ واقعی اُس کا

ارادہ کسی مؤمن کو قتل کرنے کا تھا، اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ زجر و توبیخ کے طور پر فرمادیا کرتے تھے کہ قاتلِ مؤمن کی توبہ قبول نہیں ہوتی وہ مُخلّد فی النار ہوتا ہے پس ایسے ہی آیتِ شریفہ بھی تغلیظ و تشدید فی الزجر و التوبیخ پر محمول ہے (روح المعانی)

(۲) دوسری تاویل یہ ہے کہ مطلب آیتِ شریفہ کا یہ ہے کہ قتلِ مؤمن عمداً کی جزاءِ حقیقی تو تخلید فی النار ہی ہے اگر حق تعالیٰ اس کو جزائے حقیقی دینا چاہیں تو تخلید فی النار کی سزا دیں گے مگر یہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم کی بات ہے کہ اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں بھیج دیں گے، ابنِ منذر نے عون بن عبداللہ سے اس آیت کی تفسیر میں یہی نقل کیا ہے فجزاءہ جھنم ان جازاہ، ابوداؤد شریف کی روایت میں حضرت ابومجلز سے یہی تفسیر منقول ہے قال ھی جزاءہ فان شاء اللہ ان یتجاوز عن جزاءہ فعل کہ قتلِ مؤمن کی جزا، تو جہنم ہی ہے (معافی کا کوئی سوال نہیں) لیکن حق تعالیٰ شانہ اگر معاف کرنا چاہیں گے تو معاف فرما دیں گے عذاب کی وعید بیان کرنے کے بعد اس کے خلاف کر دینا یعنی معاف کر دینا اس کو کذب نہیں کہا جاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر تو نے فلاں حرکت کی تو تیری سزا قتل اور ضرب ہے پھر اس حرکت کے کرنے پر اس کو وہ سزا نہ دے تو اس کو کذب نہیں کہا جاتا بلکہ یہ تو اس کا احسان و کرم شمار ہوتا ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ سزا تو اس جُرم کی قتل و ضرب ہی تھی مگر ہم نے تجھ پر احسان و کرم کرتے ہوئے تجھ کو معاف کر دیا، پس اسی طرح حق تعالیٰ وعید بیان کرنے کے بعد اگر چاہیں گے تو معاف فرما دیں گے، امام واحدی فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل وعدہ خلافی تو نہیں کر سکتے البتہ وعید کے خلاف کر سکتے ہیں، حدیث میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے،

عن انسؓ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من وعدہ اللہ تعالیٰ علی عملہ ثوابا فھو مُنجزلہ ومن اوعدہ علی عملہ عقابا فھو بالخیار (روح المعانی صـ۱۱۶ـ۵)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ جس شخص سے اس کے عمل پر ثواب کا وعدہ فرمالیتے ہیں اس کو پورا فرماتے ہیں اور جس کے عمل پر عذاب کی وعید بیان کر دیتے ہیں تو حق تعالیٰ کو اختیار رہے

(چاہیں تو عذاب دیدیں چاہیں معاف فرمادیں) بہرحال اس تفسیر کے بعد آیت سے مرتکب کبیرہ کا مُخلّد فی النار ہونا ثابت نہیں ہوتا فلا تعارض ، (روح المعانی ، مدارک ، خازن)

(۳) تیسری تاویل یہ ہے کہ یہ استحلال پر محمول ہے یعنی اگر کوئی شخص حلال سمجھ کر کسی مؤمن کو قتل کرے وہ مُخلّد فی النار ہے اور گناہ کبیرہ کو حلال سمجھنا کفر ہے اور کفر کی سزا تخلید فی النار ہے حضرت عکرمہ اور ابن جریج نے متعمداً کی تفسیر مُستحلاً کیساتھ کی ہے (روح المعانی وخازن وجلالین)

(۴) آیت کا مطلب یہ ہے وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا لکونہٖ مؤمنا کہ جو شخص کسی مؤمن کو اُس کے مؤمن ہونیکی وجہ سے قتل کرے وہ مُخلّد فی النار ہے اور ظاہر ہے کہ کسی مؤمن کو اس وجہ سے قتل کرنا کہ وہ مؤمن ہے یہ کفر ہے کیونکہ یہ ایمان سے نفرت اور عداوت کی دلیل ہے اور ایمان سے عداوت ونفرت رکھنا کفر ہے ، وجہ اس تاویل کی یہ ہے کہ جب کسی حکم کو کسی مشتق پر مُرتّب کیا جاتا ہے تو اس مشتق کا مصدر ترتّبِ حکم کی علت ہوتا ہے یہاں پر قتل مرتّب ہُوا ہے مؤمن پر جو کہ مشتق ہے پس اس کا مصدر یعنی ایمان قتل کی علت بن جائے گا کہ یہ شخص ایمان کی وجہ سے اس کو قتل کر رہا ہے جیسے کہا جائے ضربتُ السارقَ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے ضربتُ السّارق لکونہٖ سارقاً حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا اس کا مطلب ہے فاقطعوا ایدیھما لکونھما سارقین (النبراس)

چوتھی آیت کی تاویل یہ ہے کہ ومن یعص اللہ ورسولہٗ سے مراد توحید کے معاملہ میں نافرمانی کرنا ہے کیونکہ اوپر سے کلام توحید کے متعلق چل رہا ہے مطلب یہ ہوگا من لم یؤمن بالتوحید فان لہٗ نار جہنم خالدین فیہا ابدًا ،

(۲) اس تعارض کا دوسرا جواب چاروں آیات کا مجموعی جواب ہے کہ ان آیات میں خلود سے مراد مجازاً مکثِ طویل (زمانہ طویل تک رہنا) ہے کہا جاتا ہے سجنٌ مُخلّدٌ مراد اس سے لمبی قید ہوتی ہے یہ تاویل ان آیات میں اکثر مفسرین نے کی ہے اس صورت میں مرتکب کبیرہ کا مُخلّد فی النار ہونا اور عدم خروج من النار لازم نہیں آتا پس یہ آیات اخیر کی دونوں آیتوں کے معارض نہیں ہونگی ،

آیاتِ قرآنیہ میں حق تعالیٰ تبدیلی فرماتے ہیں یا نہیں؟

پارہ نمبر ۱، ۱۱، ۱۴، ۲۶

آیات (۱) مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا پارہ ۱ رکوع ۱۳ سورۂ البقرۃ جلالین ص ۱۶ (۲) وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ پارہ ۱۴ رکوع ۲۰ سورۂ النحل جلالین ص ۲۲۶ (۳) لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ پارہ ۱۱ رکوع ۱۲ سورۂ یونس جلالین ص ۱۷۶ (۴) مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ پارہ ۲۶ رکوع ۱۶ سورۂ قٓ جلالین ص ۴۳۱ ،

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ و ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ آیاتِ قرآنیہ میں تبدیلی فرمادیتے ہیں کہ ایک آیت کو منسوخ کرکے اس کے بدلہ میں اس جیسی آیت یا اس سے بہتر لے آتے ہیں اور آیت نمبر ۳ و ۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کے کلمات واقوال میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں

(۱) آیت نمبر ۱ و ۲ میں تبدیل سے مراد تبدیلی احکام ہے یعنی ایک حکم منسوخ کرکے اس کے بدلہ میں دوسرا حکم نازل فرمادیتے ہیں اور آیت نمبر ۳ و ۴ میں عدم تبدیل سے مراد عدمِ تبدیلِ وعدہ وعید ہے یعنی حق تعالیٰ کسی حکمت ومصلحت کی وجہ سے احکام میں تبدیلی فرمادیتے ہیں ، حق تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس حال اور کس زمانہ میں کونسا حکم بندوں کیلئے مناسب ہے جیسا کہ ایک ماہر طبیب وڈاکٹر مریض کیلئے دواؤں کا نسخہ بدل دیتا ہے وہ اپنی مہارت فی الطب کی وجہ سے جانتا ہے کہ اتنے روز تک مریض کیلئے یہ دوا مفید ہوگی اس کے بعد مریض کی حالت بدل جائے گی اور دوسری دوا اس کیلئے نافع ہوگی حق تعالیٰ کے احکام امراضِ معنویہ وروحانیہ کیلئے دواؤں کی حیثیت رکھتے ہیں حق تعالیٰ اپنے علم وحکمت کے مطابق ان میں تبدیلی کردیتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کے وعدہ وعید میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی حق تعالیٰ مغفرت ورحمت جنّت اور ثواب وغیرہ کا جو وعدہ فرمالیتے ہیں اس کے خلاف نہیں کرتے جیسا کہ ارشاد باری ہے ان اللّٰہ لا یخلف المیعاد ،

اسی طرح عذاب اور جہنم وغیرہ کی جو وعید بیان کرتے ہیں اس کے خلاف نہیں کرتے آیت نمبر ۳ لاتبدیل لکلمت اللہ میں کلمت سے مراد وعدے ہیں جیسا کہ آیت کے سیاق وسباق لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ سے معلوم ہوتا ہے اور آیت نمبر ۴ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ میں قول سے مراد وعید ہے جیسا کہ آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (روح المعانی)

(۲) اخیر کی دو آیتوں میں کلمت واقوال سے مراد حق تعالیٰ کی قضاء یعنی ازل میں مقرر شدہ فیصلے ہیں یعنی حق تعالیٰ شانہ نے جو فیصلہ کر دیا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور احکام کا منسوخ کرنا اور بدلنا یہ بھی حق تعالیٰ کے فیصلوں میں سے ایک فیصلہ ہے حق تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ فلاں وقت تک فلاں حکم جاری رہے گا اس کے بعد وہ حکم بدل جائے گا اس فیصلہ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی یعنی ایسا نہ ہوگا کہ وقت آنے پر وہ حکم نہ بدلے لہذا احکام کا منسوخ ہو جانا اور بدل جانا مایبدل القول لدی اور لاتبدیل لکلمت اللہ کے عین موافق ومطابق ہے ان میں کوئی تعارض نہیں، ھذا ما سنح لی ولم اجدہ فیما تتبعتہ من الکتب التی عندی واللہ اعلم

سب سے بڑا ظالم کون شخص ہے؟

پارہ ۱، ۷، ۸، ۱۱، ۱۲، ۲۱، ۲۴، ۲۸

آیات (۱) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ پارہ ۱ رکوع ۱۴ سورۂ بقرہ جلالین ص۱۷ ◉ (۲) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ پارہ ۱ رکوع ۱۶ سورۂ بقرہ جلالین ص۲۰ ◉ (۳) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ پارہ ۷ رکوع ۹ سورۂ الانعام جلالین ص۱۱۳ (۴) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ پارہ ۷ رکوع ۱۵ سورۂ الانعام جلالین ص۱۲۰ (۵) فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ پارہ ۸ رکوع ۴ سورۂ الانعام جلالین ص۱۲۷، (۶) فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا پارہ ۸ رکوع ۸ سورۂ الانعام جلالین ۱۲۸

(۷) فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْکَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ پارہ ۸ رکوع ۱۱ سورۂ الاعراف جلالین ص ۱۳۲ (۸) فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْکَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ پارہ ۱۱ رکوع ۷ سورۂ یونس جلالین ص ۱۷۱ (۹) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اُولٰٓئِکَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّہِمْ پارہ ۱۲ رکوع ۲ سورۂ ھود جلالین ص ۱۸۱ (۱۰) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْھَا پارہ ۲۱ رکوع ۱۵ سورۂ سجدہ جلالین ص ۳۵۲ (۱۱) فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَبَ عَلَی اللّٰہِ وَکَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَہٗ پارہ ۲۴ رکوع ۱ سورۂ زمر جلالین ص ۳۸۷
(۱۲) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَھُوَ یُدْعٰی اِلَی الْاِسْلَامِ پارہ ۲۸ رکوع ۹ سورہ الصف جلالین ص ۴۵۹

تشریح تعارض وَمَنْ اَظْلَمُ کا صیغہ قرآن پاک میں بہت سی جگہ آیا ہے جیسا کہ آیات مذکورہ سے ظاہر ہے اس میں مَنْ استفہامیہ ہے آیت نمبر ۱ کا ترجمہ یہ ہوگا کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے لوگوں کو روکے، لیکن اس میں استفہام کے حقیقی معنی یعنی "استعلام کسی چیز کو معلوم کرنا، سمجھنا" مراد نہیں ہوسکتے اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ تو علیم بکل شئی ہیں ان کے حق میں استفہام محال ہے اس لئے استفہام مجازًا نفی کے معنی میں ہے جسکو استفہام انکاری کہتے ہیں اور مَنْ اَظْلَمُ کا مطلب لَا اَحَدَ اَظْلَمُ ہے اب ترجمہ یہ ہوگا کہ اس سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکے یعنی سب سے بڑا ظالم مانع ذکر اللہ فی المساجد ہے اسی طرح ہر آیت میں یہی مطلب نکلے گا کہ سب سے بڑا ظالم وہ شخص ہے جو اللہ پر افترا پردازی کرے وھکذا ۔

اب تعارض یہ ہے کہ آیت نمبر ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑا ظالم مساجد میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکنے والا ہے اس سے بڑا کوئی ظالم نہیں اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑا ظالم وہ شخص ہے جو شہادت کو چھپائے اس سے بڑا کوئی ظالم نہیں اور اخیر کی تمام آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑا ظالم شخص وہ ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے آیات خداوندی کی تکذیب کرے اور ان سے اعراض کرے ان آیات میں متعدد لوگوں کو اظلم بتایا گیا ہے حالانکہ

اظلم تو ایک ہی شخص ہو سکتا ہے اگر مانع ذکر اللہ فی المساجد اظلم ہے تو کاتم شہادت اظلم نہیں ہو سکتا اگر کاتم شہادت اظلم ہے تو مانع ذکر اظلم نہیں ہو سکتا اسی طرح تمام آیات میں کہا جائے گا، پس ان آیات میں تعارض ہو گیا کہ ہر ایک کی اظلمیت کا اثبات بھی ہے اور اس کی نفی بھی ہو رہی ہے وہذا ہو التعارض،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

(۱) ہر آیت میں جو ایک شخص کی اظلمیت میں تخصیص ہو رہی ہے وہ مَنْ موصولہ کے بعد آنیوالے صلہ کے مفہوم کے ساتھ ہے مثلاً مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ الخ کا مطلب یہ ہے لا احد من المانعین اظلم ممن منع مساجد اللہ الخ یعنی نیک کاموں سے روکنے والے لوگوں میں سے سب سے بڑا ظالم وہ شخص ہے جو اللہ کی مسجدوں میں ذکر اللہ کرنے سے روکے اسی طرح لا احد من الکاتمین اظلم ممن کتم شہادۃ عندہ من اللہ کہ کاتمین میں سے سب سے بڑا ظالم وہ شخص ہے جو شہادت من اللہ کا کتمان کرے ایسے ہی لا احد من المفترین اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا افترا پردازی کرنے والوں میں سے سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ پر افترار پردازی کرے لا احد من المکذبین اظلم ممن کذب بایت اللہ ولا احد من الکذابین ممن کذب علی اللہ ولا احد من المعرضین اظلم ممن ذکر بایت ربہ ثم اعرض عنہا اس صورت میں کوئی تعارض نہیں رہا اس لئے کہ ہر شخص کی اظلمیت کی نوعیت جداگانہ ہے (جمل وروح المعانی)

(۲) ان آیات میں مانع، کاتم، مفتری، کاذب، مکذب وغیرہم کو اظلم کہا گیا ہے اس میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ متعدد افراد اظلمیت میں برابر ہو سکتے ہیں یہ لفظ تسویۃ فی الاظلمیت کی نفی پر دلالت نہیں کرتا ہے مطلب یہ ہوگا کہ یہ سارے کے سارے اظلم ہونے میں برابر ہیں اور یہ سب اپنے علاوہ دیگر لوگوں سے اظلم ہیں جیسا کہ کہا جائے لَا اَحَدَ اَفْقَہَ مِنْ زَیْدٍ وَعَمْرٍو وَخَالِدٍ، زید عمرو خالد سے زیادہ کوئی افقہ نہیں ہے یعنی یہ تینوں سب سے بڑے فقیہ ہیں اسکا مطلب عرف میں یہ

ہوتا ہے کہ یہ تینوں افقہ ہونے میں برابر ہیں اور باقی تمام لوگ ان سے کم درجہ کے فقیہ ہیں (روح المعانی مجل)

(۲) اس طرح کے کلام سے لبسا اوقات صرف مبالغہ مقصود ہوتا ہے مُساوات یا زیادتی کی نفی مقصود نہیں ہوتی کہ دوسرا شخص اس سے بڑا ظالم ہے یا نہیں ہے مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنیوالا بڑا ظالم شخص ہے بہت بُری حرکت میں مبتلا ہے اس کو ایسا نہ کرنا چاہیئے پس ان آیات میں بھی مبالغہ مقصود ہے کہ ایسے لوگ بڑے ظالم ہیں قطعِ نظر اس سے کہ دوسرے اظلم ہیں یا نہیں فافہم (روح المعانی)

مشرق ومغرب کی تعداد کتنی ہے؟

پارہ ۱، ۱۹، ۲۳، ۲۷، ۲۹

آیات (۱) وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ پارہ ۱ رکوع ۱۴ سورہ بقرۃ جلالین ص۱۸ (۲) رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ پارہ ۱۹ رکوع ۶ سورہ الشعراء جلالین ص۳۱۰ (۳) رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا پارہ ۲۹ رکوع ۱۳ سورہ المزمل جلالین ص۴۷۸ (۴) رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ پارہ ۲۳ رکوع ۵ سورہ الصّٰفّٰت جلالین ص۳۷۳ (۵) فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ پارہ ۲۹ رکوع ۸ سورہ المعارج جلالین ص۴۷۴ (۶) رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ پارہ ۲۷ رکوع ۱۱ سورہ الرحمٰن جلالین ص۴۴۴،

تشریح تعارض پہلی تین آیتوں میں مشرق ومغرب صیغۂ مفرد کے ساتھ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق ومغرب ایک ایک ہیں اور آیت نمبر ۴ و ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشارق ومغارب کثیرہ ہیں اور آیت نمبر ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق ومغرب دو دو ہیں پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ پہلی تین آیتوں میں توجنسِ مشرق ومغرب مراد ہے جو قلیل وکثیر سب کو شامل ہے اور آیت نمبر ۴ و ۵ میں ہر یوم کی مشرق ومغرب کے اعتبار سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے کیونکہ روزانہ مشرق ومغرب بدلتے رہتے ہیں سال کے ایام کی تعداد کے مطابق

تین ۳۶۰ سو ساٹھ مشارق اور تین ۳۶۰ سو ساٹھ مغارب ہیں، ابن عطیہ سے مروی ہے کہ ایک سو ۱۸۰ اسّی مشارق اور اتنے ہی مغارب ہیں، یا مطلق کواکب کے مشارق و مغارب مراد ہیں اس لئے صیغۂ جمع لایا گیا ہے اور آیت نمبر ۶ میں مشرقِ صیف و شتا، اور مغربِ صیف و شتاء کے اعتبار سے صیغۂ تثنیہ استعمال کیا گیا ہے گرمی و سردی کے مشرق و مغرب مختلف ہوتے ہیں یا مشرقِ شمس و قمر اور مغربِ شمس و قمر کے اعتبار سے مشرقین و مغربین کہدیا گیا ہے لہذا کوئی تعارض نہیں (روح المعانی)

نماز میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

پارہ نمبر ۱ و ۲

آیات (۱) فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ پارہ ۱ رکوع ۱۴ سورۂ بقرۃ جلالین ص ۱۸

(۲) وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ پارہ ۲ رکوع ۱ و ۲ سورۂ البقرۃ جلالین ص ۲۱ و ۲۲

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ میں فرمایا کہ جدھر بھی رُخ کر لو اسی طرف اللہ کی ذات موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا ضروری نہیں مُصلّی کو اختیار ہے جس طرف مُنہ کر کے چاہے نماز پڑھ لے اور آیت نمبر ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جہاں بھی کہیں ہو قبلہ (مسجدِ حرام) کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے،

دفعِ تعارض اس تعارض کے پانچ جواب ہیں،

(۱) لفظ اَيْنَمَا جہت کے معنی میں ہوکر تُوَلُّوْا کا مفعول نہیں ہے بلکہ یہ مکان کے معنی میں ہے اور تُوَلُّوْا کا ظرف ہے اور وجہُ اللہ میں وجہ سے مراد جہت ہے جیساکہ وَزْن بمعنی زِنَة ہے مطلب یہ ہوگا فی ای مکان تولوا شطر القبلۃ فثم جھۃ اللہ التی اُمِرتُم بھا کہ جس جگہ رہ کر بھی تم قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھلوگے اسی جگہ اللہ کی وہ جہت موجود ہے جس کی طرف تم کو رُخ کرنے کا حکم دیا گیا یعنی نماز کسی مسجد اور کسی مکان کیساتھ خاص نہیں بلکہ پورے عالم میں جس مسجد میں یا جس جگہ گھر یا جنگل وغیرہ میں (بشرطیکہ پاک جگہ ہو اور کوئی محذور شرعی نہو) قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھ لو نماز درست ہوجائے گی امتِ محمدیہ کے لئے پوری زمین کو مسجد اور طہور بنایا گیا ہے

جیساکہ حدیثِ صحیح میں وارد ہے جعلت لی الارض مسجدًا وطهورًا اُمم سابقہ کیلئے ان کے معابد بیعہ وکنائس میں نماز پڑھنا ضروری تھا خارج معبد نماز درست نہیں تھی مگر یہ اس اُمت کی خصوصیت ہے کہ اینما تولوا فثم وجہ اللہ جس جگہ بھی قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لی جائے اللہ کی مقرر کی ہوئی جہت موجود ہے جہت کی اضافت اللہ کی طرف اس لئے کر دی گئی ہے کہ اللہ نے اس جہت قبلہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا ہے حضرتِ حسنؓ حضرتِ مقاتل، مجاہد اور قتادہ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وجہ ذات کے معنی میں ہے جیسے کل شیٔ هالك الا وجهه میں وجہ بمعنی ذات مستعمل ہے اب ترجمہ یہ ہوگا کہ جس جگہ رہ کر بھی قبلہ کی طرف منہ کر لو اسی جگہ اللہ کی ذات موجود ہے مگر اس وقت لفظ ذات کنایہ ہوگا علم اور اطلاع سے یعنی اسی جگہ اللہ کو تمہارے نماز پڑھنے اور رُخ کرنے کا علم ہے اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنے بندوں کی عبادات پر مطلع ہیں،

ابو منصور نے وجہ بمعنی جاہ لیا ہے اور جاہ سے مراد عظمت وجلالت ہے ای فثم عظمة اللہ وجلالته بہرحال وجہ جہت کے معنی میں ہو یا ذات وعظمت کے معنی میں ہو مراد اس آیت سے کسی بھی مقام پر رہ کر قبلہ کی طرف رُخ کرنا ہے لہذا یہ آیت فولوا وجوهکم شطرہ کے معارض نہیں ہے (روح المعانی)

(۲) اَيْنَمَا جہت کے معنی میں ہو کر تُوَلُّوْا کا مفعول ہے جیسا کہ یہی استعمال اس کا شائع ہے یعنی اَیَّ جهةٍ توجهوا جس طرف بھی رُخ کر لو ادھر ہی اللہ کی ذات موجود ہے مگر یہ آیت تطوع علی الراحلة فی السفر کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے (سفر سے مراد سفر لغوی) یعنی آبادی سے باہر سواری پر سوار ہو کر نفل نماز پڑھنے کیلئے جہت قبلہ کی طرف رُخ کرنا ضروری نہیں ہے جس طرف بھی سواری کا رُخ ہو اسی طرف نماز درست ہو جائے گی اور آیت نمبر ۲ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ فرض نماز اور آبادی میں نماز کے متعلق ہے یعنی فرض نماز خواہ آبادی میں ہو یا آبادی سے باہر اور نفل نماز جبکہ آبادی میں ہو غیر قبلہ کی طرف درست نہیں ہے پس ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے (روح المعانی)

(۳) اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کا حکم ان لوگوں کیلئے ہے جن پر قبلہ مشتبہ ہو جائے

وہ تحری کر کے جس طرف بھی نماز پڑھ لیں گے درست ہو جائے گی اگرچہ فی الواقع غیر قبلہ کیطرف ہو حضرت جابرؓ سے یہی مروی ہے کہ ایک غزوہ میں جس میں میں بھی شریک تھا لوگوں پر قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا تو جنوب اور شمال کی طرف نماز پڑھ لی تھی صبح کو خطا ظاہر ہوئی تھی کہ غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی گئی اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ۔ ای اذا اشتبہت علیکم القبلۃ واذا لم تشتبہ القبلۃ فولوا وجوھکم شطر المسجد الحرام، فلا تعارض بینھما (روح المعانی)

❹ آیت نمبر ۱ سے مصلی کو کسی بھی طرف رخ کرنے میں اختیار دینا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ آیت تحویلِ قبلہ کی تمہید ہے جب تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا تو یہود نے اعتراض کیا کہ مسلمان لوگ پہلے تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور اب مسجدِ حرام کی طرف نماز پڑھنے لگے ایسا کیوں کیا ؟ حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ جل شانہ تمام جہات کے مالک ہیں وہ اپنی مصلحت و حکمت سے جس جہت کو چاہیں قبلہ مقرر کر دیں تمہیں اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں حق تعالیٰ نے چند مہینوں تک بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا اس کے بعد بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا جس سے اس بات کو واضح کر دیا کہ کسی خاص جہت کو قبلہ بنانا اس وجہ سے نہیں کہ معاذ اللہ خدائے تعالیٰ اسی جہت یا اس مکان میں ہے دوسری جہت میں نہیں ہے حق تعالیٰ کی توجہ تو ہر سمت میں برابر ہے حق تعالیٰ جہت و مکان سے منزہ ہیں کسی جہت و مکان کے ساتھ مقید و محدود نہیں ہیں لہٰذا تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کی ذات موجود ہے (روح المعانی و بیان القرآن)

❺ آیت نمبر ۱ منسوخ ہے آیت نمبر ۲ سے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، ابتداء میں اختیار تھا جس طرف چاہے منہ کر کے نماز پڑھ لی جائے پھر اسکو منسوخ کر دیا گیا اور بیت اللہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیدیا گیا ولا تعارض بعد النسخ (اتقان)

حق تعالیٰ کو مخلوق کیساتھ مشابہت ہے یا نہیں؟

پارہ نمبر ۱، ۶، ۸، ۱۱، ۱۶، ۱۷، ۱۹، ۲۱، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۳۰

آیات

(۱) فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ پارہ ۱ رکوع ۱۴ سورۃ البقرہ جلالین ص ۱۸ (۲) ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ پارہ ۲۱ رکوع ۷ سورۃ الروم جلالین ص ۳۴۳ (۳) تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ پارہ ۲۱ رکوع ۷ سورۃ الروم جلالین ص ۳۴۴ (۴) وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ پارہ ۲۷ رکوع ۱۲ سورۃ الرحمٰن جلالین ص ۴۴۴ (۵) اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی پارہ ۳۰ رکوع ۱۷ سورۃ اللیل جلالین ص ۵۰۱ (۶) بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ پارہ ۶ رکوع ۱۳ سورۃ المآئدۃ جلالین ص ۱۰۳ (۷) فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ پارہ ۲۳ رکوع ۴ سورۃ یٰسٓ جلالین ص ۳۷۳ (۸) یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ پارہ ۲۶ رکوع ۹ سورۃ الفتح جلالین ص ۴۲۳ (۹) وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ پارہ ۲۴ رکوع ۴ سورۃ زمر جلالین ص ۳۹۰

(۱۰) وَاَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ پارہ ۲۷ رکوع ۲۰ سورۃ الحدید جلالین ص ۴۵۲

(۱۱) تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پارہ ۲۹ رکوع ۱ سورۃ الملک جلالین ص ۴۶۶

(۱۲) اَوْ یَاْتِیَ رَبُّكَ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ پارہ ۸ رکوع ۷ سورۃ الانعام جلالین ص ۱۲۸

(۱۳) اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا پارہ ۱۷ رکوع ۴ سورۃ الانبیاء جلالین ص ۲۷۳ (۱۴) وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا پارہ ۱۹ رکوع ۱ سورۃ الفرقان جلالین ص ۳۰۴ (۱۵) وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا پارہ ۳۰ رکوع ۱۴ سورۃ الفجر جلالین ص ۴۹۹ (۱۶) ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ پارہ ۸ رکوع ۱۴ سورۃ الاعراف جلالین ص ۱۳۴ (۱۷) ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ الخ پارہ ۱۱ رکوع ۶ سورۃ یونس جلالین ص ۱۷۰ (۱۸) اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی پارہ ۱۶ رکوع ۱۰ سورۃ طٰهٰ جلالین ص ۲۶۰

(۱۹) ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا پارہ ۱۹ رکوع ۳ سورۃ الفرقان جلالین ص ۳۰۷ ◉ (۲۰) لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ پارہ ۲۵ رکوع ۳ سورۃ الشوریٰ جلالین ص ۴۰۲

تشریح تعارض پہلی پانچ آیات میں حق تعالیٰ کے لئے وجہ (چہرہ) ہونے کا ثبوت ہے اس کے بعد آیت نمبر ۶ تا ۱۱ میں یدؔ اور یمینؔ، یعنی ہاتھ کا ثبوت ہے اس کے بعد آیت نمبر ۱۲ تا ۱۵ میں حق تعالیٰ کیلئے قدم واتیان کو ثابت کیا گیا ہے اس کے بعد آیت نمبر ۱۶ تا ۱۹ میں استوار علی العرش یعنی عرش پر بیٹھنا ثابت کیا گیا ہے استوار کے معنی جلوس کے آتے ہیں، ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کیلئے بھی مخلوق کی طرح اعضار جوارح ہیں چہرہ بھی ہے ہاتھ پاؤں بھی ہیں جن سے پکڑتے ہیں اور چلتے پھرتے آتے جاتے ہیں اور حق تعالیٰ تخت پر بھی بیٹھتے ہیں ان آیات سے حق تعالیٰ کا مخلوق کے مشابہ و مماثل ہونا لازم آتا ہے اور اخیر کی آیت نمبر ۲۰ میں فرمایا کہ اللہ کے مثل کوئی شئے نہیں ہے حق تعالیٰ جسمیت اور اعضار وجوارح اور مماثلتِ مخلوق سے بالکل منزہ و مقدس ہے پس اخیر کی یہ آیت پہلی آیات کے بظاہر معارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی آیات جن سے تشبیہ و تجسیم کا شبہ ہوتا ہے آیاتِ متشابہات کہلاتی ہیں جن میں علمار کے دو مسلک ہیں ۱ مسلکِ تفویض ۲ مسلکِ تاویل مسلکِ تفویض کا مطلب یہ ہے کہ ان کے معانی و مفاہیم کو حق تعالیٰ کے علم پر محوّل کر دیا جائے، یعنی یوں کہا جائے کہ حق تعالیٰ ہی ان کے مفہوم و مراد سے واقف ہیں ہم اپنی طرف سے ان کی کوئی تاویل و تفسیر نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے اذہان و عقول ناقص ہیں اگر ہم اپنی عقل ورائے سے کوئی تاویل و تفسیر کرتے ہیں تو اندیشہ ہے کہ وہ مرادِ حق کے خلاف ہو اس لئے سکوت و تسلیم ہی احوط ہے یہ طریق طریقِ اسلم کہلاتا ہے، حضراتِ سلف صالحین نے اسی مسلکِ تفویض کو اختیار کیا ہے جیسے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، امام شافعی، محمد بن حسن، سعد بن معاذ مروزی، عبداللہ بن مبارک، ابومعاذ خالد بن سلیمان صاحب سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، محمد بن اسمٰعیل بخاری، ابوعیسیٰ ترمذی، ابوداؤد سجستانی، قاضی ابوالعلار، صاعد بن محمد نے کتاب الاعتقاد میں امام ابویوسف سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے امام ابوحنیفہ نے فرمایا لا ینبغی لاحد ان ینطق فی اللہ تعالیٰ بشئ من ذاتہ ولکن یصفہ بما وصف سبحانہ بہ نفسہ ولا یقول فیہ برایہ شیئاً تبارک اللہ رب العلمین

حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اہلِ قرونِ ثلثہ کا اس پر اتفاق ہے جن کے خیر القرون ہونے کی صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے، امام الحرمین شیخ ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی نے اپنے رسالہ نظامیہ میں اسی مسلک کو اختیار کیا ہے

امام ابو الحسن اشعری نے بھی اپنی کتاب میں جو اختلاف المصلین ومقالات الاسلامیین کے موضوع پر تصنیف کی ہے اسی کو اختیار کیا ہے اور اپنی کتاب الابانہ فی اصول الدیانہ میں اسی کو اختیار کرتے ہیں، قاضی بیضاوی رح بھی طوالع میں فرماتے ہیں کہ آیاتِ متشابہات میں اول وبہتر سلف صالحین کی اتباع کرنا ہے اور اللہ کو تشبیہ وتجسیم سے منزہ مانتے ہوئے ان آیات کا علم حق تعالیٰ کے سپرد کر دینا ہے، محققین صوفیا کرام بھی مسلکِ تفویض ہی کے قائل ہیں،

دوسرا مسلک مسلکِ تاویل ہے تاویل کا مطلب یہ ہے کہ ان الفاظِ متشابہات کے ایسے معانی ومفاہیم بیان کئے جائیں جو حق تعالیٰ کی شان کے مناسب ہوں جن سے تشبیہ وتجسیم لازم نہ آئے یہ مسلک حضرات متاخرین نے اختیار کیا ہے امام الحرمین رح اپنی کتاب الارشاد میں مسلکِ تاویل ہی کی طرف مائل ہیں، حق تعالیٰ نے ان حضرات کے قلوب پر الفاظِ متشابہات کے ایسے معانی ومفاہیم منکشف فرمائے ہیں جو حق تعالیٰ کی شانِ جلالت کے مناسب اور تشبیہ وتجسیم سے بالکل منزہ ومقدس ہیں یہ طریق طریقِ اَحکم کہلاتا ہے، چنانچہ یہ حضرات ان مذکورہ آیات متشابہات میں مندرجہ ذیل تاویلات کرتے ہیں پہلی پانچ آیات میں وجہ سے مراد ذات ہے چنانچہ محاورہ میں وجہ بول کر ذات مراد لیا جاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی پر غصہ ہوتے ہوئے کہتا ہے تو آج سے مجھ کو اپنا چہرہ مت دکھانا اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجھ سے دور اور پوشیدہ ہو جا میرے قریب بالکل نہ آنا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ چہرہ پر نقاب ڈال کر میرے پاس آجایا کرنا یا چہرے کے علاوہ باقی اعضاء مجھ کو دکھا دینا صرف چہرہ مت دکھانا بلکہ چہرہ اور صورت بول کر پوری ذات مراد ہوا کرتی ہے پس آیات میں بھی وجہ سے مراد ذات ہے فثم وجہ اللہ ای ذات اللہ یریدون وجہ اللہ ای ذات اللہ ویبقی وجہ ربک ای ذات ربک وغیرہ،

اور آیت نمبر ۶ تا ۱۱ میں ید اور یمین سے مراد قوت ونصرت ہے ید اللہ فوق ایدیہم ای قوۃ اللہ

ولفرۃ اللہ فوق قوتہم ونفرتہم اور مطویات بیمینہ میں یمین سے مراد قدرت ہے کہ آسمان حق تعالیٰ کی قدرت سے لپٹے ہوئے ہوں گے اور یداہ مبسوطتان میں بسط یدین سے مراد سخاوت ہے سخی آدمی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں یا ید سے مراد نعمت ہے کہ اللہ کی دونوں نعمتیں نعم دنیویہ ونعم اخرویہ یا نعم ظاہرہ و باطنہ وسیع اور پھیلی ہوئی ہیں،

اور آیت نمبر ۱۲ تا ۱۵ میں یاتی ربک اور جاء ربک میں مضاف محذوف ہے یاتی امر ربک اور جاء امر ربک، اور قدمنا الی ما عملوا میں قدوم سے مراد قصد وارادہ ہے ای عمدنا وقصدنا الی ما عملوا من عمل حضرت ابن عباسؓ سے یہی تفسیر منقول ہے ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے مجاہد سے یہی معنی نقل کئے ہیں،

اور آیت نمبر ۱۶ تا ۱۹ میں استوار سے مراد استیلاء اور غلبہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ عرش پر غالب و مستولی ہیں یا استوار کنایہ ہے ملک سے جیسا کہ علامہ زمخشری نے یہی معنی کئے ہیں کہ حق تعالیٰ عرش کے مالک ہیں ملکیت کو جلوس و استوار سے تعبیر کر دیا جاتا ہے کہا جاتا ہے فلانٌ استوی علی العرش کہ فلاں شخص شاہی تخت پر بیٹھا ہے، آج کل وزارت کی کرسی پر فلاں شخص بیٹھا ہے ان جملوں سے مراد یہ ہوتی ہے کہ شاہی تخت کا مالک اور کرسیٔ وزارت کا مالک آج کل فلاں شخص ہے حقیقۃً جلوس واستوار مراد نہیں ہوتا کیونکہ یہ جملہ "کہ وزارت کی کرسی پر فلاں شخص بیٹھا ہے" اس وقت بھی کہا جاتا ہے جبکہ وزیر کرسی پر نہ بیٹھا ہو بلکہ کسی ضرورت سے باہر سفر پر گیا ہوا ہو، معلوم ہوا کہ جلوس و استوار سے مراد بیٹھنا نہیں بلکہ مالک ہونا ہے کہ حق تعالیٰ عرش کے مالک ہیں، یا استوی کے معنی علا علی العرش لئے جائیں کہ حق تعالیٰ عرش پر بلند ہیں،

بہرحال ان تاویلات ومعانی کے بعد حق تعالیٰ کے لئے جسمیت واعضاء وجوارح اور مشابہت ومماثلت بالمخلوق کا ہونا لازم نہیں آئے گا اور ان آیات اور آخری آیت لیس کمثلہ شیء میں کوئی تعارض نہیں رہے گا، (روح المعانی وغیرہ)

مرتکب کبیرہ مؤمن ہے یا کافر؟

پارہ نمبر ۲، ۶، ۱۸، ۲۱، ۲۶، ۲۸

آیات (۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى پارہ ۲ رکوع ۶ سورۃ البقرۃ جلالین ص۲۵ (۲) وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا پارہ ۲۶ رکوع ۱۳ سورۃ الحجرات جلالین ص۴۲۷ (۳) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا پارہ ۲۸ رکوع ۲۰ سورۃ التحریم جلالین ص۴۶۶ ● (۴) وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ پارہ ۶ رکوع ۱۱ سورۃ المآئدۃ جلالین ص۱۰۱ (۵) وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ پارہ ۱۸ رکوع ۱۳ سورۃ النور جلالین ص۳۰۱ (۶) اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا پارہ ۲۱ رکوع ۱۵ سورۃ السجدۃ جلالین ص۳۵۰

تشریح تعارض پہلی تین آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ مؤمن رہتا ہے ایمان سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ آیت نمبر ۱ میں حق تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کسی کو قتل کردے تو قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے اور قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے اس کے باوجود حق تعالیٰ نے یٰایہا الذین آمنوا کے ساتھ خطاب کیا ہے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کرنے سے آدمی ایمان کے ساتھ متصف رہتا ہے کافر نہیں ہوتا اسی طرح آیت نمبر ۲ میں آپس میں قتل وقتال کرنے والی جماعتوں کو مؤمنین سے تعبیر کیا ہے اور آیت نمبر ۳ میں توبہ کا حکم دیا ہے اور توبہ کا مخاطب مرتکب کبیرہ ہے اس کے باوجود یٰایہا الذین آمنوا کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے ان تمام آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور اخیر کی تین آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہوجاتا ہے کیونکہ آیت ۴ میں ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے نازل شدہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ لوگ کافر ہیں اور خلاف شریعت فیصلہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے اس کے مرتکب کو حق تعالیٰ نے کافر بتایا ہے، اسی طرح آیت نمبر ۵ میں فرمایا کہ " جو اس کے بعد کفر کریں وہی لوگ فاسق ہیں، کفر کرنے والے کو فاسق بتایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق اور کافر دونوں ایک ہیں، بلکہ مبتداء وخبر کے درمیان ضمیر فصل لاکر حصر کیا گیا ہے کہ کافر ہی فاسق ہے کافر کے علاوہ کوئی فاسق نہیں معلوم ہوا کہ ہر فاسق کافر ہے

اور فاسق مرتکب کبیرہ ہوتا ہے پس لازم آیا کہ ہر مرتکب کبیرہ کافر ہے ایسے ہی آیت نمبر ۶ میں فرمایا کیا وہ شخص جو مؤمن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے یہ استفہام انکاری ہے یعنی مؤمن و فاسق دونوں برابر نہیں ہے بلکہ دونوں میں مغایرت ہے جو مؤمن ہے وہ فاسق نہیں جو فاسق ہے وہ مؤمن نہیں اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فاسق مؤمن نہیں رہتا بلکہ کافر ہو جاتا ہے خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی تین آیتوں سے معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ مؤمن ہے کافر نہیں اور اخیر کی تین آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے مؤمن نہیں پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ اصل بات تو وہی ہے جو پہلی تین آیتوں میں مذکور ہے کہ مرتکب کبیرہ مؤمن رہتا ہے اور اخیر کی تین آیات جو مرتکب کبیرہ کے کافر ہونے پر دال ہیں یہ اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہیں بلکہ ان میں تاویل کی جائے گی جس سے ان آیات میں تطبیق پیدا ہو جائے اور تعارض ختم ہو جائے چنانچہ آیت نمبر ۴ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ میں چند تاویلات کی گئی ہیں ،

(۱) حکم کا اطلاق اگرچہ عملِ قلبی اور عملِ جوارح دونوں پر ہوتا ہے مگر یہاں عمل قلبی مراد ہے جس کو تصدیق کہا جاتا ہے اور ومن لم یحکم الخ کے معنی ومن لم یُصدِّق بما انزل اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص اللہ کی طرف سے نازل شدہ امور کی تصدیق نہ کرے وہ کافر ہے ، (روح المعانی)

(۲) من لم یحکم بما انزل اللہ علی سبیل الاستہانۃ مراد ہے کہ جو شخص ما انزل اللہ کی توہین و تحقیر کرتے ہوئے اس کے مطابق حکم نہ لگائے وہ کافر ہے اور ظاہر ہے کہ احکامِ مُنزلہ من اللہ کی توھین و تحقیر کرنا کفر ہے (النبراس و تفسیر ابو السعود)

(۳) ومن لم یحکم بما انزل اللہ میں کلمۂ ما نکرہ ہے جو تحت النفی واقع ہے اور نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے مطلب یہ ہوگا من لم یحکم بشیٔ مما انزل اللہ فاولئک ہم الکفرون کہ جو شخص اللہ کی طرف نازل شدہ امور میں سے کسی شئے کا بھی حکم نہ لگائے وہ کافر ہے اور ما انزل اللہ میں ایمان و توحید بھی ہے اور ظاہر ہے کہ جو ایمان و توحید کا بھی حکم نہ لگائے اس کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے (روح المعانی والنبراس)

(۴) یہ آیت خاص کر یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ اللہ کی نازل شدہ آیات میں تحریف کرتے تھے اور تورات کے احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تھے ان کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ کافر ہیں حضرت ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے (خازن و روح المعانی)

اسی طرح آیت نمبر ۵ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ میں بھی تین تاویلات کیگئی ہیں

(۱) حضرت ابو العالیہ سے منقول ہے کہ اس آیت میں کفر سے مراد کفران نعمت یعنی ناشکری ہے وہ کفر مراد نہیں جو ایمان کا مقابل ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کی جانب سے عطا ہونیوالے اس قدر انعامات کے بعد اس کی ناشکری کریں گے وہ لوگ فاسق ہیں آیت کے سباق سے یہی معلوم ہوتا ہے حق تعالیٰ نے اس آیت میں مومنین صالحین سے وعدہ فرمایا ہے کہ ہم تم کو زمین میں حکومت عطا فرمادیں گے جسطرح قبطیوں کو ہلاک کرکے بنی اسرائیل کو مصر و شام پر حکومت عطا فرمائی تھی اور دینِ اسلام میں قوت عطا فرمائیں گے اور دشمنوں کی طرف سے ہونیوالے خوف کو امن و سکون سے بدل دیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں جن پر اللہ کا شکر ادا کرنا ضروری ہے جو ان نعمتوں کی ناشکری کرے وہ فاسق ہے مفسرین فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ان نعمتوں کی ناشکری کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کیا ، (روح المعانی ، مدارک ، خازن ، النبراس وغیرہ)

(۲) فسق سے مراد فسقِ کامل ہے اور فسقِ کامل کفر کہلاتا ہے ، مطلب آیت کا یہ ہے کہ مومنین میں سے جو شخص ان نعمتوں کے وعدوں کے حصول کے بعد مرتد ہوجائے وہ بہت بڑا فاسق ہے کامل فی الفسق ہے اور کامل فی الفسق اور مرتد کافر ہوتا ہے (روح المعانی)

(۳) آیت شریفہ میں کافر کا فاسق پر جو حصر کیا گیا ہے کہ کافر ہی فاسق ہے کافر کے علاوہ کوئی فاسق نہیں ہے یہ حصرِ حقیقی نہیں ہے بلکہ حصرِ ادعائی ہے یعنی مبالغہ مقصود ہے ورنہ تو کافر کے علاوہ بھی فاسق ہوتے ہیں جیسے مرتکب کبیرہ کہ یہ فاسق ہے کافر نہیں ہے کیونکہ اگر آیت میں حصر حقیقی مراد لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جو آدمی ایمان کے بعد کفر کرے وہی فاسق ہے اس سے یہ لازم آئے گا کہ جو ایمان سے پہلے کفر کرے وہ فاسق نہیں ہے حالانکہ یہ غلط ہے معلوم ہوا کہ یہ حصر حقیقی نہیں ہے لہذا اس سے ہر فاسق کا

کافر ہونا لازم نہیں آئے گا،

اِن تاویلات سے بھی واضح ہوگیا کہ آیتِ شریفہ سے مرتکب کبیرہ کا کافر ہونا لازم نہیں آتا،

چھٹی آیت اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا کی تاویل یہ ہے کہ فاسقًا سے مراد مرتکب کبیرہ نہیں بلکہ کافر ہے یعنی افمن کان مؤمنا کمن کان کافرا۔ فاسق سے مراد کافر لینے کا قرینہ ایک تو یہ ہے کہ فاسق مطلق بولا گیا ہے اور المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل اور کامل فی الفسق کافر ہوتا ہے لان الکفر اعظم الفسوق، دوسرا قرینہ آیت کا سیاق ہے چنانچہ آگے ارشاد ہے وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰهُمُ النَّارُ کُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِیْدُوْا فِیْهَا وَقِیْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ کُنْتُمْ بِهٖ تُکَذِّبُوْنَ اور تکذیب کفر ہے پس معلوم ہوا کہ فسق سے مراد کفر ہے تیسرا قرینہ یہ ہے کہ آیت ولید بن عقبہ اور حضرت علی رضؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے دونوں میں کسی بات پر مباحثہ ہوگیا ولید بن عقبہ نے حضرت علیؓ سے کہا اُسْکُتْ فَاِنَّكَ صَبِیٌّ وَاَنَا شَیْخٌ، خاموش ہو جاؤ تم ابھی بچے ہو میں بڑا آدمی ہوں حضرت علیؓ نے فرمایا اُسْکُتْ فَاِنَّكَ فَاسِقٌ، خاموش ہو جا اس لئے کہ تو فاسق ہے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا لا یستوون اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فاسق سے مراد کافر ہے پس اس آیت سے بھی مرتکب کبیرہ کا کافر ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے لہذا ان آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے، (خازن، مدارک، النبراس)

رمضان کی راتوں میں اکل و شرب و جماع بعد النوم حلال ہے یا نہیں؟

پارہ نمبر ۲

آیات (۱) کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ پارہ ۲ رکوع ۷ سورۂ البقرۃ جلالین ص۲۶ ◉ (۲) اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ ـــ الی قولہ ـــ وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ پارہ ۲ رکوع ۷ سورۂ البقرۃ جلالین ص۲۷

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اور جس کیفیت کے ساتھ امم سابقہ پر

روزے فرض تھے اسی کیفیت کے ساتھ امت محمدیہ پر روزے فرض کئے گئے اور اُمم سابقہ پر روزوں کی کیفیت یہ تھی کہ رات میں سونے سے قبل تو کھانا پینا اور جماع کرنا حلال تھا مگر سونے کے بعد اکل وشرب اور جماع حرام ہوجاتا تھا اگر طلوعِ فجر سے قبل رات میں آدمی کسی وقت بیدار ہوتا تو اس کیلئے کھانا پینا جماع کرنا جائز نہیں تھا، کما کُتِبَ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی کیفیت امت محمدیہ کے روزوں کی ہے کہ رات میں سونے کے بعد اکل وشرب اور جماع حرام ہے اور آیت نمبر ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کی رات میں طلوعِ فجر سے پہلے پہلے اکل وشرب اور جماع حلال ہے پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ آیتِ اولیٰ آیتِ ثانیہ سے منسوخ ہے یعنی ابتدا اسلام میں یہی حکم تھا کہ رمضان کی راتوں میں سونے کے بعد اکل وشرب اور جماع کی اجازت نہیں تھی پھر یہ حکم منسوخ کردیا گیا اور احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم اور کلوا واشربوا حتی یتبین الخ کہکر طلوعِ فجر سے پہلے پہلے تک اکل وشرب وجماع کی اجازت دیدی گئی جیسا کہ امام احمد وغیرہ نے حضرت کعب بن مالک سے روایت کیا ہے لا تعارض بعد النسخ (الروض النضیر)

(۲) کما کُتِبَ سے صرف نفسِ وجوب میں تشبیہ مقصود ہے طریقِ ادا اور تحدید اوقات وغیرہ تمام امور میں تشبیہ مقصود نہیں ہے آیتِ اولیٰ کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُمم سابقہ پر بھی روزے فرض کئے گئے تم پر بھی فرض کردیئے گئے اگرچہ دونوں کے طریقِ ادا اور کیفیت میں اختلاف ہے کہ ان پر رات میں اکل وشرب وجماع بعد النوم حرام تھا اور تمہارے لئے حلال ہے، اس سے مسلمانوں کی دلجوئی مقصود ہے کہ روزہ کی فرضیت تمہارے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے امم سابقہ پر بھی روزے فرض تھے روزہ اگرچہ مشقت کی چیز ہے مگر یہ مشقت تم سے پہلے لوگ بھی برداشت کرتے آئے ہیں اور یہ طبعی بات ہے کہ جب مشقت میں عامت سے لوگ مبتلا ہوں تو وہ ہلکی معلوم ہوتی ہے بلکہ تمہارے لئے تو آسانی کردی گئی کہ اکل وشرب وجماع بعد النوم رات میں حلال کردیا گیا اُمم سابقہ کیلئے حرام تھا، اس تفسیر کے بعد دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ نے الفوز الکبیر میں اسی کو اختیار کیا ہے (الفوز الکبیر و روح المعانی وغیرہ)

رمضان کا روزہ ہی رکھنا ضروری ہے یا فدیہ بھی دیا جاسکتا ہے؟

پارہ ۲ ع ۷

آیات ① وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ پارہ ۲ رکوع ۷ سورۃ البقرۃ جلالین ص ۲۶ ◉ ② فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ پارہ ۲ رکوع ۷ سورۃ البقرۃ جلالین ص ۲۷

تشریح تعارض پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں مگر روزہ رکھنا نہ چاہیں تو ان کو اجازت ہے کہ وہ ایک روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا کر فدیہ ادا کریں یعنی جس کا دل چاہے روزہ رکھے جس کا جی چاہے روزہ کے بدلہ میں فدیہ ادا کر دے اور آیت ثانیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی رمضان کے مہینہ میں موجود ہو اس پر روزہ رکھنا فرض ہے فدیہ دینے کا اختیار نہیں پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کے چھ جواب ہیں ،

① آیت اولیٰ آیت ثانیہ سے منسوخ ہے ابتدا میں چونکہ لوگ روزہ رکھنے کے عادی نہیں تھے روزہ رکھنے میں دشواری ہوتی تھی تو حق تعالیٰ نے آسانی فرمادی تھی اور صوم و فدیہ میں اختیار دیدیا تھا کہ جس کا جی چاہے روزہ رکھے جو چاہے فدیہ ادا کر دے جب رفتہ رفتہ لوگ عادی ہو گئے تو روزہ رکھنا لازم کر دیا گیا اور فدیہ کا اختیار منسوخ فرمادیا روایت صحیحہ میں اسکی تصریح موجود ہے ،

عن سلمة بن الاكوع رض قال لما نزلت هذه الأية وعلى الذين يطيقونه كان من شاء منا صام ومن شاء افطر ويفتدى فعل ذلك حتى نزل الأية التى بعدها فنسختها فمن شهد منكم الشهر فليصمه رواه البخارى ومسلم وابو داؤد والترمذى والنسائى والطبرانى وغيرهم (روح المعانى ص ۵۵/۲)

حضرت سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے کہ جب آیت وعلی الذین یطیقونہ الخ نازل ہوئی تو ہم میں سے جو چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا افطار کرتا اور فدیہ ادا کرتا وہ فدیہ ادا کر دیتا یہاں تک اس کے بعد والی آیت فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ نازل ہوئی اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا ،

اور ظاہر ہے کہ نسخ کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا ،

۲ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ آیت نمبر۱ ایسے مریض کے بارے میں ہے جو بیمار تو ہے مگر اس کی بیماری اس درجہ کی نہیں ہے کہ روزہ کی طاقت نہ ہو بلکہ وہ روزہ رکھ سکتا ہے مگر ضعف ومرض کی وجہ سے روزہ رکھنا ذرا دشوار معلوم ہوتا ہے اسکو حق تعالیٰ نے ابتداء میں اختیار دیدیا تھا کہ جی چاہے روزہ رکھ لے جی چاہے روزہ کے بدلہ میں فدیہ ادا کردے پھر یہ حکم منسوخ فرمادیا کہ رمضان کے مہینہ میں ہر شخص کو روزہ رکھنا ضروری ہے البتہ مریض کیلئے اتنی سہولت ہے کہ وہ ماہِ رمضان میں افطار کرلے جب تندرست ہوجائے تو روزہ کی قضاء کرے روزہ کے بدلہ میں فدیہ دینا جائز نہیں ولاتعارض بعد النسخ (تفسیر خازن)

۳ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ الخ میں لَا حرفِ نفی مقدر ہے ای وَعَلَى الَّذِيْنَ لَا يُطِيْقُوْنَهٗ حضرت حفصہؓ سے ایک قرأت وعلی الذین لایطیقونہ مروی ہے جیساکہ روح المعانی میں مذکور ہے اور یہ آیت شیخ فانی کے بارے میں ہے کہ جو بوڑھے لوگ انتہائی عمر رسیدہ ہونیکی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں وہ ہر روزہ کے بدلہ میں فدیہ ادا کردیں، اور آیت نمبر۲ جوانوں اور طاقتور بوڑھوں کے متعلق ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں کیونکہ جب دو متعارض چیزوں کا مصداق جُدا جُدا ہو تو تعارض نہیں رہتا،

۴ یطیقونہ بابِ افعال سے ہے اور بابِ افعال کی ہمزہ کبھی سلبِ ماخذ کیلئے ہوتی ہے جیسے أَفْلَسَ الرَّجُلُ یعنی اس کے پاس فُلوس (پیسے ختم ہوگئے) وہ شخص مُفلس ہوگیا، أَشْكَيْتُهٗ میں نے اسکی شکایت کو دور کیا، ختم کیا، اسی طرح یہاں پر یطیقونہ کے معنی یہ ہونگے کہ جن لوگوں میں روزہ کی طاقت نہیں رہی وہ فدیہ ادا کرسکتے ہیں لہٰذا لا، نفی مقدر ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے دفعِ تعارض کی توجیہ اس صورت میں بھی وہی رہے گی جو اوپر گذری کہ یہ آیت شیخ فانی کے بارے میں ہے اور آیت نمبر۲ غیر شیخ فانی کے بارے میں، فلا تعارض،

۵ ایک توجیہ ایسی کی گئی ہے جس میں نہ حرفِ نفی مقدر ماننے کی ضرورت ہے اور نہ ہمزۂ افعال کو سلب کیلئے ماننے کی ضرورت، اسکے باوجود یہ آیت شیخ فانی کے بارے میں رہتی ہے وہ توجیہ یہ ہے کہ لغتِ عرب اور ان کے طرزِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں شئے پر قادر ہونیکی مختلف تعبیرات ہوتی ہیں اور تعسر و دشواری کی کمی بیشی کے لحاظ سے قدرت کے مختلف درجات ہوتے ہیں

جس کا ادنیٰ درجہ استطاعت اور آخری درجہ اطاقتہ ہے لفظ اطاقہ اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کسی کام کے کرنے میں انتہائی مشقت ہو چنانچہ یہ نہیں کہا جاتا انی اُطیق اَنْ ارفع اللقمۃَ الیٰ فمی کہ میں اپنے منھ تک لقمہ اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں اسلئے کہ لقمہ اٹھانا ایک آسان چیز ہے اس میں کوئی مشقت نہیں البتہ یہ کہا جاتا ہے انی اطیق ان احمل ہٰذا الحجر الثقیل کہ میں یہ بھاری پتھر اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں پس آیتِ شریفہ میں بھی اطاقۃ کا لفظ آیا ہے اسلئے آیت کے معنی اس صورت میں یہ ہوں گے کہ جو لوگ آسانی سے روزہ نہ رکھ پاتے ہوں بلکہ انتہائی شدت وتعب اور مشقتِ عظیمہ ہی کیساتھ رکھ پاتے ہوں جیسے شیخ فانی اور بہت ہی بوڑھی عورت، اُن کے لئے جائز ہے کہ وہ ہر روزہ کا فدیہ ادا کردیں

حضرتِ ابنِ عباسؓ سے اس آیت میں متعدد قراءتیں منقول ہیں (۱) يُطَوَّقُوْنَهٗ بضم الیاء وفتح الطاء وفتح الواو المشددۃ حضرت عائشہؓ کی یہی قرأت ہے (۲) يُطَيَّقُوْنَهٗ بضم الیاء الاولیٰ وتشدید الیاء الثانیہ حضرتِ سعید بن المسیبؒ کی یہی قرأت ہے (۳) يَطَّيَّقُوْنَهٗ بتشدید الطاء والیاء الثانیہ حضرت مجاہد اور عکرمہ کی یہی قرأت ہے (۴) يَتَطَوَّقُوْنَهٗ۔ ان کے معانی کسی کام کو مشقت اور تکلف کے ساتھ کرپانا ان قراءات کے پیشِ نظر بھی آیت کے معنی یہی ہونگے کہ جو لوگ روزہ انتہائی مشقت اور شدت کے ساتھ ہی رکھ پاتے ہوں وہ فدیہ ادا کرسکتے ہیں جیسے شیخ فانی اور عجوزۂ کبیرہ، حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد یہی ہے کہ اِنَّ الاٰیۃ نزلت فی الشیخ الکبیر الھرم والعجوز الکبیرۃ الھرمۃ۔

(۶) حضرتِ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ الفوز الکبیر میں فرماتے ہیں کہ آیتِ شریفہ میں روزہ کی طاقت اور عدمِ طاقت سے بحث ہی نہیں ہے اور فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ سے مراد روزوں کا فدیہ نہیں ہے بلکہ فدیہ سے مراد صدقۂ فطر ہے اور یطیقونہ کی ضمیر فدیہ کی طرف راجع ہے ترجمہ یہ ہوگا "اور جو لوگ (صاحبِ نصاب ہونیکی وجہ سے) صدقۂ فطر دینے پر قادر ہیں ان پر صدقۂ فطر واجب ہے جو ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے اس پر دو اشکال ہوتے ہیں ایک یہ کہ اضمار قبل الذکر لازم آرہا ہے اس کا جواب شاہ صاحبؒ نے یہ دیا ہے کہ فدیۃ اگرچہ لفظاً مؤخر ہے مگر ترکیب میں رتبۃً مقدم ہے کیونکہ وعلی الذین یطیقونہ خبر مقدم ہے اور فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ مبتدا مؤخر ہے اور مبتدا کا رتبہ مقدم ہونے کا ہے اور جب

مرجع رتبۃً مؤخر ہو تو اضمار قبل الذکر صرف لفظاً ہوتا ہے جو کہ جائز ہے دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ فدیۃ مؤنث ہے اور یطیقونہ میں ضمیر مذکر ہے ضمیر اور مرجع میں تذکیر و تانیث میں مطابقت نہیں رہی اس کا جواب شاہ صاحبؒ دیتے ہیں کہ فدیہ سے مراد طعام ہے اور طعام مذکر ہے تو فدیہ کو طعام کی تاویل میں لیکر ضمیر مذکر اس کی طرف لوٹا دی گئی فلا اشکال (الفوز الکبیر)

بہرحال شاہ صاحب کے نزدیک اس آیت شریفہ میں روزہ کی طاقت اور عدم طاقت اور فدیہ ادا کرنے سے کوئی گفتگو نہیں ہے بلکہ اس میں ایک دوسرا حکم یعنی وجوب صدقہ فطر کو بیان کیا گیا ہے لہٰذا یہ آیت فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ کے معارض نہیں ہے فافہم،

قرآن پاک لیلۃ القدر میں نازل ہوا یا لیلۃ البراءۃ میں؟

پارہ ۲، ۲۵، ۳۰

آیات (۱) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ پارہ ۲ رکوع ۷ سورۃ البقرۃ جلالین ص ۲۷ (۲) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ پارہ ۲۵ رکوع ۱۴ سورۃ الدخان جلالین ص ۴۱ (۳) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ پارہ ۳۰ رکوع ۲۲ سورۃ القدر جلالین ص ۵۰۳

تشریح تعارض آیت ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مقدس ماہ رمضان میں نازل ہوا ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ لیلۂ مبارکہ میں نازل ہوا اور لیلۂ مبارکہ کی تفسیر حضرت عکرمہ اور ایک جماعت سے لیلۃ البراءۃ یعنی لیلۃ نصف شعبان کے ساتھ منقول ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک شعبان کی پندرھویں رات میں نازل ہوا اور تیسری آیت میں ہے کہ شب قدر میں نازل ہوا ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ آیت ثانیہ میں لیلۂ مبارکہ سے مراد لیلۃ البراءۃ نہیں ہے بلکہ لیلۃ القدر ہی مراد ہے اکثر مفسرین اسی کے قائل ہیں، روح المعانی میں ہے ھی لیلۃ القدر علی ما روی عن ابن عباس وقتادۃ وابن جبیر ومجاھد وابن زید و الحسن وعلیہ اکثر المفسرین۔ تفسیر مدارک میں ہے (فی لیلۃ مبارکۃ) ای لیلۃ القدر

اولیلۃ النصف من شعبان وقیل بینھما وبین لیلۃ القدر اربعون لیلۃ والجمھور علی
الاول تفسیر کبیر میں ہے اختلفوا فی ھذہ اللیلۃ المبارکۃ فقال الاکثرون انھا لیلۃ
القدر ۔ بیان القرآن میں ہے کہ لیلۃ المبارکۃ کی تفسیر اکثر حضرات نے شب قدر سے کی ہے معارف القرآن
میں ہے کہ لیلۂ مبارکہ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک شب قدر ہے ،
لیلہ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہونے کے متعدد دلائل ہیں جن کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں مفصل
ذکر کیا ہے

(١) سورۂ دخان کی آیت میں انزال قرآن کی رات کو لیلۂ مبارکہ کہا گیا ہے کوئی تصریح نہیں کی گئی
کہ یہ لیلۃ القدر ہے یا لیلۃ البراءۃ اور سورۂ القدر کی آیت میں تصریح ہے کہ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر
والقرآن یفسر بعضہ بعضاً پس معلوم ہوا کہ لیلۃ البرأۃ سے مراد لیلۃ القدر ہے ،

(٢) سورۂ دخان میں تو فرمایا کہ ہم نے قرآن لیلۂ مبارکہ میں نازل کیا اور سورۂ بقرہ میں ہے
کہ شہر رمضان میں نازل کیا اس سے معلوم ہوا کہ لیلۂ مبارکہ ماہ رمضان میں واقع ہوتی ہے اور
رمضان میں واقع ہونے والی لیلۃ القدر ہے نہ کہ لیلۃ البرأۃ کیونکہ وہ تو شعبان میں ہوتی ہے
پس معلوم ہوا کہ لیلۂ مبارکہ شب قدر ہے ،

(٣) سورۃ القدر میں لیلۃ القدر کی جو صفات مذکور ہیں وہ موافق و متقارب ہیں ان صفات
کے جو لیلۂ مبارکہ کی سورۂ دخان میں ذکر کی گئی ہیں چنانچہ سورۂ قدر میں ہے تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ
فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ کہ اس رات میں فرشتے اور روح القدس اپنے رب کے حکم سے ہر امر کو لیکر
اترتے ہیں اور سورۂ دخان میں ہے فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ اس رات میں ہر معاملے کو طے
کر دیا جاتا ہے ان دونوں باتوں کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے سورۂ قدر میں ہے بِإِذْنِ رَبِّهِمْ
سورۂ دخان میں ہے أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا ان دونوں کا مفہوم متحد ، سورۂ قدر میں ہے سَلَامٌ هِيَ
سورۂ دخان میں ہے رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ان دونوں (سلامتی و رحمت) کا مفہوم قریب قریب ہے
جب دونوں مقام پر بیان کردہ صفات متقارب ہیں تو لازمی طور پر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لیلۂ مبارکہ

اور لیلۃ القدر دونوں ایک ہیں،

(۴) محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے،

نزلت صحف ابراهيم فی اول ليلة من رمضان والتوراة لست ليال منه والزبور لاثنتی عشرة ليلة مضت منه والانجيل لثمان عشرة ليلة مضت منه والقرآن لاربع وعشرين ليلة مضت من رمضان والليلة المباركة هی ليلة القدر (تفسیر کبیر)

حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے رمضان کی پہلی شب میں نازل ہوئے اور توراۃ رمضان کی چھٹی شب میں زبور بارہویں شب میں اور انجیل اٹھارویں شب میں اور قرآن پاک رمضان کی چوبیسویں شب میں نازل ہوا اور لیلہ مبارکہ لیلۃ القدر ہی ہے،

تفسیر قرطبی میں یہ روایت حضرت واثلہؓ سے مرفوعاً مروی ہے

(۵) سورۂ دخان میں ہے فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ اس رات میں ہر معاملہ کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ لیلۃ القدر میں ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ لیلۂ مبارکہ لیلۃ القدر ہے

عن ابن عباس رضـ انه قال فی ذلك يكتب من ام الكتب فی ليلة القدر ما يكون فی السنة من رزق او موت او حياة او مطر حتی يكتب الحاج يحج فلان ويحج فلان (اخرجه محمد بن نصر وابن المنذر وابن ابی حاتم) (روح المعانی)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے اس بارے میں فرمایا کہ شب قدر میں لوح محفوظ سے نقل کر کے وہ تمام امور لکھدئے جاتے ہیں جو پورے سال میں پیش آنیوالے ہیں یعنی رزق، موت، حیات بارش، یہاں تک کہ یہ بھی لکھدیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں اس سال حج کرے گا،

حضرت حسن بصریؒ سے بھی یہی مروی ہے،

عن ربيعة بن كلثوم قال كنت عند الحسن فقال له رجل يا ابا سعيد ليلة القدر فی كل رمضان هی، قال ای والله انها لفی كل

ربیعہ بن کلثوم کہتے ہیں کہ میں حضرت حسن کے پاس تھا ایک شخص نے ان سے دریافت کیا کہ اے ابو سعید! لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے؟ فرمایا خدا کی قسم

رمضان وانها لليلة يفرق فيها كل امر حكيم فيها يقضى الله تعالیٰ كل اجل وعمل ورزق الى مثلها (اخرجه عبد بن حميد وابن جرير) (روح المعانی)

وہ ہر رمضان میں ہوتی ہے اور یہی وہ رات ہے جسمیں ہر معاملہ طے کردیا جاتا ہے اس رات میں حق تعالیٰ اس جیسی آئندہ رات تک ہونیوالے تمام امور (موت، عمل، رزق) کے فیصلے فرمادیتے ہیں،

ان دلائل خمسہ مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ لیلۂ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے،
رہا حضرت عکرمہ وغیرہ کا قول کہ لیلۂ مبارکہ سے مراد لیلۃ البراءۃ ہے سو اس کو علماء نے غیر معتبر قرار دیا ہے
امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں،

واما القائلون بان المراد من الليلة المباركة المذكورة فى هذه الاية هى ليلة النصف من شعبان فما رأيت لهم فيه دليلاً يعول عليه

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ لیلۂ مبارکہ مذکورہ فی الآیۃ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے میں نے اس بارے میں ان حضرات کی کوئی معتبر دلیل نہیں دیکھی،

تفسیر مظہری میں ہے وماقيل انها ليلة النصف من شعبان فليس بشئ حاشیہ جمل علی تفسیر الجلالین میں ہے قوله اوليلة النصف من شعبان قال النووى فى باب صوم التطوع من شرح مسلم انه خطاء والصواب وبه قال العلماء انها ليلة القدر بیان القرآن میں ہے کہ یہ تفسیر صحیح نہیں معلوم ہوتی،
دراصل ان حضرات نے لیلۂ مبارکہ کی تفسیر لیلۃ القدر کے ساتھ اُس روایت کے پیش نظر کردی ہے جس میں معاملات کا فیصلہ ہونا لیلۃ البراءۃ میں مذکور ہے تفسیر ابن کثیر اور روح المعانی میں عثمان بن محمد بن الاخفش کی روایت ہے،

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال تقطع الاجال من شعبان الى شعبان حتى ان الرجل لينكح ويولد له وقد اخرج اسمه فى الموتى،

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک تمام آجال کا فیصلہ کردیا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ بھی کہ فلاں شخص نکاح کرے گا اس کے بچہ پیدا ہوگا حالانکہ اسکا نام مُردوں میں لکھدیا گیا،

مگراس روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مُرسَل ہے جو نصوص کے مقابلہ میں قابلِ اعتماد نہیں ہے تفسیر ابنِ کثیر میں ہے فَهُوَ حَدِيثٌ مُرْسَلٌ ومثله لایعارض به النصوص معارف القرآن میں ہے کہ قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ نصفِ شعبان کی رات کے بارے میں کوئی قابلِ اعتماد روایت ایسی نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ رزق اور موت وحیات کے فیصلے اس رات میں ہوتے ہیں،

پھر اس حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ البراءۃ میں فیصلے ہوتے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن میں جو لیلۃ المبارکۃ فرمایا گیا ہے اس سے مراد لیلۃ البراءۃ ہی ہے کسی آیت وروایت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ نزولِ قرآن لیلۃ البراءۃ میں ہوا ہے جبکہ لیلۃ القدر اور ماہ رمضان میں نازل ہونا قرآن پاک میں مصرح ہے البتہ سالانہ معاملات کے فیصلوں کے متعلق روایات میں تعارض ہے کہ لیلۃ القدر میں ہوتے ہیں یا لیلۃ البراءۃ میں، جیساکہ اوپر دونوں قسم کی روایات مذکور ہوئی ہیں ان میں تطبیق یہ ہے کہ سالانہ واقعات کے کاغذات لیلۃ البراءۃ میں لوحِ محفوظ سے نقل کرکے لکھنے شروع کردئے جاتے ہیں اور لیلۃ القدر میں فراغت ہو جاتی ہے اس رات میں وہ کاغذات ملائکہ کے سپرد کر دئے جاتے ہیں، ارزاق کا رقعہ حضرت میکائیل ؑ کے حوالہ کر دیا جاتا ہے اور لڑائیوں زلزلوں اور بجلیوں وغیرہ کا رقعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے حوالہ کر دیا جاتا ہے اور اعمال کا پرچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام (جوکہ آسمانِ دنیا پر ایک بڑے فرشتے ہیں) کے سپرد کر دیا جاتا ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہ تطبیق مروی ہے،

قال تقضی الاقضیة کلها لیلة النصف من شهر شعبان وتسلم الی اربابها لیلة السابع والعشرین من شهر رمضان (روح المعانی)	فرمایا کہ تمام فیصلے نصف شعبان کی شب میں کر دئے جاتے ہیں اور ان امور کو رمضان کی ستائیسویں شب میں ان کے ذمہ دار فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے،

حضرت تھانوی رحؒ بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ لیلۂ مبارکہ کی تفسیر اکثر حضرات نے شبِ قدر سے کی ہے اور بعض نے اس کی تفسیر لیلۃ البراءۃ سے اس بناء پر کی ہے کہ روایات میں اس کی نسبت بھی واقعاتِ سالانہ کا فیصلہ ہونا آیا ہے لیکن چونکہ کسی روایت میں اس میں قرآن کا نزول وارد نہیں ہے اور شبِ قدر میں نزول خود قرآن میں مذکور ہے انا انزلناه فی لیلة القدر اس لئے یہ تفسیر صحیح نہیں معلوم ہوتی،

اور واقعات کا فیصل ہونا اس شب میں اس کو مستلزم نہیں ہے کہ قرآن میں جو لیلۃ مبارکہ آیا ہے اس سے مراد یہی ہو غایت مافی الباب اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ دونوں شب میں واقعات فیصل ہوتے ہیں تو یہ کچھ بعید نہیں بلکہ ممکن ہے کہ واقعات لکھ تو لئے جاتے ہوں شب برات میں اور سپرد کئے جاتے ہوں شب قدر میں، (بیان القرآن)

اس تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ لیلۂ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے پس آیت ثانیہ اور ثالثہ میں تعارض ختم ہوگیا رہی آیت اولیٰ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ سو یہ بھی اِن آیتوں کے معارض نہیں ہے اس لئے کہ روایت مرفوعہ صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ لیلۃ القدر ماہِ رمضان میں ہوتی ہے۔

عن عائشۃ رضؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحروا لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر من شہر رمضان رواہ البخاری ومسلم واحمد والترمذی (روح المعانی)

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب قدر کو ماہِ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو

اور بھی بہت سی روایات صحیحہ اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے اکثر حضرات اسی کے قائل ہیں اسی کو صحیح کہا گیا ہے صرف حضرت عکرمہ سے منقول ہے کہ لیلۃ القدر نصف شعبان کی شب ہے مگر اس قول کے متعلق روح المعانی میں ہے وہو قول شاذ غریب کما فی تحفۃ المحتاج، بہر حال یہ ثابت ہوگیا کہ لیلۃ القدر ماہ رمضان میں ہوتی ہے اس لئے آیت اولیٰ بھی دوسری دونوں آیتوں کے معارض نہیں رہی فحصل التطبیق بین الآیات وارتفع التعارض فللہ الحمد، فافہم واحفظ

ابتداء بالقتال مع الکفار جائز ہے یا نہیں؟

پارہ نمبر ۲، ع ۵، ع ۱۰

آیات (۱) وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

الْمُعْتَدِيْنَ پارہ ۲ رکوع ۸ سورۃ البقرۃ جلالین ص ۲۸ ◉ (۲) وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ الآیۃ پارہ ۲ رکوع ۸ سورۃ البقرۃ جلالین ص ۲۸ (۳) وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا پارہ ۵ رکوع ۹ سورۃ النسآء جلالین ص ۸۳ (۴) فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا پارہ ۵ رکوع ۹ سورۃ النساء جلالین ص ۸۳ (۵) فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ پارہ ۱۰ رکوع ۷ سورۃ التوبۃ جلالین ص ۱۵۵ (۶) وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً پارہ ۱۰، رکوع ۱۱ سورۃ التوبۃ جلالین ص ۱۵۸،

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے راستہ میں انھیں لوگوں سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں ان پر زیادتی نہ کرو یعنی قتال کرنے میں ابتدار اور پہل نہ کرو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین جہاں بھی ملیں ایکدم ان سے قتال کی ابتدار نہ کرنی چاہیئے ہاں اگر وہ قتال کریں تو جوابًا ان سے قتال کیا جائے گا اور اخیر کی پانچوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو خواہ وہ قتال کریں یا نہ کریں یعنی ابتدار بالقتال کا حکم دیا گیا ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) آیت اولیٰ بعد کی پانچوں آیات سے منسوخ ہے یعنی ابتدار اسلام میں ابتدار بالقتال سے منع کیا گیا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم تھی اسلام کا ابھی غلبہ نہیں ہوا تھا اس لئے نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا جب اسلام کو قوت و غلبہ حاصل ہو گیا مسلمانوں کی تعداد کثیر ہو گئی اور معجزات رسالت وقتًا فوقتًا بار بار ظاہر ہونے کے باوجود بھی مشرکین اپنے شرک پر جمے رہے ان سے اسلام کی ناامیدی ہو گئی تو حق تعالیٰ نے علی الاطلاق قتال کا حکم دیدیا فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم، اور قاتلوا المشرکین کافۃ چنانچہ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم قتال کے سلسلہ میں سب سے پہلے نازل ہونیوالی آیت ہے جس میں قتال کی ابتدار کرنے سے منع کیا گیا پھر حق تعالیٰ نے فاقتلوا المشرکین کافۃ اور واقتلوھم حیث ثقفتموھم فرماکر

تمام مشرکین سے مطلق قتال کا حکم فرما دیا خواہ وہ قتال کریں یا نہ کریں (یعنی ابتدار بالقتال کی اجازت دیدی)، پس آیت سیف (فاقتلوا المشرکین کافۃ اور واقتلوھم حیث ثقفتموھم) اس آیت (یعنی ۱) کے لئے ناسخ ہے (جلالین، وخازن، تفسیر کبیر، تفسیر مظہری)

۲ آیت اولی میں ابتدار بالقتال کرنے یا نہ کرنے سے کوئی بحث نہیں ہے بلکہ اس آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ تم لوگ صرف ان کفار سے قتال کرو جو تمہارے مقابلہ میں قتال کے لئے آسکتے ہیں جن کی طرف سے قتال کی توقع ہے یعنی عورتوں، بچوں اور زیادہ بوڑھوں اور پادریوں و راہبوں کو جو دنیا سے یکسو ہو کر عبادت میں مشغول رہتے ہیں اسی طرح اپاہجوں، معذوروں اور کفار کے یہاں مزدوری اور نوکری کرنیوالوں کو جو قتال میں شریک نہیں ہوتے ہیں ان کو جہاد میں قتل نہ کرو اس لئے کہ یہ لوگ قتال میں مقابلہ پر آنیوالے نہیں ہیں، اس صورت میں ولا تعتدوا کا مطلب یہ ہوگا ولا تعتدوا بقتل الصبیان والنساء والشیوخ الکبار والرھبان وغیرھم من الذین لم یشارکوا فی القتال اس وقت یہ آیت منسوخ نہیں ہوگی بلکہ محکم رہے گی وہو قول ابن عباس ومجاہد (مظہری وقرطبی وغیرہ) اور اخیر کی آیات میں جن مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے مراد بھی مشرکین مقاتلین ہیں واقتلوھم حیث ثقفتموھم میں ھم ضمیر الذین یقاتلونکم کی طرف راجع ہے اور قاتلوا المشرکین کافۃ میں الف لام عہدی ہے مراد مشرکین مقاتلین ہیں یعنی نوجوان اور طاقتور لڑنے والے کفار کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور تمام مشرکین مقاتلین سے قتال کرو پس ان آیات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اس تقریر کے بعد ان تمام آیات کا مضمون و مفہوم متحد ہو چکا ہے،

اشہر حرم میں قتال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

پارہ نمبر ۲، ع ۶، ۱۰

آیات ۱ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ كَبِیْرٌ پارہ ۲ رکوع ۱۱ سورۃ البقرۃ جلالین ص ۳۲ ۲ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ پارہ ۶ رکوع ۵ سورۃ المائدۃ جلالین ص ۹۴ ۳ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا

يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً پارہ ۱۰ رکوع ۱۱ سورۂ التوبۃ جلالین ص۱۵۸ ،

تشریح تعارض پہلی دو آیتوں سے اشہرِ حُرُم (شوال ذیقعدہ ذی الحجہ رجب) میں قتال کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے کیونکہ آیت نمبر ۱ میں ارشاد ہے قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ اشہرِ حُرُم میں قتال کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور آیت نمبر ۲ میں فرمایا کہ اللہ کی نشانیوں اور شہرِ حرام کی بے حرمتی نہ کرو اور شہرِ حرام میں جب قتال کرنے سے منع کر دیا گیا تو اس میں قتال کرنا اسکی بے حرمتی کرنا ہے پس مطلب اس آیت کا یہ ہوا کہ شہرِ حرام میں قتال کر کے اس کی بے حرمتی نہ کرو اور آیت نمبر ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اشہرِ حُرُم میں قتال کرنا ممنوع نہیں ہے کیونکہ اس میں ارشاد ہے کہ تمام مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین سے ہر زمانہ ہر مہینہ میں قتال کر سکتے ہو جیسا کہ وہ ہر مہینہ میں تم سے قتال کر لیتے ہیں خواہ اشہرِ حُرُم ہوں یا غیر اشہرِ حُرُم علامہ سیوطیؒ نے جلالین میں اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً ای جمیعًا فی جمیع الشھور کما يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً اور یہ تفسیر ایک قاعدہ کے تحت کی گئی ہے قاعدہ یہ ہے کہ عمومِ اشخاص مستلزم ہوتا ہے عمومِ احوال، عمومِ ازمان، عمومِ امکنہ کو، تو جب اس آیت میں تمام مشرکین سے قتال کا حکم دیا گیا تو اس کا مطلب قاعدہ مذکورہ کے پیشِ نظر یہ ہوگا اقتلوا المشرکین جمیعا فی اَیِّ حال فی اَیِّ زمان فی اَیِّ مکان کہ جس حال میں جس زمانہ میں جس جگہ پاؤ قتال کرو (جمل) بہرحال خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی دو آیتوں میں اشہرِ حُرُم میں قتال کی ممانعت اور تیسری آیت میں اجازت ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

(۱) پہلی دونوں آیتیں تیسری آیت سے منسوخ ہیں یعنی ابتداءً اشہرِ حُرُم میں قتال کرنا ممنوع تھا بعد میں وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ نازل فرما کر ممانعت منسوخ کر دی گئی اور اشہرِ حُرُم و غیر حُرُم تمام مہینوں میں قتال کی اجازت دیدی گئی اب کسی بھی مہینہ میں قتال کرنا حرام نہیں ہے، حضرت عطاء خراسانی، قتادہ، سفیان ثوری، ابن شہاب زہری کا یہی قول ہے بلکہ جمہور فقہاء نسخ ہی کے قائل ہیں صاحب روح المعانی اور قاضی بیضاوی نے اشہرِ حُرُم میں قتال کی حُرمت کے منسوخ ہونے پر اجماع

نقل کیا ہے البتہ ناسخ کی تعیین میں اختلاف ہے بعض نے تو قاتلوا المشرکین کافۃ الآیۃ کو ناسخ مانا ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا اور بعض نے فاقتلوھم حیث وجدتموھم کو ناسخ مانا ہے بایں طور کہ لفظ حیث کو زمانہ کے معنی میں لیا ہے کہ مشرکین کو جس زمانہ میں پاؤ قتل کر دو بہرحال نسخ کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا کما مر غیر مرۃ (مظہری و خازن و روح المعانی وغیرہ)

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ پہلی دو آیتوں سے اشہر حُرُم میں قتال کی ممانعت پر دلالت ہی نہیں ہے بلکہ یہ آیات تو اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ پوری آیت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے پوری آیت اس طرح ہے يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ مطلب یہ ہے کہ شہر حرام میں قتال کرنا اگرچہ گناہ کی بات ہے لیکن لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنا اور اسلام سے انکار کرنا اور مسجد حرام کی زیارت سے لوگوں کو روکنا اور اہل مکہ کو مکہ سے نکالنا یہ سب امور شہر حرام میں قتال کرنے سے بھی زیادہ گناہ ہیں اور کفار برابر یہ حرکات کرتے رہتے ہیں خلاصہ یہ ہوا کہ شہر حرام میں بلا وجہ اور ناحق لڑنا بیشک اشد گناہ ہے مگر جو لوگ کہ حرم میں بھی کفر پھیلائیں اور بڑے بڑے فساد کریں ان سے لڑنا منع نہیں ہے بلکہ ان کی حرکات کی روک تھام کیلئے مقاتلہ جائز ہے کیونکہ اخف کے مقابلہ میں اشد کی مدافعت ضروری ہے

جب پہلی دو آیتوں سے قتال فی الشہر الحرام کی ممانعت ثابت ہی نہیں ہوتی تو تیسری آیت کے ساتھ ان کا کوئی تعارض نہیں رہا، (الفوز الکبیر و شرحہ الروض النضیر)

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے حضرت عطاء بن ابی رباح قسم کھا کر فرماتے تھے کہ قتال فی الشہر الحرام کی حرمت ہمیشہ کیلئے باقی ہے اور بھی متعدد حضرات تابعین اس حکم کو ثابت اور غیر منسوخ مانتے ہیں البتہ اس آیت میں قتال فی الشہر الحرام کو جو ممنوع قرار دیا گیا ہے اس سے مراد ابتداء قتال ہے کہ اشہر حُرُم میں ابتداء بالقتال کرنا حرام ہے اور آیت ثالثہ میں قتال فی الاشہر الحرم کی جو اجازت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر مشرکین اشہر حُرُم میں قتال کی ابتداء کریں تو جوابی کاروائی کرتے

ہوئے تمہارے لئے بھی اشہر حُرُم میں قتال کرنا جائز ہے اسلئے فرمایا کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَآفَّۃً کہ
جس طرح یہ مشرکین تم سے ہر مہینہ میں قتال کرلیتے ہیں اشہر حُرُم کی پرواہ نہیں کرتے تم بھی جوابی کارروائی
کرتے ہوئے اشہر حرام میں ان سے قتال کرلو جیساکہ دوسری جگہ ارشاد ہے اَلشَّھْرُ الْحَرَامُ بِالشَّھْرِ
الْحَرَامِ شہر حرام شہر حرام کے عوض میں ہے اگر وہ لوگ اس مہینہ کی حُرمت کا خیال رکھیں اور قتال نہ کریں
تو تم بھی اس کی حرمت کی رعایت کرو اور قتال نہ کرو اور اگر وہ لوگ اس ماہ کی رعایت نہ کرتے ہوئے
تم سے اس ماہ میں قتال کریں تو تم بھی جواباً اس ماہ میں ان سے قتال کرو کیونکہ اَلْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ
حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں جانبین سے اس کی رعایت ضروری ہے وہ رعایت کرتے ہیں
تم بھی کرو وہ رعایت نہ کریں تم بھی نہ کرو خلاصہ یہ ہوا کہ ابتداءً قتال کرنا تو اشہر حُرُم میں ہمیشہ
کیلئے حرام ہے کمافی الآیتین الاولیین البتہ ان کی طرف سے ابتداء کے بعد مدافعانہ قتال کرنا مسلمانوں
کیلئے اشہر حُرُم میں جائز ہے کمافی الآیۃ الثالثۃ پس ان آیات میں کوئی تعارض نہیں رہا (معارف القرآن)

عدتِ وفات چار ماہ دس دن ہے یا ایک سال؟

پارہ نمبر ۲

آیات (۱) وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا پارہ ۲ رکوع ۱۴ سورۃ البقرۃ جلالین ص۳۶ ● (۲) وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ پارہ ۲ رکوع ۱۵ سورۃ البقرۃ جلالین ص۳۷ ،

تشریح تعارض پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ متوفی عنہا زوجہا عورت کی عدت وفات
چار ماہ دس دن ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ یہ عورت ایک سال تک انتظار کریگی اور اس کا نفقہ
ایک سال تک شوہر کے ذمہ رہے گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت وفات ایک سال ہے پس ان دونوں
آیتوں میں بظاہر تعارض ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کے دو۲ جواب ہیں

(۱) دوسری آیت پہلی آیت سے منسوخ ہے پہلی آیت اگرچہ تلاوت کے اعتبار سے مقدم ہے لیکن نزول کے اعتبار سے مؤخر ہے ابتداءً تربّص الی الحول کا حکم تھا پھر تربّص اربعۃ اشھر وعشرا کا حکم نازل ہوگیا اور پہلا حکم منسوخ ہوگیا جمہور مفسرین نے نسخ ہی کو اختیار کیا ہے ولاتعارض بعد النسخ (جلالین والفوزالکبیر)

(۲) عدتِ وفات تو اسلام میں ابتدا ہی سے چار ماہ دس دن رہی مگر میراث کا حکم نازل نہ ہونے کی وجہ سے عورت کیلئے اتنی رعایت رکھی گئی تھی کہ اگر وہ اپنے خاوند کے ترکہ کے گھر میں رہنا چاہے تو ایک سال تک رہنے کا حق حاصل ہے اور اس زمانہ میں اس کو شوہر کے ترکہ میں سے نان ونفقہ بھی دیا جائے گا اور شوہروں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی عورتوں کیلئے اس طرح کی وصیت کرجایا کریں اور چونکہ یہ حق عورت کا تھا اور صاحبِ حق کو اپنا حق وصول کرنے نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اس لئے وارثین کیلئے عورت کو گھر سے نکالنا جائز نہ تھا البتہ اگر عورت چار ماہ دس دن عدت پوری کرنے کے بعد شوہر کے گھر سے نکلنا چاہے اور اپنا حق ورثہ کو چھوڑ دے تو اس کیلئے نکلنا بھی درست تھا اور نکاح کرنا بھی، جب آیتِ میراث نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہوگیا کیونکہ اب اس کو گھر اور مال میں سے حقِ میراث مل گیا ہے وہ اپنے حصہ میں رہے اور اپنے حصہ میں سے خرچ اٹھائے، اس صورت میں یہ آیت نہ منسوخ ہے نہ پہلی آیت کے معارض ہے (بیان القرآن)

ایک نیکی کا ثواب اسی کے مثل ملتا ہے یا اضعاف کے ساتھ پھر اضعاف کی مقدار کیا ہے

پارہ نمبر ۲، ۳، ۸، ۲۷

آیات (۱) مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً پارہ ۲ رکوع ۱۶ سورۂ بقرۃ جلالین ص۳۷ (۲) مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗ اَجْرٌ کَرِیْمٌ پارہ ۲۷ رکوع ۱۸ سورۂ الحدید جلالین ص۴۴۹ (۳) اِنَّ

اَلْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَھُمْ وَلَھُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ پارہ ۲۷ رکوع ۱۸ سورۃ الحدید جلالین ص ۴۵۰ (۴) اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْہُ لَکُمْ الخ پارہ ۲۸ رکوع ۱۶ سورۃ التغابن جلالین ص ۴۶۳ ● (۵) مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ پارہ ۳ رکوع ۴ سورۃ البقرۃ جلالین ص ۴۱ ● (۶) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا پارہ ۸ رکوع ۷ سورۃ الانعام جلالین ص ۱۲۹ ●

(۷) لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی پارہ ۲۷ رکوع ۷ سورۃ النجم جلالین ص ۴۳۹

تشریح تعارض | ان آیات میں دو طرح سے تعارض ہے ایک تو پہلی چھ آیات کے درمیان بایں طور کہ پہلی چار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اللہ کو قرض حسن دیتا ہے یعنی اس کے راستہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس کا ثواب بہت گنا بڑھا کر عطا فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیکی کا ثواب کئی کئی گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے دس گنا یا سات سو گنا کی کوئی تحدید نہیں بلکہ حق تعالیٰ اس سے بھی زائد عطا فرمائیں گے، اور آیت نمبر ۵ میں ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کے راستہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک دانہ کسی نے بویا اس سے سات بالیں اگیں ہر بال میں سو سو دانے ہوئے یعنی ایک دانہ خرچ کرنے کا ثواب سات سو دانوں کے برابر ملتا ہے معلوم ہوا کہ ایک نیکی کا ثواب سات سو گنا کر دیا جاتا ہے اور اس آیت کے جملہ اخیرہ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ کا مطلب اگر یضعف الی اکثر من سبعمائۃ لیا جائے کہ جس کیلئے چاہتے ہیں سات سو سے بھی زیادہ بڑھا دیتے ہیں تو اس جملہ کا مضمون پہلی چار آیات کے مرادف ہوگا اور اگر یضعف الی سبعمائۃ لمن یشآء مراد ہو تو اس کا مضمون اس آیت کے اول حصہ کے مرادف ہوگا صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ ایک نیکی کا ثواب سات سو گنا کر دینا حق تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے جس کیلئے چاہتے ہیں سات سو گنا کر دیتے ہیں، بہر حال اس آیت کے اول حصہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیکی کا ثواب سات سو گنا ملتا ہے اور آیت نمبر ۶ میں ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا دیا جاتا ہے پس ان آیات میں تعارض ہو رہا ہے کہ پہلی چار آیات میں تضاعف حسنہ بلا تحدید اور آیت نمبر ۵

میں تضاعف الی سبعمائۃ اور آیت نمبر۷ میں تضاعف الی عشر امثالہا ہے،

دوسرا تعارض پہلی چھ آیات اور اخیر کی آیت نمبر۷ کے درمیان ہے بایں طور کہ پہلی چھ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیکی کا ثواب تضاعف کے ساتھ ملتا ہے اور آیت نمبر۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیکی کا ثواب بغیر تضاعف کے اسی کے برابر ملتا ہے کیونکہ اس میں ارشاد ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی کہ انسان کیلئے اسی عمل کا ثواب ہے جس کی اس نے سعی کی ہو اگر ایک نیکی کی ہے تو ایک ثواب، اگر دو کی ہیں تو دو ثواب اگر تین کی ہیں تو تین وعلی ھذا القیاس، ایک نیکی کا ثواب دس گنا یا سات سو گنا نہیں دیا جاتا پس یہ آیت نمبر۷ پہلی چھ آیات کے بظاہر معارض ہے

دفع تعارض | پہلے تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) دس گنا اور سات سو گنا اور اس سے زائد تضاعف کا تفاوت اخلاص ومشقت میں تفاوت کے اعتبار سے ہے جس شخص کی نیکی میں ادنیٰ درجہ کا اخلاص یا مشقت ہوتی ہے اس کو دس گنا ثواب ملتا ہے، اوسط درجہ کے اخلاص ومشقت میں سات سو گنا اور اعلیٰ درجہ کے اخلاص اور مشقت شدیدہ کی صورت میں اس سے زیادہ مثلاً سات لاکھ بلکہ اور زائد تک تضاعف ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک روایت میں بیس لاکھ اور چالیس لاکھ تک کا ذکر ہے،

عن ابی عثمان النھدی قال بلغنی عن ابی ھریرۃ رض انہ قال ان اللّٰہ لیکتب لعبدہ المؤمن بالحسنۃ الواحدۃ الف الف حسنۃ فحججت ذلک العام ولم اکن ارید ان احج الا للقائہ فی ھذا الحدیث فلقیت ابا ھریرۃ فقلت لہ فقال لیس ھذا قلتُ ولم یحفظ الذی حدثک انما قلت ان اللّٰہ یعطی العبد المؤمن بالحسنۃ الواحدۃ الفی الف حسنۃ ثم قال

حضرت ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابوہریرہ نے یوں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کیلئے ایک نیکی کا ثواب دس لاکھ نیکیوں کے برابر لکھتے ہیں تو میں نے اسی سال حج کیا اور صرف اس ارادہ سے حج کیا کہ حضرت ابوہریرہ سے حج میں ملاقات ہو جائیگی ان سے یہ حدیث معلوم کروں گا تو میری ملاقات حضرت ابوہریرہ رض سے ہوگئی میں نے ان سے (اس حدیث کے متعلق) عرض کیا تو انھوں نے فرمایا میں نے یہ نہیں

ابوھریرۃ اولیس تجدون ھذا فی کتاب اللہ تعالیٰ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً فالکثیرۃ عندہ تعالیٰ اکثر من الفی الف والفی الف والذی نفسی بیدہ لقد سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ لیضاعف الحسنۃ الفی الفی حسنۃ رواہ احمد وابن المنذر وابن ابی حاتم (روح المعانی ص ۱۷۳/۲)

کہا تھا جس نے آپ سے حدیث بیان کی اس کو یاد نہیں رہی میں نے تو یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ مومن بندہ کو ایک نیکی کا ثواب بیس لاکھ لکھتے ہیں پھر فرمایا کیا تم اس چیز کو کتاب اللہ میں نہیں پاتے من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا الخ جو اللہ کو قرض حسن دیتا ہے (یعنی انفاق فی سبیل اللہ) اس کے ثواب کو حق تعالیٰ بہت زیادہ گنا بڑھا دیتے ہیں اور اضعاف کثیرہ اللہ کے نزدیک بیس لاکھ اور بیس لاکھ سے زائد ہیں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک حسنہ کو چالیس لاکھ حسنات تک بڑھا دیتے ہیں،

یا پھر وطن میں رہکر اور سفر جہاد وغیرہ میں نکل کر نیکی کرنے کے اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے گھر میں رہکر سات سو اور جہاد فی سبیل اللہ میں نکل کر سات لاکھ کا ثواب ملتا ہے جیسا کہ حضرت علیؓ ابو الدرداءؓ ابو ہریرہؓ عمران بن حصینؓ، ابو امامہؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، اور جابرؓ کی روایت مرفوعہ میں ہے

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ارسل بنفقۃ فی سبیل اللہ واقام فی بیتہ فلہ بکل درھم سبعمائۃ درھم ومن غزا بنفسہ فی سبیل اللہ تعالیٰ وانفق فی وجھہ ذلک فلہ بکل درھم یوم القیمۃ سبعمائۃ الف درھم ثم تلا ھذہ الآیۃ (مثل الذین ینفقون اموالھم الخ) اخرجہ ابن ماجہ وابن ابی حاتم۔ (روح المعانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس شخص نے اللہ کے راستہ میں خرچ بھیجدیا اور خود اپنے گھر مقیم رہا تو اسکو ہر درہم پر سات سو دراہم کا ثواب ملتا ہے اور جو آدمی خود اللہ کے راستہ میں غزوہ کیلئے نکل جائے اور وہاں جاکر خرچ کرے تو اس کو قیامت کے دن ہر درہم پر سات لاکھ درہم کا ثواب ملتا ہے پھر آپ نے یہ آیت (مثل الذین ینفقون اموالھم الخ) تلاوت فرمائی۔

یا پھر مہاجرین واَعراب کا فرق ہوتا ہے کہ اعراب کیلئے دس گنا اور مہاجرین کیلئے سات سو گنا ثواب ہوتا ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہؓ سے اور ابوالشیخ نے ابن عباسؓ سے اور عبد بن حمید وغیرہ نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا والی روایت خاص کر اعراب (اہل دیہات) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بہرحال مہاجرین تو ان کی نیکی تو سات سو گنا تک بڑھادی جاتی ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ تضاعف سب کے حق میں عام ہے اعراب ہوں یا غیر اعراب (ہاں اخلاص و مشقت کا تفاوت بہرحال معتبر ہے) ۔روح المعانی ،

(۲) عشرۃ وغیرہ سے مراد تحدید نہیں ہے بلکہ تکثیر مقصود ہے کہ حق تعالیٰ ایک نیکی کا ثواب بہت زیادہ عطا فرمائیں گے اس توجیہ پر تمام آیات کا مفہوم متحد ہو جاتا ہے اور کوئی تعارض نہیں رہتا ، (روح المعانی)

دوسرے تعارض کے چار جواب ہیں ،

(۱) لیس للانسان الا ماسعیٰ میں مثلیت کی تصریح نہیں ہے یعنی لیس للانسان الامثل ماسعیٰ نہیں فرمایا کہ انسان کو اس کی سعی حسن کے مثل ہی ثواب ملے گا تضاعف کے ساتھ نہیں جیسا کہ سیئہ کے بارے میں من جاء بالسیئۃ فلا یجزیٰ الا مثلہا میں مثلیت کی تصریح ہے بلکہ اس آیت میں تو مطلق کہا گیا ہے اور مقصود حصر کا یہ ہے کہ انسان کو صرف خود اسی کی سعی کا ثواب ملتا ہے دوسرے شخص کی سعی کا ثواب نہیں دیا جاتا ہے ، البتہ ثواب کتنا دیا جاتا ہے اس کی کوئی تصریح نہیں کی گئی پہلی چھ آیات میں اس کو واضح کر دیا گیا کہ کسی کو دس گنا کسی کو سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زائد ثواب دیا جاتا ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے ، (مؤلف)

(۲) اگر مثلیت مراد لی جائے تو جواب یہ ہے کہ یہ آیت عدل پر اور پہلی چھ آیات فضل پر محمول ہیں لہذا کوئی تعارض نہیں یعنی عدل و انصاف کا تقاضہ تو یہی ہے کہ ایک نیکی کا ثواب اسی کے مثل دیا جائے مگر حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ثواب میں اضافہ فرمادیں گے ، والی خراسان عبداللہ بن طاہر نے حضرت حسین ابن فضل سے اس آیت اور وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ کے درمیان تعارض کے متعلق سوال کیا تو

حضرت حسین بن فضل نے جواب دیا لیس له بالعدل الا ما سعی وله بالفضل ما شاء الله کہ اگر حق تعالیٰ عدل سے کام لیں تو اس کی سعی کے مثل ہی ثواب دیں گے اور اگر فضل و کرم فرما دیں تو جتنا چاہیں بڑھا چڑھا کر ثواب عطا فرما دیں گے، اس جواب کو سن کر والیٔ خراسان نے حضرت حسین ابن فضل کا سر چوم لیا (روح المعانی)

(۳) تضاعف ثواب اس صورت میں ہے جبکہ انسان اس نیت و امید پر نیکی کرے کہ حق تعالیٰ اس کا ثواب بڑھا کر عطا فرمائیں گے اس وقت گویا اس کی سعی تضاعف کیساتھ ہے تو اس کا ثواب بھی تضاعف کے ساتھ ہوگا پس تضاعف کی صورت میں جزا سعی کے مثل رہی فوق السعی نہیں ہوئی لہذا پہلی چھ آیات آیت نمبر ۷ کے معارض نہیں ہیں (تفسیر کبیر)

(۴) لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی میں لام علیٰ کے معنی میں ہے یعنی انسان کو اس کی سیئہ پر اسی کے مثل عذاب دیا جائیگا پس پہلی چھ آیات حسنات کے بارے میں ہیں کہ ان کے اجر و ثواب میں تضاعف ہوتا ہے اور آخیر کی آیت نمبر ۷ سیئات سے متعلق ہے کہ سیئہ کا بدلہ اسی کے مثل ملتا ہے کقولہ تعالیٰ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰی اِلَّا مِثْلَهَا لہذا کوئی تعارض نہیں ہے مگر اس توجیہ کو صاحب روح المعانی نے بعید اور خلاف ظاہر کہا ہے (روح المعانی)

بعث بعد الموت کی کیفیت کیا ہوگی؟

پارہ نمبر ۳ و ۱۷

آیات (۱) وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ پارہ ۳ رکوع ۳ سورۃ البقرۃ جلالین ص ۴۱ ● (۲) كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ پارہ ۱۷،

رکوع ۶ سورۂ الانبیاء جلالین ص ۱۳۱ ،

تشریح تعارض پہلی آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعث بعد الموت کی کیفیت یہ ہوگی کہ اجزاء متفرقہ کو جمع کرکے ان کے اجساد بنا کر ان میں روح ڈال دی جائے گی کیونکہ حضرت ابراہیم عؑ نے حق تعالیٰ سے احیاء موتیٰ کی کیفیت کے متعلق دریافت کیا تھا تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ چار پرندے لیکر پہلے ان کو خوب مانوس کرلو پھر ان کو ذبح کرکے ان کے گوشت کا پروں اور ہڈیوں سمیت خوب قیمہ سا بنا کر اس کے کئی حصے کرکے ہر پہاڑ پر ایک ایک حصہ رکھدو پھر ان سب پرندوں کو بلاؤ تو وہ سب زندہ ہوکر دوڑے ہوئے تمہارے پاس آجائیں گے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا کہ چار پرندے (مرغ، مور، گدھ، کوّا) لئے ان کو مانوس کیا پھر ان کو ذبح کرکے ان کے گوشت، ہڈیوں اور پروں کو خوب باریک کاٹ کر اس کے سات حصے بنائے اور ایک ایک حصہ ایک ایک پہاڑ پر رکھدیا اس کے بعد ان جانوروں کو پکارا تو فوراً ہڈی سے ہڈی، پَر سے پَر اور خون سے خون گوشت سے گوشت مل کر سب اپنی اصلی ہیئت پر زندہ ہوکر ان کے پاس آگئے حق تعالیٰ نے یہ منظر دکھاکر واضح کردیا کہ ہم قیامت کے دن اسطرح مُردوں کو زندہ کریں گے کہ تمام مخلوق کے اجزاء بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہوکر جو پورے عالم میں متفرق اور منتشر ہوں گے ان کو ہمارا منادی پکارے گا :

ایتھا العظام البالیۃ والجلود المتمزقۃ واللحوم المتفرقۃ ھلمُّوا الی عرض الرحمٰن

اے بوسیدہ ہڈیو، متفرق کھالو، اور متفرق گوشت کے ٹکڑو چلو اللہ کے سامنے پیش ہونے کیلئے چنانچہ تمام مخلوق کے اجزاء متفرقہ منتشرہ جمع ہوکر اجساد بن جائیں گے ان میں حق تعالیٰ روح ڈال کر زندہ کردیں گے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعث بعد الموت کی کیفیت اعادہ بعد الاعدام ہے یعنی ہر شئے کو بالکل معدوم اور فنا کرکے دوبارہ موجود کیا جائیگا اس لئے کہ آیت ثانیہ میں فرمایا کَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُعِیْدُہٗ جس طرح ہم نے ہر چیز کو اوّل مرتبہ پیدا کیا اسی طرح ہم دوبارہ پیدا کردیں گے اور ہر شئے کی اول پیدائش عدم سے وجود میں لاکر ہوئی ہے پس اعادہ بھی ایجاد بعد الاعدام کے طور پر ہوگا پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے ،

دفعِ تعارض

اس تعارض کے پانچ جواب ہیں،

(۱) بعث بعد الموت کی کیفیت وہی ہے جو آیت اولیٰ میں بیان کی گئی ہے یعنی جمع بعد التفریق اور آیتِ ثانیہ کَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ میں جو خلقِ ثانی کو خلقِ اول کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے یہ سہولت و آسانی میں تشبیہ ہے جیساکہ حضرت تھانویؒ نے حاشیۂ بیان القرآن میں اس کی تصریح کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے آسانی اور سہولت سے ہر شئی کو اول مرتبہ پیدا کر دیا اسی طرح آسانی اور سہولت سے دوبارہ پیدا کردیں گے بعث بعد الموت ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں ہے پس آیت ثانیہ میں کیفیتِ بعث سے کوئی گفتگو ہی نہیں ہے، لہذا یہ آیت آیت اولیٰ کے متعارض نہیں ہے،

(۲) آیت ثانیہ میں نفسِ خلق میں تشبیہ مقصود ہے نہ کہ کیفیتِ خلق میں، مطلب یہ ہے کہ ہم نے ابتدائً مخلوق کو پیدا کیا اسی طرح ہم ثانیاً بھی پیدا فرمادیں گے، رہی کیفیتِ تخلیق سو وہ آیت نمبر ۱ سے معلوم ہوچکی کہ جمع بعد التفریق ہے فلا تعارض بینہما،

(۳) آیتِ ثانیہ میں احوال و اوصاف میں تشبیہ مقصود ہے کہ جس حالت اور جس صفت پر ہم نے اول مرتبہ پیدا کیا کہ حُفَاۃً، عُرَاۃً، غُرْلاً ننگے پاؤں ننگے بدن غیر مختون پیدا ہوئے اسی حالت و صفت پر ہم قیامت کے روز زندہ کرکے اٹھائیں گے اس کی تائید ایک صحیح روایت سے ہوتی ہے

عن ابن عباسؓ قال قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال یا یہا الناس انکم محشورون الی اللہ حفاۃ مشاۃ عراۃ غرلا ثم قرأ کما بدأنا اول خلق نعیدہ و اول من یکسی من الخلائق ابراھیم علیہ السلام (رواہ الشیخان والترمذی) مظہری

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ دینے کیلئے) کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے لوگو تم اللہ کی طرف ننگے پاؤں پیدل، ننگے بدن، غیر ختنہ شدہ اٹھائے جاؤگے پھر آپؐ نے یہ آیت کما بدأنا اول خلق نعیدہ تلاوت فرمائی اور (فرمایا) مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو کپڑے پہنائے جائیں گے، تفسیر ابن کثیر میں بھی ایک روایت ہے،

عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ قال قام

حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ

فبینا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیہ وسلم یخطب فقال انکم محشورون الی اللّٰه عزوجل حُفَاةً عُرَاةً غُرلاً کما بدأنا اول خلق نعیدہ وعداً علینا انا کنا فاعلین وذکر تمام الحدیث اخرجاہ فی الصحیحین من حدیث شعبہ و ذکرہ البخاری عند ہذہ الآیۃ فی کتابہ (ابن کثیر صـ۲۳۲/۳)

نے فرمایا کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ہمارے درمیان وعظ فرمانے کھڑے ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ تم کو اللّٰہ عزوجل کیطرف ننگے پاؤں ننگے بدن غیر مختون بیجایا جائیگا (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) جیسا ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ایسے ہی ہم لوٹائیں گے یہ ہمارے اوپر وعدہ ہے ہم اس کو پورا کرنیوالے ہیں راوی نے آگے پوری حدیث ذکر کی اس کی تخریج امام بخاری وامام مسلم نے اپنی صحیحین میں حضرت شعبہ کی حدیث سے کی ہے اور امام بخاری نے اس کو اپنی کتاب میں اس آیت کے قریب ذکر کیا ہے (ابن کثیر)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ سے مراد ایجاد بعد الاعدام نہیں ہے بلکہ بعث بعد الموت کی حالت وصفت کو بیان کرنا مقصود ہے کیفیت بعث کی وہی ہے جو پہلی آیت میں ہے یعنی جمع الاجزاء المتفرقہ پس یہ آیت پہلی آیت کے معارض نہیں ہے،

(۲) کَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ میں بھی جمع من الاجزاء المتفرقہ میں تشبیہ مقصود ہے جیساکہ صاحب روح المعانی نے صـ۱۰۱ پر ایک وجہ شبہ جمع من الاجزاء المتفرقہ بھی بیان کی ہے یعنی جس طرح ہم نے اجزاء متفرقہ کو جمع کرکے اوّلاً پیدا کیا اسی طرح دوبارہ بھی اجزاء متفرقہ کو جمع کرکے پیدا فرمائیں گے تمام انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش میں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء وذرات کو جمع کرکے ان کو پیدا کیا ہے انسان کی آفرینش جن ماں باپ کے ذریعہ ہوتی ہے اور جن غذاؤں سے ان کا خون اور جسم بنتا ہے وہ خود دنیا بھر کے مختلف گوشوں سے سمٹے ہوئے ذرات ہوتے ہیں پھر پیدائش کے بعد انسان جس غذا سے نشو ونما پاتا ہے جس سے اس کا خون اور گوشت پوست بنتا ہے اس میں غور کیا جائے تو اس کی غذاؤں میں ایک ایک چیز ایسی ہے جو دنیا کے مختلف ذرات سے بنی ہوئی ہے دودھ پیتا ہے تو وہ کسی گائے بھینس یا بکری کے اجزاء ہیں اور ان جانوروں میں یہ اجزاء اس گھاس دانے سے پیدا ہوئے جو انھوں نے کھائے ہیں یہ گھاس دانے معلوم نہیں

کس کس خطۂ زمین سے آئے ہیں اور ساری دنیا میں پھرنے والی ہواؤں نے کہاں کہاں کے ذرات کو ان کی ترتیب میں شامل کردیا ہے اسی طرح دنیا کا دانہ دانہ اور پھل اور ترکاریاں اور انسان کی تمام غذائیں اور دوائیں جو اس کے بدن کا جزو بنتی ہیں وہ کس کس گوشۂ عالم سے کس کس طرح حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور نظامِ محکم نے ایک انسان کے بدن میں جمع فرمادئے ہیں اگر غافل اور کوتاہ نظر انسان دنیا کو چھوڑ کر اپنے بدن ہی کی تحقیق اور ریسرچ کرنے بیٹھے تو اس کو بہ نظر آئیگا کہ اس کا وجود خود ایسے بیشمار اجزاء سے مرکب ہے جو کوئی مشرق کا ہے کوئی مغرب کا کوئی جنوبی دنیا کا کوئی شمالی حصہ کا، حق تعالیٰ نے جس طرح اجزائے منتشرہ کو جمع کرکے انسان بنادیا اسی طرح مرنے کے بعد یہ اجزاء پھر منتشر ہوجائیں گے حق تعالیٰ قیامت کے روز ان اجزاءِ متفرقہ منتشرہ کو اپنی قدرتِ کاملہ سے جمع کرکے زندہ فرمادیں گے (معارف القرآن)

قال الشاعر ؎

زندگی کیا ہے؟ عناصر کا ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے؟ انھیں اجزاء کا پریشاں ہونا

پس دونوں آیتوں میں کیفیتِ بعث کا بیان متحد ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے، لیکن یہ توجیہ صرف ان اشیاء میں جاری ہوگی جو عناصر سے مرکب ہیں جیسے انسان، حیوانات، نباتات وغیرہ، بخلاف نفسِ عناصر کے کہ ان میں یہ توجیہ مشکل ہے اس لئے کہ تمام مسلمین کا اس بات کا اتفاق ہے کہ عناصر کی تخلیقِ اوّلی اجزاء متفرقہ سے نہیں ہوئی بلکہ حق تعالیٰ نے ان کو عدم سے وجود بخشا ہے (روح المعانی)

(۵) بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ بعث بعد الموت کی دونوں کیفیتیں متحقق ہوں گی بعض کے اجزاء تو بالکل معدوم اور فنا ہوجائیں گے ان کو ازسرِ نو پیدا کیا جائیگا جس کو آیتِ ثانیہ میں بیان کردیا گیا اور بعض کے اجزاء متفرق اور منتشر ہوجائیں گے ان کو جمع کرکے پیدا کردیا جائے گا جس کو آیتِ اولیٰ میں واضح کیا گیا ہے پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں بلکہ بعض حضرات کے بارے میں تو احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ان کے اجسام بالکل محفوظ رہتے ہیں نہ معدوم ہوتے ہیں نہ منتشر، جیسے

حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام کہ حق تعالیٰ نے ان کو زمین پر حرام کر دیا ہے وہ جوں کے توں محفوظ رہتے ہیں، طبرانی شریف میں اخلاص کے ساتھ اذان دینے والوں کے بارے میں اور ابن مندہ کی حدیث حاملینِ قرآن کے متعلق بھی یہی وارد ہے کہ ان کے اجسام محفوظ رہتے ہیں (روح المعانی ص۱۰۲ ج۱۷)

وساوسِ قلبیہ غیر اختیاریہ پر مؤاخذہ ہوگا یا نہیں؟

پارہ نمبر ۳

آیات (۱) وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ پارہ ۳ رکوع ۸ سورۃ البقرۃ جلالین ص۴۵ (۲) لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا پارہ ۳ رکوع ۸ سورۃ البقرہ جلالین ص۴۵،

تشریحِ تعارض آیتِ اولیٰ میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے قلوب میں جو خیالات و وساوس پیدا ہوتے ہیں اگر تم ان کو اپنے قول و عمل سے ظاہر کرو گے یا ان کو اپنے قلوب ہی میں چھپائے رکھو گے دونوں صورتوں میں حق تعالیٰ تمہارا حساب لیں گے حساب لینے کے بعد جس کو چاہیں گے معاف فرمادیں گے جس کو چاہیں گے عذاب دیں گے۔ بہر حال اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قلوب میں آنیوالے بُرے خیالات و وساوس خواہ اختیاریہ ہوں یا غیر اختیاریہ انسان ان کے دفع کرنے پر قادر ہو یا نہو ہر حال میں ان خیالات کا حساب ہوگا اور ان پر مؤاخذہ بھی ہو سکتا ہے اور آیت ثانیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان انھیں چیزوں کا مکلف ہے جو اس کی وسعت و طاقت میں ہیں اور جو امور اُس کی وسعت سے باہر ہیں اُن کا وہ مکلف نہیں اُن کے کرنے نہ کرنے پر کوئی مؤاخذہ و گرفت نہیں ہے معلوم ہوا کہ وساوس غیر اختیاریہ جن کے دفع کرنے پر انسان قادر نہیں ہے ان پر مؤاخذہ نہیں ہوگا پس دونوں آیتوں میں نظاہر تعارض ہے پہلی آیت میں وساوسِ قلبیہ غیر اختیاریہ پر مؤاخذہ کا اثبات اور دوسری آیت میں مؤاخذہ کی نفی کیگئی ہے،

دفعِ تعارض اس تعارض کے پانچ جواب ہیں،

(۱) آیتِ اولیٰ میں وساوسِ اختیاریہ مراد ہیں یعنی وہ خیالاتِ فاسدہ جن کو انسان اپنے دل میں اختیاراً سے جگہ دیتا ہے ان پر مؤاخذہ ہوگا اور آیتِ ثانیہ میں وساوسِ غیر اختیاریہ مراد ہیں کہ ان پر مؤاخذہ نہیں ہوگا (بیان القرآن)

حضرتِ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان سے معلوم کیا کہ ارادہ اور خیال پر بھی بندہ سے مؤاخذہ ہوگا تو انھوں نے فرمایا کہ ہاں اگر وہ ارادہ عزم کے درجہ میں ہو تو مؤاخذہ ہوگا (خازن)

(۲) پہلی آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے جب ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ نازل ہوئی اور معلوم ہوا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب اور گرفت ہے تو صحابہ کرامؓ گھبرائے اور ڈرے کیونکہ ان خیالات سے احتراز ممکن نہیں ہے تو حق تعالیٰ نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا کہ اللہ تعالیٰ وسعت وقدرت سے زیادہ کا کسی کو مکلّف نہیں بناتے لہٰذا جو خیالات دل میں آجائیں اور ان پر عمل نہ ہو اس میں کوئی گناہ اور گرفت نہیں ہے اس کی تائید ایک صحیح روایت سے ہوتی ہے،

عن ابی ھریرۃ رضؓ لما نزلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ الآیۃ فاشتد ذلک علی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم جثوا علی الرکب فقالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلفنا من الاعمال ما نطیق الصلوۃ والصوم والجھاد والصدقۃ وقد انزل اللہ علیک ھذہ الآیۃ ولا نطیقھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتریدون

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی وان تبدوا ما فی انفسکم الآیۃ تو صحابہ پر یہ چیز دشوار گذری پس صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) (اب تک تو) ہمیں ان اعمال کا مکلف بنایا گیا تھا جو ہماری طاقت وقدرت میں ہیں یعنی نماز روزہ جہاد صدقہ اور اب اللہ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمادی ہے (وان تبدوا ما فی انفسکم الآیۃ کہ دل میں آنے والے خیالات پر بھی مؤاخذہ ہوگا)

ان تقولوا کما قال اھل الکتابین من قبلکم سمعنا وعصینا بل قولوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیك المصیر فلما اقترأھا القوم وزلّت بھا السنتھم انزل اللہ فی اثرھا (آمن الرسول) الآیۃ فلما فعلوا ذلك نسخھا اللہ تعالیٰ فانزل سبحانہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا،

رواہ احمد ومسلم (روح المعانی ص۶۷ ج۳)

ہم تو اس کی طاقت نہیں رکھتے (کہ ایسے خیالات بھی دل میں نہ آنے دیں خیالات تو غیر اختیاری طور پر دلوں میں آہی جاتے ہیں یہ معاملہ تو بہت دشوار ہوکر رہ جائے گا ہم اس بارے میں حق تعالیٰ کی اطاعت کیسے کرپائیں گے) آپ نے فرمایا (کہ حق تعالیٰ کو اختیار ہے جو چاہیں حکم نازل فرمادیں تمہیں حق تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ہر حال میں کرنی ہوگی اور خیالات قلبیہ سے احتراز کرنا ہوگا) کیا تمہارا ارادہ یہ ہے کہ تم بھی اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی طرح کہو سمعنا وعصینا (کہ ہم نے سُن تو لیا مگر ہم آپ کے حکم کی فرمانبرداری نہیں کرتے بلکہ نافرمانی کرتے ہیں) بلکہ تم لوگ تو یوں کہو سمعنا واطعنا الخ کہ ہم نے سُن لیا اور ہم آپ کی اطاعت کریں گے (اور کوشش کریں گے کہ دل میں خیالات نہ آئیں) اے اللہ ہماری مغفرت فرما تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے صحابہ نے یہ پڑھا سمعنا واطعنا الخ مگر (یہ عہد وپیمان کرتے ہوئے) ان کی زبانیں لڑکھڑانے لگیں (کہ ہم وعدہ کر تو رہے ہیں مگر معلوم نہیں پورا کر پائیں گے یا نہیں کیونکہ وساوس غیر اختیاریہ سے احتراز کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے) تو حق تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی آمن الرسول الخ (جس میں حق تعالیٰ نے ان عہد وپیمان کرنے والے مؤمنین کی مدح فرمائی) جب لوگوں نے یہ عہد وپیمان کرلیا (سمعنا واطعنا) تو حق تعالیٰ نے اُس آیت کو منسوخ کردیا اور لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا الآیۃ نازل فرمائی (جس میں بتادیا کہ تم لوگ وسعت کے بقدر مکلف ہو لہٰذا غیر اختیاری خیالات ووساوس پر تمہاری کوئی گرفت نہیں ہوگی)،

مگر اس توجیہ پر اشکال ہوتا ہے کہ نسخ تو انشارات کے ساتھ مخصوص ہے اخبار میں نسخ جاری نہیں ہوتا اور ان تبدوا ما فی انفسکم الخ خبر ہے نہ کہ انشار،

اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی کلام اگر لفظاً تو خبر ہو مگر معنیً انشار ہو تو اس میں نسخ واقع ہوجاتا ہے ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ اگرچہ خبر ہے مگر مقصود اس کا یہ ہے کہ "تم لوگ

اپنے دلوں میں بُرے خیالات نہ آنے دو ورنہ گرفت ہوگی اور یہ مفہوم از قبیلِ نہی ہے جو کہ انشاءات میں سے ہے پس اس میں نسخ کا جاری ہونا قابلِ اشکال نہیں ہے، (روح المعانی ص۶۴ ج۳)

(۳) پہلی آیت میں اثبات محاسبہ کا ہے اور دوسری آیت میں نفی مؤاخذہ کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امورِ قلبیہ پر محاسبہ تو ہوگا مگر مؤاخذہ نہیں ہوگا اسی لئے یحاسبکم بہ اللہ فرمایا یؤاخذکم بہ اللہ نہیں فرمایا محاسبہ اور مؤاخذہ میں فرق ہے، محاسبہ تو یہ ہے کہ بندہ کو اس کے اعمال کی خبر دیدی جائے اور بتلا دیا جائے کہ تو نے یہ یہ اعمال کئے تھے تیرے دل میں فلاں فلاں معاصی کے خیالات آئے تھے مگر ان پر کوئی گرفت نہ کی جائے بلکہ ان کو معاف کر دیا جائے اور مؤاخذہ کا مطلب عذاب و سزا دینا ہے، حضرت ابن عباسؓ سے یہی توجیہ منقول ہے اس کی تائید روایت مرفوعہ صحیحہ سے ہوتی ہے

عن صفوان بن محرز المازنی قال بینما ابن عمر یطوف اذ عرض لہ رجل فقال یا ابا عبد الرحمان اخبرنی ماسمعت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی النجوٰی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یُدنی المؤمن من ربہ حتی یضع علیہ کنفہ فیقررہ بذنوبہ تعرف ذنب کذا وکذا فیقول اعرف ربی اعرف مرتین فیقول اللہ سترتھا علیك فی الدنیا و انا اغفرھا لك الیوم ثم تطوی صحیفۃ حسابہ واما الاٰخرون وھم الکفار فینادی بھم علی رؤس الخلائق ھٰؤلاء الذین کذبوا علی ربھم الا لعنۃ اللہ

صفوان بن محرز المازنی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ طواف کر رہے تھے کہ اچانک ایک شخص نے سامنے آکر دریافت کیا کہ آپ نے خیالِ قلبی کے بارے میں جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو وہ مجھے بھی بتلایئے انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ فرماتے تھے کہ مؤمن اپنے رب کے قریب جائے گا حق تعالیٰ اس پر اپنا پردہ ڈالدینگے اس کے بعد اس کے گناہوں کا اس سے اقرار کرائیں گے کہ تو فلاں فلاں گناہ جانتا ہے وہ دو مرتبہ کہے گا اے رب جانتا ہوں (میں نے فلاں فلاں گناہ کیا ہے) حق تعالیٰ فرمائیں گے میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی تھی اور آج تیری مغفرت کرتا ہوں پھر اس کے حساب کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا، بہرحال دوسرے

علی الظّٰلمین رواہ البخاری ومسلم (خازن ص۲۱۱)	لوگ (جو کفار و منافقین ہیں) ان کو تو تمام مخلوق کے

سامنے پکارا جائے گا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا ہے یا درکھو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے،

④ پہلی آیت میں جس مؤاخذہ کا اثبات ہے وہ مؤاخذہ فی الدنیا ہے اور دوسری آیت میں جس مؤاخذہ کی نفی ہے وہ مؤاخذہ فی الآخرۃ ہے لہذا کوئی تعارض نہیں کیونکہ جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں اور جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں، مطلب یہ ہوا کہ امورِ قلبیہ پر حق تعالیٰ دنیا میں مؤاخذہ فرماتے ہیں جن لوگوں کے قلوب میں معاصی کے خیالات و وساوس آتے رہتے ہیں ان پر حق تعالیٰ دنیا ہی میں دنیا میں غموم و ہموم طاری فرما دیتے ہیں آخرت میں ان پر کوئی عقاب نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت عائشہ رض کے ارشاد بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے،

روی الضحاک عن عائشۃ رض انہا قالت ما احدث العبد بہ نفسہ من شر کانت محاسبۃ اللہ علیہ بغم یبتلیہ بہ فی الدنیا اوحزن اواذی فاذا جاءت الاخرۃ لم یسئل عنہ ولم یعاقب علیہ وروت انہا سالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ھذہ الأیۃ فاجابہا بما ھذا معناہ (تفسیر کبیر ص۱۳۴/۷)

امام ضحاک نے حضرت عائشہ رض سے نقل کیا ہے انھوں نے فرمایا کہ بندے کے دل میں جو برا خیال آتا ہے، اللہ تعالیٰ کا محاسبہ اس پر یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں کو کسی رنج و غم یا تکلیف میں مبتلا فرما دیتے ہیں آخرت میں نہ اس سے سوال ہوگا نہ عذاب اور حضرت عائشہ رض نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اسی طرح کا جواب دیا تھا،

⑤ پہلی آیت میں جو مؤاخذہ کا اثبات ہے یہ تو اس شخص کے حق میں ہے جو خیالاتِ فاسدہ کو اچھا سمجھے اور ان پر مُصِر رہے اور آیتِ ثانیہ میں جو مؤاخذہ کی نفی ہے یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو ان خیالاتِ شر کو ناگوار سمجھے ان سے نفرت کرے، اختلافِ اشخاص کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا، (تفسیر کبیر ص۱۳۵/۷)

بندہ کو مالایطاق کا مکلف بنایا جاتا ہے یا نہیں؟

پارہ نمبر ۳، ۸

آیات ① لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا پارہ ۳ رکوع ۸ سورۃ البقرۃ جلالین ص۴۵

② لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا پارہ ۸ رکوع ۶ سورۃ الانعام جلالین ص۱۲۸

③ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ پارہ ۳ رکوع ۸ سورۃ البقرۃ جلالین ص۴۵،

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ و ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کسی بندہ کو ایسے امور کا مکلف نہیں بناتے جو بندہ کی طاقت سے باہر ہوں اور آیت نمبر ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کو مالا یطاق کا مکلف بنایا جاتا ہے کیونکہ اس میں حق تعالیٰ نے بندہ کو یہ دعا کرنے کی تلقین فرمائی ہے کہ اے ہمارے رب تو ہمارے اوپر ان امور کا بوجھ مت ڈال جن کی ہم میں طاقت نہیں ہے اور ایسی دعا اسی وقت کی جاسکتی ہے جبکہ حق تعالیٰ مالایطاق کا مکلف بناتے ہوں اگر حق تعالیٰ کسی کو مالایطاق کا مکلف نہ بناتے ہوں تو پھر یہ دعا کرنا بے سود و بے معنی ہوگا کہ ہم کو مالایطاق کا مکلف نہ بنا، اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ مالایطاق کا مکلف بناتے ہیں پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہوگیا کیونکہ پہلی دو آیتوں میں تکلیف مالایطاق کی نفی اور تیسری میں اثبات ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں

① آیت نمبر ۱ و ۲ میں نفی تکلیف کی ہے اور تیسری آیت میں اثبات تحمیل کا ہے نہ کہ تکلیف کا اور تکلیف و تحمیل میں فرق ہے تکلیف کے معنی تو الزام مافیہ کلفۃ ومشقۃ ہے ایسی چیز کو لازم کردینا جس میں کلفت و مشقت ہو جیسے بندوں پر فرائض و واجبات کو لازم کردیا گیا ہے اور تحمیل کے معنی عوارض و حوادث اور عقوبات کا نازل کرنا ہیں پس پہلی دو آیتوں کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم بندوں پر ایسے امور کو واجب و فرض اور لازم نہیں کرتے جن کی بندوں میں طاقت نہو اور تیسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے رب آپ عوارض و حوادث اور عقوبات نازل فرمانے والے ہیں ہر قسم کے عوارض و حوادث کا نازل کرنا آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے مگر اے ہمارے رب ہم پر

ایسے حوادث وعوارض مصائب و آلام مت ڈالنا جن کو ہم برداشت نہ کر پائیں پس جس شے کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں اور جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں کیونکہ اثبات تحمیل مالا یطاق کا ہے اور نفی تکلیف مالا یطاق کی ہے فلا تعارض بینہما، (روح المعانی بتغیر ص ۶۹ و ۷۰ / ۳)

۲ تحمیل کو تکلیف ہی کے معنی میں لیکر جواب یہ ہے کہ پہلی دو آیتوں میں تکلیف مالا یطاق کے وقوع کی نفی ہے کہ حق تعالیٰ تکلیف مالا یطاق واقع نہیں فرماتے یعنی کسی کو مالا یطاق کا مکلف نہیں بناتے اور تیسری آیت میں تکلیف مالا یطاق کے امکان کا اثبات ہے مطلب یہ ہے کہ اے رب آپ اگرچہ مالا یطاق کا مکلف بنا سکتے ہیں تکلیف مالا یطاق ممکن ہے مگر ہم کو آپ مالا یطاق کا مکلف نہ بنائیے پس نفی وقوع کی ہے اور اثبات امکان کا ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ایسا جائز ہے کہ ایک شے ممکن ہو مگر واقع نہ ہو ہر ممکن کا واقع ہونا کوئی ضروری نہیں ہے اہل سنت والجماعت کا مسلک بھی یہی ہے کہ تکلیف مالا یطاق ممکن ہے مگر واقع نہیں ہے، شرح عقائد اور اس کی شرح النبراس میں اس کی تفصیل ملاحظہ کی جا سکتی ہے، (مؤلف)

پورا قرآن متشابہ ہے یا محکم یا بعض متشابہ و بعض محکم ہے؟

پارہ نمبر ۳، ۱۱، ۲۳

آیات ① هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ پارہ ۳ رکوع ۹ سورۂ آل عمران جلالین ص ۴۶ ② الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ پارہ ۱۱ رکوع ۱۷ سورۂ ہود جلالین ص ۱۷۹ ③ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ الآیۃ پارہ ۲۳ رکوع ۱۷ سورۂ زمر جلالین ص ۳۸۷

تشریح تعارض پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا بعض حصہ محکم اور بعض حصہ متشابہ ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تمام آیات یعنی پورا قرآن محکم ہے اور تیسری آیت میں کتاباً متشابہاً کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن متشابہ ہے پس ان تینوں میں بظاہر تعارض ہے

دفع تعارض پہلی آیت میں محکم اور متشابہ کے اصطلاحی معنی مراد ہیں اور دوسری و تیسری آیت میں محکم و متشابہ لغوی معنی کے اعتبار سے کہا گیا ہے، مُحکَم کے معنی لغت میں مضبوط اور مُتقن کے ہیں یہ اِحکَام بمعنی اِتقَان سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اور متشابہ کے معنی لغت میں وہ شئے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے مشابہ و مماثل ہو دونوں میں کوئی فرق نہو اور اصطلاح میں محکم واضح الدلالۃ علی المراد کو کہا جاتا ہے یعنی وہ لفظ جو مراد و مقصود پر واضح طور پر دلالت کرے اور متشابہ اصطلاح میں خفی الدلالۃ علی المراد کو کہا جاتا ہے یعنی وہ لفظ جس کی دلالت مراد پر مخفی ہو جس کے معنی و مقصود ظاہر و واضح نہ ہوں، دفع تعارض کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں قرآن کے بعض حصہ کو محکم اور بعض کو متشابہ اصطلاحی معنی کے اعتبار سے کہا گیا ہے کہ قرآن کی بعض آیات ایسی ہیں جو مراد و مقصود پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں جیسے آیاتِ اَحکَام آیاتِ وعد و وعید وغیرہ اور بعض آیات ایسی ہیں جن کی مراد مخفی ہے جیسے سورتوں کے شروع میں حروفِ مقطعات الٓمٓ الٓرٰ الٓمٓرٰ الٓمٓصٓ طٰسٓ طٰسٓمٓ حٰمٓ وغیرہ اور دوسری آیت میں جو تمام آیات کو مُحکم کہا گیا ہے یہ معنی لغوی کے اعتبار سے ہے کہ قرآن کی تمام آیات مضبوط و مستحکم ہیں ان میں کوئی خلل کوئی عیب و نقص نہیں ہے پورا قرآن تناقض، فسادِ معنی، رکاکتِ لفظ اور دیگر تمام عیوب و نقائص سے منزہ و مقدس ہے نیز تغیر و تبدل اور تحریف سے بھی محفوظ ہے کسی کی مجال نہیں کہ قرآن میں کوئی تغیر و تبدل اور تحریف کر دے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُونَ محکم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام آیات واضحات الدلالۃ ہیں، اور تیسری آیت میں جو پورے قرآن کو متشابہ کہا گیا ہے یہ بھی معنی لغوی کے اعتبار سے ہے یعنی فصاحت و بلاغت میں حُسن و صداقت میں قرآن کا ایک حصہ دوسرے کے مشابہ ہے قرآن کی تمام آیات لفظاً و معنیً فصیح و بلیغ ہیں تمام آیات میں حُسن و صداقت ہے پورا قرآن حُسن ترتیب سے مُزَیَّن ہے یہ مطلب نہیں کہ قرآن کی تمام آیات متشابہ اور غیر واضحات الدلالۃ ہیں لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، (جلالین و روح المعانی و صاوی)

غزوہ بدر میں کفار کو مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آرہی تھی یا کم؟

پارہ نمبر ۳، ۱۰

آیات (۱) وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ پارہ ۳ رکوع ۱۰ سورۃ آل عمران جلالین ص ۴۷ ● (۲) وَيُقَلِّلُكُمْ فِىْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا

پارہ ۱۰ رکوع ۱ سورۃ الانفال جلالین ص ۱۵۱

تشریح تعارض پہلی آیت میں غزوہ بدر کی کیفیت بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ کہ جب مسلمانوں اور کفار کی دونوں جماعتیں باہم ایک دوسرے کے مقابل ہوگئی تھیں تو کفار مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے حالانکہ کفار کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی اور مسلمان تین سو سے کچھ زائد تھے مگر کفار کو مسلمان دیکھنے میں دوگنے نظر آرہے تھے یہ مطلب اس احتمال پر ہے کہ يَرَوْنَهُمْ کی ضمیر فاعل کفار کی طرف اور ھم ضمیر مفعول مسلمین کی طرف راجع ہے اور مِثْلَيْهِمْ کی ضمیر بھی کفار کی طرف لوٹ رہی ہے حضرت شیخ الہندؒ نے اسی احتمال کو لیکر ترجمہ کیا ہے " اور دوسری فوج کافروں کی ہے دیکھتے ہیں یہ ان کو اپنے سے دوچند صریح آنکھوں سے " اگرچہ ان ضمائر کے مراجع میں اور بھی متعدد احتمالات ہیں مگر طوالت کے خوف سے ہم نے ان کو ترک کر دیا ہے،

بہرحال مسلمانوں کی تعداد قلیل ہونے کے باوجود حق تعالیٰ نے کفار کی نظروں میں مسلمانوں کی تعداد کو کثیر دکھلایا اور آیت ثانیہ میں ارشاد ہے وَيُقَلِّلُكُمْ فِىْٓ اَعْيُنِهِمْ کہ حق تعالیٰ تم لوگوں کو کفار کی نگاہوں میں قلیل دکھلا رہے تھے کہ کفار تم کو تعداد میں بہت کم دیکھ رہے تھے ویسے تو واقع میں بھی مسلمانوں کی تعداد کفار سے کم تھی مگر حق تعالیٰ نے اور زیادہ کم کرکے دکھلائی جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل نے مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر اپنے اصحاب سے کہا کہ ان کی تعداد تو فقط اتنی معلوم ہوتی ہے جن کی خوراک ایک اونٹ ہو عرب میں ایک اونٹ کو سو آدمیوں کی خوراک سمجھا جاتا تھا گویا کفار کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد سو سے زائد نہیں ہے پس ان

دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے کہ پہلی آیت میں تو ہے کہ کفار مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا یعنی دو ہزار کے قریب دیکھ رہے تھے اور دوسری آیت میں ہے کہ بہت کم دیکھ رہے تھے

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) اختلافِ زمان پر محمول ہے مطلب یہ ہے کہ لڑائی سے قبل تو حق تعالیٰ نے کفار کو مسلمانوں کی تعداد بہت کم دکھلائی حکمت اس میں یہ تھی اگر مسلمانوں کی تعداد شروع ہی میں کفار کو زیادہ دکھلا دی جاتی تو کفار پر رعب طاری ہو جاتا اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے اور لڑائی کی نوبت نہ آتی اور حق تعالیٰ نے جو مشرکین کی ہلاکت کا فیصلہ کر رکھا تھا اس کا ظہور نہ ہوتا اس لئے حق تعالیٰ نے ابتداءً لڑائی شروع ہونے سے قبل مسلمانوں کی تعداد کفار کو بہت کم دکھلائی تاکہ وہ ان کی تعداد کو کم دیکھ کر کوئی خاص تیاری کئے بغیر لڑائی کیلئے میدان میں آجائیں اور جب لڑائی شروع ہوگئی تو کفا مسلمانوں کی تعداد کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور کفار پر مسلمانوں کا ایک رعب طاری ہو رہا تھا اور مسلمانوں کو کفار کی تعداد بہت قلیل نظر آرہی تھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہماری نظروں میں کفار صرف نوّے ۹۰ کی تعداد میں دکھائی دے رہے تھے خلاصہ یہ ہوا کہ آیتِ اولیٰ لڑائی کے شروع ہونے کے بعد کے زمانہ پر محمول ہے اور آیتِ ثانیہ لڑائی شروع ہونے سے قبل کے زمانہ پر محمول ہے اور جب دو متعارض چیزوں کا زمانہ مختلف ہو تو تعارض نہیں رہتا،

(جلالین، تفسیر ابو السعود وغیرہ)

(۲) آیتِ اولیٰ میں یرونہم کی ضمیر فاعل اور ضمیر مفعول دونوں کفار کی طرف راجع ہیں اور مثلیہم کی ضمیر مسلمین کی طرف راجع ہے ترجمہ یہ ہوگا کہ کفار اپنے آپ کو مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ دیکھ رہے تھے حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں بھی ترجمہ کیا ہے، مثلین اگرچہ تثنیہ کا صیغہ ہے مگر مراد اس سے اکثریت کو بیان کرنا ہے تحدید مقصود نہیں ہے، کیونکہ کفار تو مسلمانوں سے واقع میں ہی تقریباً تین گنا زائد تھے مسلمانوں کی تعداد ان کو بہت کم نظر آنے کی وجہ سے اپنی تعداد ان کو تین گنے سے بھی زیادہ نظر آرہی تھی اس احتمال پر ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے

کیونکہ دونوں سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ کفار اپنے کو زیادہ اور مسلمانوں کو کم دیکھ رہے تھے،

ایمان واسلام میں اتحاد ہے یا مغایرت؟

پارہ نمبر ۳، ۲۶، ۲۷

آیات (۱) اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ پارہ ۳ رکوع ۱۰ سورۂ آل عمران جلالین ص ۴۸ (۲) وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ پارہ ۳ رکوع ۱۷ سورۂ آل عمران جلالین ص ۵۶ (۳) فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِیْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَمَا وَجَدْنَا فِیْهَا غَیْرَ بَیْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ پارہ ۲۷ رکوع ۱ سورۂ ذاریات جلالین ص ۴۳۳ (۴) قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا پارہ ۲۶ رکوع ۱۴ سورۂ الحجرات جلالین ص ۴۲۸

تشریح تعارض پہلی تین آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں متحد ہیں اور چوتھی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں مغایرت ہے اس لئے کہ آیتِ اولیٰ میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین فقط اسلام ہے اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اللہ کو پسند نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بھی اسلام ہی ہے کیونکہ اگر ایمان اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین ہو تو اللہ کے دین ایمان غیر پسندیدہ دین ٹھہرے گا اور ظاہر ہے کہ ایمان کے متعلق یہ کہنا کہ یہ حق تعالیٰ کو پسند نہیں ہے باطل اور غلط ہے پس معلوم ہوا کہ ایمان واسلام دونوں متحد ہیں، اور دوسری آیت میں فرمایا جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی تلاش میں ہو وہ دین اس کا مقبول نہیں ہوگا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ دین عین اسلام ہے کیونکہ اگر غیرِ اسلام ہو تو ایمان مقبول عند اللہ نہیں رہے گا وہو باطل، اور تیسری آیت میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے متبعین کو اولاً مؤمنین سے ثانیاً مسلمین سے تعبیر کیا ہے تو فرمایا فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِیْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ کہ جب ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنا چاہا تو اس بستی میں جتنے مومنین تھے سب کو باہر کر دیا اس کے بعد فرمایا فَمَا وَجَدْنَا فِیْهَا غَیْرَ بَیْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ کہ جب ہم نے مومنین کو نکالنے کا ارادہ کیا تو ہم کو اس بستی میں

مسلمانوں کے صرف ایک گھر کے علاوہ اور کوئی گھر مسلمانوں کا نہیں ملا اور وہ گھر حضرت لوطؑ
کا تھا جس میں بقولِ مجاہد حضرت لوط علیہ السلام اور انکی دو بیٹیاں تھیں اور بقولِ
حضرت سعید بن جبیرؒ کل تیرہ افراد تھے (کمافی روح المعانی) پس حضرتِ لوطؑ اور ان کے اہل
کو اولاً مومنین سے اور ثانیاً مسلمین سے تعبیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان و اسلام متحد ہیں،
بہرحال یہ تینوں آیتیں ایمان و اسلام کے اتحاد پر دال ہیں اور چوتھی آیت سے دونوں میں مغایرت ثابت
ہوتی ہے کیونکہ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قبیلۂ بنواسد کے کچھ دیہاتی لوگوں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا 'اٰمَنَّا' کہ ہم ایمان لائے حق تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے
کہہ دیجئے کہ تم لوگ ابھی ایمان نہیں لائے لہٰذا اٰمَنَّا مت کہو تم لوگ ابھی صرف اسلام لائے ہو اس لئے
یوں کہو اَسْلَمْنَا کہ ہم اسلام لے آئے تو اس آیت میں ان دیہاتیوں کے ایمان کی نفی اور اسلام کا
اثبات کیا گیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان و اسلام میں مغایرت ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفعِ تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ اسلام لغوی معنی کے اعتبار سے تو ایمان کے مغایر ہے
مگر اصطلاحِ شرع میں دونوں کا مصداق متحد ہے اسلام لغت میں انقیادِ ظاہری کو کہا جاتا ہے یعنی
ظاہری افعال میں اطاعت کرنا اگرچہ تصدیقِ قلبی حاصل نہ ہو اور اصطلاحِ شرع میں اسلام انقیادِ باطنی کو
کہتے ہیں یعنی تلفظ بالشہادتین بشرطِ التصدیق القلبی کا نام شرع میں اسلام ہے' اور ایمان شرع
میں التصدیق القلبی بشرط التلفظ بالشہادتین کو کہتے ہیں پس اصطلاحِ شرع میں دونوں متحد ہوئے
پہلی تین آیتوں سے جو ایمان و اسلام کا اتحاد ثابت ہو رہا ہے وہ مصداقِ شرعی کے اعتبار سے ہے
اور آیت نمبر ۴ میں جو مغایرت ہے وہ مفہومِ لغوی کے اعتبار سے ہے' اَعراب ظاہراً
افعال میں تو اطاعت کرتے تھے جیساکہ منافقین ظاہراً اطاعت کرتے تھے مگر ان کے قلوب میں تصدیق
داخل نہیں ہوئی تھی اس لئے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم لوگ ابھی ظاہری مسلمان ہو تصدیقِ قلبی تم کو
حاصل نہیں ہے پس اس آیت سے اسلام لغوی اور ایمان میں مغایرت ثابت ہوتی ہے نہ کہ اسلام
اصطلاحی شرعی اور ایمانِ اصطلاحی شرعی میں لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے، (جمل وغیرہ)

کفار سے دوستی مطلقاً جائز نہیں یا صرف عدم ضرر کے وقت؟

پارہ نمبر ۳، ۵، ۶، ۲۸

آیات (۱) لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً پارہ ۳ رکوع ۱۱ سورۂ آل عمران جلالین ص۴۹ ● (۲) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ پارہ ۵ رکوع ۱۸ سورۂ النساء جلالین ص۹۰ (۳) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ الآیۃ پارہ ۶ رکوع ۱۲ سورۂ المائدہ جلالین ص۱۰۱ (۴) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ پارہ ۶ رکوع ۱۳ سورۂ المائدہ جلالین ص۱۰۲ (۵) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ پارہ ۲۸ رکوع ۷ سورۃ الممتحنۃ جلالین ص۴۵۶

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کفار کی طرف سے کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ ہو تو ان سے مُوالاۃ اور دوستی رکھنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں کیونکہ اس میں اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً کا استثناء کیا گیا ہے اور آیت نمبر ۲ تا ۵ میں چونکہ کوئی استثناء نہیں ہے اس لئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ سے کسی حال میں بھی دوستی جائز نہیں ضرر کا اندیشہ ہو یا نہ ہو پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے۔

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) پہلی آیت میں مُوالاۃ مجازیہ اور اخیر کی آیتوں میں موالات حقیقیہ مراد ہے، موالاۃ حقیقیہ قلبی تعلق اور حقیقی دوستی کو کہا جاتا ہے اور مجازاً اس کا اطلاق مُداراۃ یعنی ظاہری خوش خلقی پر ہوتا ہے، آیت اولیٰ کا مقصد یہ ہے کہ اگر تمہیں کفار کی طرف سے کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ ہو تو تو ان کے ساتھ مُدارات یعنی ظاہری خوش خلقی کرنا درست ہے گفتگو اور ظاہری معاملات میں ان سے

اچھا برتاؤ کیا جائے تاکہ وہ ضرر رسانی نہ کریں البتہ قلبی تعلق قائم نہ کرے اور اگر کوئی ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو مُدارات بھی درست نہیں اور بھی دیگر حالات ایسے ہیں جن میں مُداراۃ کرنا درست ہے جیسے مُداراۃ کرنے سے اگر کافر کے ہدایت پر آنے کی توقع ہو یا کوئی کافر مہمان بنکر آئے تو اکرامِ ضیف کی خاطر مداراۃ کرنا جائز ہے اور اخیر کی چار آیات میں مُوالاۃِ حقیقیہ یعنی قلبی دوستی و تعلق مراد ہے جو کفار کے ساتھ کسی بھی حال میں درست نہیں خواہ ضرر کا اندیشہ ہو یا نہو لہذا کوئی تعارض نہیں (بیان القرآن)

(۲) پہلی آیت غلبۂ اسلام سے قبل پر محمول ہے اور بعد کی آیات غلبۂ اسلام کے بعد پر محمول ہیں جب تک اسلام کو قوت حاصل نہیں ہوئی تھی کفار کا غلبہ تھا اس وقت اندیشۂ ضرر کی صورت میں موالاۃ اور دوستی کی اجازت دیدی گئی تھی جب اِسلام کو قوت حاصل ہوگئی دینِ اسلام تمام ادیان پر غالب آگیا تو مُوالاۃ سے مطلقاً منع کر دیا گیا اب بھی جن ممالک اور جن علاقوں میں کفار کا غلبہ ہو ان میں یہی حکم ہے کہ کفار کے ساتھ مُوالاۃ کی اجازت ہے ورنہ وہ لوگ ضرر رسانی کے درپے ہونگے (جلالین)

حضرت زکریاؑ کیلئے علامتِ تکلم سے تین دن رُکنا تھا یا تین رات؟

پارہ نمبر ۳، ۱۶

آیات (۱) قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَةً قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا پارہ ۳ رکوع ۱۲ سورۂ آل عمران جلالین ص۵۰ (۲) قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَةً قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا پارہ ۱۶ رکوع ۴ سورۂ مریم جلالین ص۲۵۴

تشریحِ تعارض جب حق تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے یہاں بڑھاپے اور ضعیفی کی عمر میں لڑکا پیدا ہونیکی بشارت دی تو حضرتِ زکریا علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ بیوی کے استقرارِ حمل کی کوئی علامت بتلا دیجئے جس سے میں سمجھ جاؤں کہ میری بیوی حاملہ ہو چکی ہے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ استقرارِ حمل کی علامت یہ ہے کہ آپ لوگوں سے تین دن تک بات چیت نہیں کر سکو گے آپ کی زبان بند ہو جائے گی صرف اشارہ سے بات چیت کر سکو گے جب ایسا ہو جائے تو سمجھ لینا کہ بیوی حاملہ

ہو چکی ہے اس کو بیان کرتے ہوئے آیتِ اولیٰ میں " ان لا تکلم الناس ثلثۃ ایام " فرمایا کہ تین دن بات نہ کروگے اور آیت ثانیہ میں " ثلاث لیال " ہے کہ تین رات بات نہ کرسکوگے یعنی پہلی آیت میں ایام اور دوسری میں لیالی کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یوم ولیل میں تعارض ہے پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ دونوں کا مجموعہ مراد ہے یعنی تین دن تین رات تک بات نہ کرسکوگے پہلی آیت میں ثلثۃ ایام بلیالیھا اور دوسری آیت میں ثلاث لیال بایامہا مراد ہے البتہ سورۂ آل عمران میں ایام اور سورۂ مریم میں لیالی کہنے کی حکمت یہ ہے کہ رات دن پر مقدم ہوتی ہے اور سورۂ مریم مکیہ ہونے کی وجہ سے مقدم اور سورۂ آل عمران مدنیہ ہونیکی وجہ سے مؤخر ہے پس سورۂ متقدمہ میں مقدم یعنی لیالی کو ذکر فرمایا اور سورۂ متاخرہ میں مؤخر یعنی ایام کو ذکر کیا (صاوی)

خالق صرف حق تعالیٰ ہیں یا بندے بھی خالق ہیں؟

پارہ نمبر ۳، ۷، ۱۳، ۱۸، ۲۳

آیات (۱) اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ پارہ ۳ رکوع ۱۳ سورۂ آل عمران جلالین ص ۵۱ (۲) وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ الآیۃ پارہ ۷ رکوع ۵ سورۂ مائدۃ جلالین ص ۱۱۰ (۳) فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ پارہ ۱۸ رکوع ۱ سورۂ المؤمنون جلالین ص ۲۸۷ (۴) اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ پارہ ۲۳ رکوع ۵ سورۂ صٰفّٰت جلالین ص ۳۷۸ ◉ (۵) بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ پارہ ۷ رکوع ۱۹ سورۂ الانعام جلالین ص ۱۲۲ (۶) قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ پارہ ۱۳ رکوع ۸ سورۂ الرعد جلالین ص ۲۰۲

تشریح تعارض پہلی چار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ بھی بعض اشیاء کا خالق ہے جیساکہ

معتزلہ کا مسلک ہے کیونکہ پہلی دو آیتوں میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ مٹی سے پرندہ پیدا کرتے تھے خلق کی نسبت حضرتِ عیسیٰؑ کی طرف کیگئی ہے جو اللہ کے بندے ہیں اور تیسری اور چوتھی آیت میں ہے اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن کہ حق تعالیٰ پیدا کرنیوالوں میں سے بہترین پیدا کرنیوالے ہیں اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ پیدا کرنے والے اللہ کے علاوہ اللہ کے بندے بھی ہیں مگر حق تعالیٰ بہتر پیدا کرنیوالے ہیں اور اخیر کی دو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں جیسا کہ اہلِ سنت والجماعت کا مسلک ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) خلق کے معنی ایجاد و تکوین کے بھی آتے ہیں یعنی کسی شئے کو عدم سے وجود میں لانا اور خلق کا اطلاق تقدیر و تصویر اور تسویہ کے معنی پر بھی ہوتا ہے یعنی کسی شئے کو ایک اندازے کے ساتھ تیار کرنا، کسی شئے کی صورت شکل بنانا اور اس کو برابر و درست کرنا، خلق بمعنی ایجاد و تکوین تو حق تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے اللہ کے علاوہ کوئی مُکوِّن و مُوجِد نہیں ہے اور خلق بمعنی التقدیر والتصویر کا اطلاق بندوں پر بھی درست ہے اندازے کیساتھ کسی شئے کی صورت شکل بندہ بھی بنا دیتا ہے پتھر لکڑی وغیرہ سے مجسمے اور صورتیں تراش دیتا ہے ان کو چھیل کر رگڑ کر درست اور برابر کر دیتا ہے پس پہلی چار آیتوں میں لفظِ خَلَق اسی دوسرے معنی میں مستعمل ہے ایجاد و تکوین مراد نہیں ہے قرینہ اس کا یہ ہے کہ ایجاد و تکوین بغیر مادہ کے ہوتا ہے حق تعالیٰ بغیر مادہ کے ابتداءً اشیاء کو عدم سے وجود بخشدیتے ہیں اور تصویر مادہ سے بنائی جاتی ہے اور اس آیت میں مادہ طین کا ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مٹی لیکر اس سے پرندہ کی صورت بناتے تھے یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ خلق یہاں پر ایجاد و تکوین کے معنی میں نہیں بلکہ تصویر کے معنی میں ہے حضرت عیسیٰؑ مٹی سے پرندے کی صرف شکل و صورت بنا دیتے تھے جیسا کہ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ سے صاف ظاہر ہے اس میں روح اور جان پیدا کرنا حقیقی پرندہ بنانا یہ حق تعالیٰ کا کام تھا چنانچہ آگے ارشاد ہے فَیَكُونُ طَیْرًا بِإِذْنِ اللّٰہِ ایسے ہی آیت نمبر ۳ و ۴ میں احسن الخالقین کے معنی احسن المصورین والمقدرین ہیں کہ حق تعالیٰ تصویر بنانیوالوں میں سے بہترین تصویر بنانے والے ہیں نہایت مستحکم و مستحسن اور مناسب

تصویر بناتے ہیں ۔ اور اخیر کی دو آیتوں میں خلق بمعنی ایجاد و تکوین ہے کہ ہر شئے کے مکوّن و مُوجد حق تعالیٰ ہیں اس کے علاوہ اور کوئی مکوّن و مُوجد نہیں ہے فاندفع التعارض بین تلک الآیات (روح المعانی، تفسیر خازن، مظہری، ابن کثیر وغیرہ)

(۲) دوسرا جواب صرف آیت نمبر ۳ و ۴ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ سے متعلق ہے کہ یہ علیٰ سبیل الفرض کہا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ نفس الامر میں اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا خالق نہیں ہے لیکن اگر فرض کیا جائے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ اور بھی دوسرے خالقین ہیں تو حق تعالیٰ ان سے بہترین خالق ہیں، پس آیت نمبر ۳ و ۴ میں غیر اللہ کو خالق علیٰ سبیل الفرض کہا گیا ہے اور اخیر کی دو آیتوں میں ہر شئے کا خالق حق تعالیٰ کو نفس الامر کے اعتبار سے کہا گیا ہے فلا تعارض بینہا (تفسیر مظہری)

حضرت آدمؑ کی تخلیق کس چیز سے ہوئی؟

پارہ نمبر ۳، ۸، ۱۴، ۱۸، ۲۱، ۲۳، ۲۷

آیات (۱) اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ پارہ ۳ رکوع ۱۴ سورۂ آل عمران جلالین ص ۵۲ (۲) قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ پارہ ۸ رکوع ۹ سورۂ الاعراف جلالین ص ۱۳۰ (۳) وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ پارہ ۲۱ رکوع ۱۴ سورۂ السجدہ جلالین ص ۳۴۹ (۴) وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ پارہ ۲۳ رکوع ۱۴ سورۂ ص جلالین ص ۳۸۴ (۵) وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ پارہ ۱۸ رکوع ۱ سورۂ المومنون جلالین ص ۲۸۷ (۶) وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ پارہ ۱۴ رکوع ۳ سورۂ الحجر جلالین ص ۲۱۲ (۷) وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ پارہ ۱۴ رکوع ۳ سورۂ الحجر جلالین ص ۲۱۲ (۸) قَالَ لَمۡ اَکُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ پارہ ۱۴ رکوع ۳ سورۂ الحجر جلالین ص ۲۱۳ (۹) اِنَّا خَلَقۡنٰہُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ لَّازِبٍ

پارہ ۲۳ رکوع ۵ سورۂ الصّٰفّٰت جلالین ص ۳۷۳ ● (۱۰) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ پارہ ۲۷ رکوع ۱۱ سورۂ الرحمٰن جلالین ص ۴۴۴،

تشریح تعارض حضرتِ آدم علیہ السلام کی تخلیق کس چیز سے ہوئی اس بارے میں آیات متعارض ہیں پہلی چار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرتِ آدم علیہ السلام کو مطلق مٹی سے پیدا کیا اور آیت نمبر ۵ میں ہے کہ مٹی کے خلاصہ اور جوہر سے پیدا کیا سُلَالَۃ کے معنی کسی شئے سے نکالا ہوا جوہر اور خلاصہ سَلَلْتُ الشَّئَ مِنَ الشَّئِ سے ماخوذ ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز سے نکالنا اور کھینچنا سُلَالَۃٍ مِّنْ طِيْنٍ کا مطلب یہ ہوگا کہ مٹی میں سے خالص جوہر نکال کر اس سے آدم علیہ السلام کو بنایا تفسیر ابوالسعود میں ہے خلق من صفوۃ سُلّت من طین، صفوۃ کے معنی ہر شے کا خالص اور عمدہ جزو، اور آیت نمبر ۶ و ۷ و ۸ میں فرمایا کہ ہم نے انسان کو یعنی آدم علیہ السلام کو بدبودار گارے کی کھن کھن بجنے والی مٹی سے پیدا کیا صَلْصَال کے معنی بجنے والی مٹی یعنی جب اس پر چٹکی ماری جائے تو اس سے آواز نکلے حَمَأ کے معنی طینِ اسود کالی مٹی یعنی گارا مَسْنُون کے معنی متغیر اور بدبودار اور آیت نمبر ۹ میں ہے کہ چپکنے والی مٹی سے پیدا فرمایا اور آیت نمبر ۱۰ میں ارشاد ہے کہ انسان (آدم) کو ٹھیکرے کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا فَخَّار کے معنی آگ میں پکائی ہوئی مٹی یعنی ٹھیکرا، پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ ان آیات سے اس طرف اشارہ ہے کہ حضرتِ آدم علیہ السلام کی تخلیق مختلف اطوار و احوال کے ساتھ ہوئی ہے سب سے پہلے حق تعالیٰ نے زمین سے مٹی لی اس کے اندر سے اس کا خلاصہ اور جوہر یعنی خالص اور عمدہ جزو نکالا اس کو پانی میں گوندھا جس سے وہ طینِ لازب چپکنے والی مٹی ہوگئی جیسے آٹا گوندھنے کے بعد ہاتھوں پر چپکنے لگتا ہے پھر اس کو کچھ عرصہ تک اسی طرح چھوڑے رکھا یہاں تک کہ وہ حمأ مسنون بن گئی یعنی اس کے رنگ و بو میں تغیر پیدا ہوگیا پھر اس سے حضرتِ آدم علیہ السلام کا پتلہ اور مجسمہ تیار کیا جیسے لوٹا پیالہ وغیرہ دیگر برتن بنائے جاتے ہیں پھر اس کو ہوا میں سکھا دیا جس سے وہ صلصال کالفخار انتہائی سخت ٹھیکرے کی

مانند ہوگیا کہ اگر اس پر چٹکی ماری جائے تو آواز نکلے (یا یوں کہا جائے کہ اس مجسم کو سکھا کر آگ میں پکا دیا جس سے وہ ٹھیکرے کی طرح ہوگیا جیسے مٹی کے برتن سکھانے کے بعد آگ میں پکا کر ان کو پختہ کر دیا جاتا ہے) اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق عناصر اربعہ (مٹی، پانی، ہوا، آگ) سے ہوئی کہ مٹی کو پانی میں ملا کر ہوا میں سکھا کر آگ میں پکا دیا مگر چونکہ جزء غالب مٹی ہے اس لئے کہدیا جاتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے جیسے مٹی کا لوٹا پیالہ وغیرہ عناصر اربعہ سے بنایا جاتا ہے کہ مٹی کو پانی میں ملا کر برتن کی صورت بنا کر ہوا میں سکھانے کے بعد آگ میں پکایا جاتا ہے مگر جزء غالب مٹی ہونیکی وجہ سے مٹی کا لوٹا مٹی کا پیالہ کہا جاتا ہے یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ آگ پانی مٹی ہوا کا لوٹا ہے،

بہرحال حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مختلف احوال واطوار کے ساتھ ہوئی ہے پہلی چار آیات میں ابتدائی حالت اور آیت نمبر ۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹ میں درمیانی حالت اور آیت نمبر ۱۰ میں حالتِ اخیرہ کو بیان کر دیا گیا فلا تعارض بین تلک الآیات (صاوی، جمل وغیرہ)

کافر کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

پارہ نمبر ۳ و ۴

آیات (۱) لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ پارہ ۳ رکوع ۱۷ سورۂ آل عمران جلالین ص ۵۶ (۲) اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ پارہ ۳ رکوع ۱۷ سورۂ آل عمران جلالین ص ۵۶ (۳) وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ الآیۃ پارہ ۴ رکوع ۱۴ سورۂ النساء جلالین ص ۷۲

تشریح تعارض پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی توبہ قبول ہوجاتی ہے کیونکہ آیت میں پہلے تو کفار کے لئے عذاب کی وعید سنائی پھر اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا الخ کہکر استثناء فرمایا کہ جو کفار توبہ کر لیتے ہیں اور اپنے عمل کی اصلاح کر لیتے ہیں ان کی حق تعالیٰ مغفرت فرما دیتے ہیں اور ان پر رحم فرماتے

ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کافر کی توبہ قبول ہو جاتی ہے اور آیت نمبر ۲ و ۳ میں لَن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ اور
لیست التوبۃ الخ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی پس بظاہر ان آیات میں تعارض ہے

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) پہلی آیت اس صورت پر محمول ہے جبکہ کافر حضورِ موت اور حالتِ نزع سے پہلے پہلے توبہ کرلے اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے اور دوسری و تیسری آیت میں مراد یہ ہے کہ جب موت کا وقت آجائے نزع کی حالت طاری ہو جائے عالمِ آخرت کی چیزیں نظر آنے لگیں اس وقت اگر کافر کفر سے توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی جیسا کہ تیسری آیت میں تصریح ہے حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ الخ پس قبولیتِ توبہ کا اثبات قبل حضورِ الموت پر اور قبولیت کی نفی عند حضورِ الموت پر محمول ہے فلا تعارض بینہما (حاشیہ جلالین صہ ۵۶)

(۲) کافر اگر کفر سے توبہ کرے اور اسلام لے آئے تو قبول ہو جاتی ہے لیکن اگر کافر کفر پر رہتے ہوئے اپنے گناہوں سے توبہ کرے تو یہ قبول نہیں ہوتی اس لئے کہ توبہ عن المعاصی کیلئے ایمان شرط ہے جو کافر میں مفقود ہے پس آیتِ اولیٰ توبہ عن الکفر پر محمول ہے اور آیت نمبر ۲ و ۳ توبہ عن المعاصی پر محمول ہیں فلا تعارض بینہما (مفہوم من بیان القرآن ج۱)

حق تعالیٰ سے کتنا ڈرنا چاہیئے؟

پارہ نمبر ۴ و ۲۸

آیات (۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ پارہ ۴ رکوع ۲ سورۂ آل عمران جلالین صہ ۵۷ ◉ (۲) فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا الآیۃ پارہ ۲۸ رکوع ۱۶ سورۂ التغابن جلالین صہ ۴۶۳ ،

تشریحِ تعارض آیتِ اولیٰ میں حکم دیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے یعنی اس کی شایانِ شان اس کی عظمت و جلالت کے لائق تقویٰ اختیار کرو اور دوسری

آیت میں فرمایا کہ تم حق تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنی تم میں طاقت ہے پس دونوں میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے پانچ جواب ہیں،

۱ آیتِ اولیٰ آیتِ ثانیہ سے منسوخ ہے حق تعالیٰ نے اولاً تو اپنی شایانِ شان ڈرنے کا حکم دیا مگر چونکہ یہ بات لوگوں پر شاق گذری اس لئے کہ حق تعالیٰ کی شانِ عظمت وجلالت کے لائق ڈرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ بندہ ہر لمحہ اللہ کی اطاعت میں لگا رہے ایک پلک جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہ کرے ہر وقت اللہ کا شکر کرتا رہے کبھی ناشکری نہ کرے ہر وقت اللہ کا ذکر کرتا رہے کبھی غافل نہ ہو اللہ کے معاملہ میں لومۃ لائم کا بالکل اندیشہ نہ کرے اور ہر چیز میں انصاف کرے خواہ وہ اپنے یا اپنے باپ اور بیٹے کے خلاف کیوں نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اتنا تقویٰ اختیار کرنا بندہ کی طرف سے ناممکن ہے اس کے باوجود صحابہ کرامؓ حق تقویٰ ادا کرنے کی کوشش کرتے اور پوری پوری رات عبادت میں گذارتے یہاں تک کہ ان کے پاؤں پر ورم آنے لگا جب لوگوں پر یہ امر شاق گذرا تو حق تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور آیتِ ثانیہ فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ نازل فرما کر حکمِ اول کو منسوخ کردیا اور فرمایا کہ جتنی تم میں طاقت ہے اتنا تقویٰ اختیار کرو، سعید بن جبیر کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے،

عن سعید بن جبیر قال لما نزلت اشتد علی القوم العمل فقاموا حتی ورمت عراقیبھم وتقرحت جباھھم فانزل اللہ تعالیٰ تخفیفا علی المسلمین فاتقوا اللہ ما استطعتم فنسخت الآیۃ الاولیٰ

رواہ ابن ابی حاتم (روح المعانی)

حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں پر عمل کرنا بھاری ہوگیا لوگ اللہ کی عبادت میں کھڑے رہتے یہاں تک کہ ان کی رگوں پر ورم آنے لگا ان کی پیشانیوں پر زخم ہوگئے تو اللہ نے مسلمانوں پر تخفیف فرماتے ہوئے آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم نازل فرمائی پس پہلی آیت منسوخ ہوگئی،

بہت سے حضرات نے اس آیت کے متعلق نسخ ہی کا دعویٰ کیا ہے حضرتِ مقاتل کہتے ہیں کہ اس سورت میں اس آیت کے علاوہ کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے نسخ کا دعویٰ کیا جائے حضرتِ عبداللہ بن مسعودؓ بھی نسخ کے قائل ہیں، حضرت انسؓ، قتادہ، ابن زید اور علامہ سدی سے بھی یہی مروی ہے

یہی حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے ولا تعارض بعد النسخ (روح المعانی، خازن، مظہری)

(۲) حَقَّ تُقَاتِہٖ میں "حَقَّ" حَقَّ الشَّیْءُ بمعنی ثَبَتَ وَوَجَبَ سے ماخوذ ہے اور حق کی اضافت تقاتہ کی طرف اضافۃ الصفۃ الی الموصوف کے قبیل سے ہے اصل اس کی یہ ہے اتقوا اللہ اتقاءً حقاً ای ثابتاً واجباً یعنی اللہ سے اتنا ڈرو جتنا ڈرنا اللہ کی طرف سے تم پر واجب ہے اور ڈرنا کتنا واجب ہے اس کو حق تعالیٰ نے دوسری آیت میں بیان کر دیا فاتقوا اللہ ما استطعتم کہ تم پر حسب استطاعت تقویٰ واجب ہے پس بقدرِ طاقت تم اللہ سے ڈرتے رہو آیتِ ثانیہ آیتِ اولیٰ کا بیان ہے، پس کوئی تعارض نہیں ہے، (روح المعانی)

(۳) فاتقوا اللہ حق تقاتہ کفر و شرک اور امورِ اعتقادیہ سے متعلق ہے اور فاتقوا اللہ ما استطعتم کا تعلق اعمال سے ہے مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک اور امور اعتقادیہ میں تو حق تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنا حق ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کو واحد مانو کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بناؤ اس کو ذات و صفات میں تمام عیوب و نقائص سے منزہ اور مقدس مانو۔ اور اعمال میں حسب استطاعت تقویٰ اختیار کرو اگر وضو کی طاقت نہ ہو تو تیمم کر لیا کرو اگر قیام پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لیا کرو اس توجیہ کو علامہ زرکشی نے البرہان میں شیخ ابوالحسن شاذلی سے نقل کیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے الفوز الکبیر میں اسی کو اختیار کیا ہے (الروض النضیر شرح الفوز الکبیر)

(۴) اتقوا اللہ حق تقاتہ کا مطلب یہ ہے کہ تمام معاصی سے اجتناب کرو اب یہ آیت نہ تو دوسری آیت سے منسوخ ہوگی کیونکہ جمیعِ معاصی سے اجتناب کے حکم کو منسوخ کرنے کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ بعض معاصی کے کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے حالانکہ یہ باطل ہے اور نہ ہی یہ آیت دوسری آیت کے معارض ہوگی اس لئے کہ تمام معاصی سے بچنا انسان کی طاقت سے باہر نہیں پس جو آدمی صلاح و عفت کے ساتھ زندگی گذارے معاصی سے اجتناب کرتا ہے اس نے اتقوا اللہ حق تقاتہ اور فاتقوا اللہ ما استطعتم دونوں آیتوں پر عمل کر لیا اور دونوں آیتوں کا مفہوم اس صورت میں متحد ہو گیا فلا تعارض بینہما، (تفسیر کبیر)

(۵) ابن عطاء فرماتے ہیں کہ پہلی آیت مقربین کے حق میں ہے اور دوسری آیت ابرار کے حق میں ہے حضراتِ مقربین کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ وجودِ مجازی سے نکل کر وجودِ حقیقی کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں، حق تعالیٰ کے علاوہ ان کو کسی شئے کا وجود نظر نہیں آتا اور وہ لوگ لاموجود الا اللہ کا نعرہ لگاتے ہیں یہی حق تقویٰ ہے جو مقربین حضرات ادا کرتے ہیں پس آیتِ اولیٰ میں مقربین کو خطاب ہے کہ تم لوگ حق تقویٰ ادا کرو اور آیتِ ثانیہ میں ابرارِ عوام الناس کو خطاب ہے کہ تم لوگ بقدرِ وسعت وطاقت اللہ سے ڈرو حق تقویٰ تم سے ادا نہیں ہوسکتا فاندفع التعارض بینھما (الروض النفیر مع زیادۃ)

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی امداد کیلئے کتنے فرشتے بھیجے گئے؟

پارہ ۴ و ۹

آیات (۱) اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُنْزَلِیْنَ پارہ ۴ رکوع ۴ سورۂ آل عمران جلالین ص ۵۹ و ۶۰ (۲) یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیْنَ پارہ ۴ رکوع ۴ سورۂ آل عمران جلالین ص ۶۰ (۳) فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ پارہ ۹ رکوع ۱۵ سورۃ الانفال جلالین ص ۱۴۸

تشریح تعارض غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کم اور مشرکین کی تعداد زیادہ تھی، حق تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرمائی تھی لیکن فرشتوں کی تعداد کے متعلق آیات مختلف ہیں پہلی آیت میں ہے کہ تین ہزار فرشتوں کو بھیجکر مدد فرمائی دوسری آیت میں ہے کہ پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد فرمائی اور تیسری آیت میں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ہے پس ظاہراً ان میں تعارض ہے

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو ایک ہزار فرشتوں کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا پھر رفتہ رفتہ فرشتوں کی تعداد میں اضافہ فرما دیا حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ مشرکین ایک ہزار کی تعداد میں ہیں اور صحابہ صرف تین سو ہیں

تو آپ نے قبلہ رو ہو کر دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی اے اللہ آپ نے جو مجھ سے نصرت کا وعدہ کر رکھا ہے وہ پورا فرما دیجئے اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر کوئی تیری عبادت کرنیوالا نہیں رہے گا نہایت الحاح وزاری کے ساتھ آپ یہ دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر آپ کے شانۂ مبارک سے نیچے گر گئی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اٹھا کر آپ کے شانۂ مبارک پر ڈالی اور پیچھے کی طرف سے آکر آپ سے چمٹ گئے اور عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ کا حق تعالیٰ سے دعا کرلینا کافی ہے (آپ زیادہ فکر نہ کریں) اب حق تعالیٰ وعدہ ضرور پورا فرمائیں گے چنانچہ دعا قبول ہوئی اور ایک ہزار فرشتے بھیجنے کا وعدہ فرمایا کہ یکے بعد دیگرے ایک ہزار فرشتے آئیں گے اسی کو سورۂ انفال کی آیت میں فرمایا گیا فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام پانچسو فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور مسلمانوں کے لشکر کے دائیں حصہ میں جس میں حضرت ابوبکرؓ تھے شریک ہو کر قتال کیا اور پانچسو فرشتے حضرت میکائیل علیہ السلام لیکر نازل ہوئے انھوں نے لشکر کے بائیں حصہ میں جس میں حضرت علیؓ تھے شامل ہو کر قتال کیا اس کے بعد مسلمانوں کو خبر ملی کہ مشرکین کی امداد کیلئے اور لوگ آرہے ہیں چنانچہ ابن ابی شیبہ اور ابن منذر وغیرہ نے حضرت امام شعبیؒ سے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں کو غزوۂ بدر میں یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکین کی امداد کا ارادہ رکھتا ہے اس سے مسلمانوں کو بے چینی ہوئی حق تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ جس میں تین ہزار فرشتے امداد کیلئے بھیجنے کا وعدہ فرمایا اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر کفار نے ایکدم حملہ کر دیا اور تم لوگ صبر وتقویٰ پر ثابت قدم رہے تو حق تعالیٰ پانچ ہزار فرشتے خاص نشانی کے ساتھ بھیجکر امداد فرمادیں گے چنانچہ سفید عمامے باندھے ہوئے فرشتے نازل ہوئے اور مسلمانوں کا تعاون کیا اور حق تعالیٰ نے اس طرح مسلمانوں کو نصرت عطا فرمائی،

- خلاصہ یہ ہوا کہ اولاً ایک ہزار فرشتے نازل ہوئے پھر دو ہزار فرشتے اور آئے کل تین ہزار ہوگئے پھر دو ہزار اور بھیجے گئے کل پانچ ہزار ہوگئے حضرت حسنؓ سے یہی مروی ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ اولاً

ایک ہزار آئے پھر مزید تین ہزار آئے پھر ان کے علاوہ پانچ ہزار آئے کل تعداد نو ہزار ہوگئی اور اگر اِس اِمداد کو غزوۂ اُحد کے واقعہ پر محمول کیا جائے تو کُل تعداد آٹھ ہزار ہوتی ہے کیونکہ غزوۂ اُحد میں ایک ہزار والی پہلی اِمداد کا ذکر نہیں ہے، کما فی الخازن، اور روح المعانی میں جو تعداد کا مجموعہ آٹھ ہزار مذکور ہے وہ غزوۂ اُحد پر محمول کرنے کی صورت میں ہے بہر حال اِس تفصیل کے بعد ان آیات میں کوئی تعارض نہیں رہا (روح المعانی، خازن، صاوی، تفسیر ابو السعود، بیان القرآن، جمل وغیرہ)

تمام گناہوں کی مغفرت ہوگی یا بعض کی؟

پارہ ۴ و ۵ و ۶ و ۲۰ و ۲۴ و ۲۶ و ۳۰

آیات (١) وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ پارہ ۴ رکوع ۴ سورۂ آل عمران جلالین ص ۶۰ (٢) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ پارہ ۵ رکوع ۱۵ سورۂ النساء جلالین ص ۸۷ (٣) یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ پارہ ۶ رکوع ۷ سورۂ المائدہ جلالین ص ۹۷ (٤) یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پارہ ۶ رکوع ۱ سورۂ المائدۃ جلالین ص ۱۰۱ (٥) یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ وَاِلَیْہِ تُقْلَبُوْنَ پارہ ۲۰ رکوع ۱۴ سورۂ عنکبوت جلالین ص ۳۳۶ (٦) وَلِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ پارہ ۲۶ رکوع ۱ سورۂ الفتح جلالین ص ۴۲۴ (٧) قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ پارہ ۲۴ رکوع ۳ سورۂ الزمر جلالین ص ۳۸۹

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ تا ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شرک کے علاوہ جن گناہوں کو چاہیں گے معاف فرمادیں گے جن پر چاہیں گے عذاب دیں گے مطلب یہ ہے کہ تمام گناہوں کی مغفرت ضروری نہیں بلکہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ عذاب دینا چاہیں گے تو عذاب بھی دیدیں گے اور

آیت نمبر ۷ میں ارشاد ہے کہ اے حد سے تجاوز کرنیوالو میرے گنہگار بندو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ تمام گناہوں کی مغفرت فرمادیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام گناہوں کی مغفرت یقینی ہے کسی گناہ پر عذاب نہیں ہوگا پس یہ آیت پہلی چھ آیتوں کے بظاہر معارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) پہلی چھ آیات قبل التوبہ پر محمول ہیں اور ساتویں آیت بعد التوبہ پر محمول ہے مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر گناہوں سے توبہ کئے بغیر مرگیا اگر وہ مشرک ہے تو اس کی تو مغفرت نہیں ہوگی اور اگر مؤمن عاصی ہے تو اس کے گناہوں کا مسئلہ حق تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اگر چاہیں گے تو معاف فرمادیں گے چاہیں گے تو عذاب دیدیں گے اور اگر کافر اپنے کفر و شرک سے توبہ کرلیتا ہے اور مشرف باسلام ہوجاتا ہے تو حالت کفر میں کئے ہوئے تمام معاصی معاف ہوجاتے ہیں اِنَّ الاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَاکَانَ قَبْلَهٗ اور اگر مؤمن عاصی ہے اور وہ اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرلیتا ہے اور اس کی توبہ شرائط صحت پر پوری اترتی ہے تو حق تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں کسی گناہ پر عذاب نہیں دیں گے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، (جمل)

(۲) آیت نمبر ۷ میں ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا مُقیّد ہے لِمَنْ یَّشَاءُ کی قید کے ساتھ، قرینہ اس کا یہ ہے کہ حضرت عبداللہ کی قرأت میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے پس اس آیت میں بھی پہلی چھ آیات کی طرح مغفرت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے (روح المعانی)

جنت پیدا شدہ ہے یا قیامت کے بعد پیدا کیجائیگی؟

پارہ نمبر ۴ وع ۲ وع ۲۷

(آل عمران ۱۳۳)

آیات (۱) وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ پارہ ۴ رکوع ۵ سورہ آل عمران جلالین ص۶۰ (۲) سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا.

(۴۳) تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا پارہ ۲۰ رکوع ۱۲ سورۂ القصص جلالین ص ۳۳۴
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ پارہ ۲۷ رکوع ۱۹ سورۂ الحدید جلالین ص ۴۵۱

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ و ۲ میں جنت کے متعلق اُعِدَّتْ صیغۂ ماضی استعمال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت پیدا کی جاچکی ہے جیساکہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے اور آیت نمبر ۳ میں جنت کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ آخرت کا گھر ہم اس کو ان لوگوں کیلئے بنائیں گے جو زمین میں تکبر اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اس میں نَجْعَلُهَا مضارع کا صیغہ ہے جو اس بات پر دال ہے کہ جنت ابھی پیدا نہیں کی گئی ہے بلکہ قیامت کے بعد پیدا کی جائے گی جیساکہ معتزلہ کا مسلک ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) صیغۂ مضارع فقط استقبال ہی کیلئے نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ حقیقۃً تو حال کیلئے ہے اور مجازاً استمرار کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جس میں ماضی حال و استقبال تینوں داخل ہیں جیسے یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ میں یُسَبِّحُ صیغۂ مضارع استمرار کے لئے مستعمل ہے ایسے ہی نجعلها میں صیغۂ مضارع استمرار کیلئے ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جنت پیدا کی جاچکی ہے اور اب بھی موجود ہے آئندہ بھی موجود رہے گی پس یہ آیت اُعِدَّتْ والی آیتوں کے معارض نہیں ہے، (النبراس)

(۲) نجعلها میں جعل خلق کے معنی میں مستعمل نہیں ہے جو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے بلکہ یہ تملیک کے معنی میں ہے جو متعدی بدو مفعول ہوتا ہے مفعولِ اول ھا ضمیر ہے اور مفعول ثانی لِلَّذِيْنَ الخ ہے معنی یہ ہونگے کہ ہم مالک بنادیں گے جنت کا ان لوگوں کو جو زمین میں تکبر و فساد نہیں کرتے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جنت اُسی وقت پیدا کی جائے گی بلکہ جنت تو پہلے ہی پیدا کی جاچکی ہے البتہ اب تک اہل جنت کو جنت کا مالک نہیں بنایا گیا ہے قیامت کے بعد مالک بنایا جائے گا پس مضارع استقبال کے معنی میں ہونیکے باوجود یہ آیت پہلی دونوں آیتوں کے معارض نہیں رہی، (النبراس)

مؤمنین کیلئے آخرت میں رسوائی ہوگی یا نہیں؟

پارہ ۴ و ۲۸

آیات ① رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ پارہ ۴ رکوع ۱۱ سورۂ آل عمران جلالین ص ۶۷ ● ② يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ الآیۃ پارہ ۲۸ رکوع ۲ سورۃ التحریم جلالین ص ۴۶۶

تشریح تعارض آیت اولیٰ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ جس کو بھی جہنم میں داخل فرمائیں گے اس کو رسوا اور ذلیل فرمائیں گے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جن گنہگار مؤمنین کو حق تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق جہنم میں داخل کریں گے وہ بھی رسوا اور ذلیل ہوں گے اور دوسری آیت میں ہے کہ اللہ نبی کو اور مؤمنین کو رسوا نہیں فرمائیں گے پس دونوں میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے چار جواب ہیں۔

① آیت اولیٰ میں ادخال فی النار سے مراد ہمیشہ کیلئے داخل کرنا ہے یعنی حق تعالیٰ جسکو ہمیشہ کیلئے جہنم میں داخل کریں گے اس کو رسوا فرمائیں گے اور ہمیشہ کیلئے داخل ہونیوالے کفار ہیں پس یہ آیت کفار کے متعلق ہے کہ یہ لوگ جہنم میں رسوا و ذلیل ہوں گے اور دوسری آیت مؤمنین کیلئے ہے کہ انکو رسوائی و ذلت نہیں ہوگی حضرت انس، سعید بن المسیب، قتادہ اور ابن جریج سے یہی منقول ہے اور اختلاف اشخاص کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا، (صاوی، روح المعانی)

② اختلاف اشخاص ہی پر محمول ہے بایں طور کہ آیت ثانیہ میں 'اٰمَنُوْا مَعَهٗ' سے مراد صحابہ ہیں کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے ان کو آپ کی معیت اور صحبت نصیب ہوئی ان کو رسوا نہیں فرمائیں گے اور آیت اولیٰ میں کفار اور عصاۃ مؤمنین مراد ہیں لہٰذا کوئی تعارض نہیں، (روح المعانی)

③ آیت ثانیہ میں دائمی رسوائی کی نفی مقصود ہے کہ حق تعالیٰ مؤمنین کو ہمیشہ کیلئے رسوا نہیں کریں گے اگر بعض عصاۃ مؤمنین کو جہنم میں داخل کر کے رسوائی ملے گی تو وہ ہمیشہ کیلئے نہیں ہوگی، بلکہ ایک عرصہ تک عذاب ہونے کے بعد جہنم سے نکالکر جنت میں بھیجدیا جائے گا اور رسوائی سے

نجات مل جائے گی پس آیتِ اولیٰ میں اثبات مؤمنین کے حق میں خزیِ غیر دائمی کا ہے اور آیتِ ثانیہ میں نفی خزیِ دائمی کی ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں، (روح المعانی)

۴ لفظ اِخزار مشترک ہے دو معنی کے درمیان ایک تخجیل (شرمندہ کرنا) دوسرے اِہلاک (ہلاک کردینا)۔ آیتِ اولیٰ میں اثبات اِخزار بمعنی تخجیل کا ہے اور آیتِ ثانیہ میں نفی اِخزار بمعنی اِہلاک کی ہے مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ عُصاۃِ مؤمنین کو شرمندہ تو فرمائیں گے مگر ہلاک نہیں کریں گے جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں فلا تعارض بینہما (روح المعانی)

انسان اپنی ازواجِ متعددہ کے مابین عدل و مساوات کرسکتا ہے یا نہیں؟

پارہ ع ۴ و ع ۵

آیات (۱) فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً پارہ ع ۴ رکوع ع ۱۲ سورۃ النساء جلالین ص ۶۹ ◉ (۲) وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ الآیۃ، پارہ ع ۵ رکوع ع ۱۶ سورۃ النساء جلالین ص ۸۸،

تشریحِ تعارض اللہ جل شانہٗ نے مرد کو ایک سے لیکر چار عورتوں تک سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے اس کے ساتھ ساتھ بیویوں کے مابین عدل و مساوات قائم کرنا واجب قرار دیا اور یہ بھی فرمایا فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً یعنی (اگر تمہیں یقین ہے کہ متعدد بیویوں کے مابین عدل و مساوات قائم کرسکو گے تو متعدد عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے) اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ ان کے مابین عدل و انصاف نہیں ہوسکے گا تو صرف ایک عورت سے شادی کرو متعدد عورتوں سے نکاح کی اجازت نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اگر چاہے تو متعدد بیویوں کے مابین عدل و انصاف کرسکتا ہے پس اگر عدل کرسکے تو متعدد شادیاں کرے ورنہ ایک کی اجازت ہے متعدد کی نہیں، اور آیتِ ثانیہ میں قطعی طور پر فرمادیا گیا کہ تم متعدد عورتوں کے درمیان ہرگز عدل و مساوات نہیں کرسکتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ متعدد شادیاں کرنے کی مطلق اجازت نہیں ہے فقط ایک سے شادی کرے پس ان دونوں

آیتوں میں بظاہر تعارض ہورہا ہے ،

دفعِ تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ آیتِ اولیٰ میں اُن اُمور میں مُساوات مراد ہے جو انسان کے اختیار میں ہیں جیسے نان ونفقہ میں مُساوات کرنا ، رات گذارنے میں برابری کرنا وغیرہ کہ اِن امور میں عدل و مُساوات بین النساء واجب ہے اگر ان چیزوں میں مُساوات کرنے کا یقین ہے تو متعدّد شادیاں کرسکتا ہے اور اگر عدمِ مُساوات کا اندیشہ ہے تو تعدد کی اجازت نہیں فقط ایک شادی کرے اور آیتِ ثانیہ میں جو مُساوات پر قدرت کی نفی کی گئی ہے یہ اُمورِ غیر اختیاریہ کے بارے میں ہے جیسے محبّت اور قلبی مَیلان اور جماع کرنا چنانچہ امام بیہقی نے حضرت عبیدہ سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد لَنْ تستطیعوا ذلك فی الحُبّ والجماع ہے ابن منذر نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت جماع کے بارے میں ہے ، ابن ابی شیبہؒ نے حضرت حسن سے اور ابن جریر نے مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ محبت سے متعلق ہے ، ابن ابی شیبہ اور ابن جریر نے ابوملیکہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرتِ عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نسبت دیگر ازواجِ مطہرات کے حضرت عائشہؓ سے زیادہ محبت رکھتے تھے حضرت عائشہؓ سے روایت ہے

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقسم بین نسائہ فیعدل ثم یقول اللّٰھم ھذا قسمی فیما املك فلا تلمنی فیما تملك ولا املك یعنی القلب (ای عنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما تملك المحبۃ ومیل القلب الغیر الاختیاری) رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وغیرہم ، روح المعانی صـــ ۱۶۳/۵

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عورتوں کے درمیان تقسیم کرتے تو عدل فرماتے تھے پھر ارشاد فرماتے کہ اے اللہ یہ میری تقسیم ہے اس چیز میں جس کا میں مالک ہوں پس جس چیز کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں یعنی قلبی محبت سو اس میں (اگر مجھ سے کچھ کمی بیشی ہوجائے) تو مجھے ملامت نہ فرمانا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماتملک سے محبت اور قلب کا غیر اختیاری میلان مراد لیا ہے

بہرحال محبّت ، جماع اور قلبی میلان میں مُساوات کرنا انسان کے اختیار کی بات نہیں اس میں انسان

مجبور ومعذور ہوتا ہے اس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا وَلَنْ تَسْتَطِيعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ کہ تم غیر اختیاری اُمور میں مُساوات نہیں کر سکتے یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے پس متعدد بیویوں میں سے اگر قلبی میلان کسی ایک کی طرف ہو جائے تو کوئی مؤاخذہ نہیں ہے البتہ اس کا ضرور خیال رکھو کہ دوسری عورت کو بالکل نظر انداز نہ کر دو فَلَا تَمِيلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ایک ہی کی طرف بالکل مائل نہ ہو جاؤ کہ بیچاری دوسری کو معلق کر کے چھوڑ دو وہ نہ اِدھر کی رہے نہ اُدھر کی، کہ شوہر نہ تو اس کو طلاق ہی دیتا ہے کہ جس سے وہ دوسری جگہ شادی کرے اور نہ اس کی خبر گیری اور خیال رکھتا ہے، بلکہ تم کو چاہیے کہ قلبی محبت ومیلان ایک طرف ہونیکے باوجود نان ونفقہ وشب باشی میں سب کا برابر خیال رکھو پس ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے (روح المعانی ومعارف القرآن)

رازق صرف اللہ ہیں یا بندے بھی رازق ہیں؟

پارہ ۴ و ۷ و ۱۷ و ۲۲ و ۲۷

آیات (۱) وَارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا پارہ ۴ رکوع ۱۲ سورۂ النساء جلالین ص ۶۹ (۲) وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا پارہ ۴ رکوع ۱۲ سورۂ النساء جلالین ص ۷۰ (۳) وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ پارہ ۷ رکوع ۵ سورۂ المائدۃ جلالین ص ۱۱۰، (۴) وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ پارہ ۱۷ رکوع ۱۵ سورۂ الحج جلالین ص ۲۸۴ (۵) وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ پارہ ۲۲ رکوع ۱۱ سورۂ سبا ع جلالین ص ۳۶۲ ◉ (۶) وَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ پارہ ۲۷ رکوع ۲ سورۂ الذّٰرِیٰت جلالین ص ۴۳۴،

تشریح تعارض پہلی دو آیتوں میں "ارزقوہم" کہکر رزق عطا کرنے کی نسبت بندوں

کیطرف کیگئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے بھی رزق عطا کرتے ہیں اسی طرح آیت نمبر ۳ و ۴
و ۵ میں حق تعالیٰ کی صفت خیر الرازقین بیان کی گئی ہے کہ حق تعالیٰ رزق دینے والوں میں سے
بہتر رزق عطا کرنیوالے ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ بندے بھی رازق ہیں،
خلاصہ یہ ہوا کہ ان پانچوں آیتوں میں صفت رازقیت کو حق تعالیٰ اور بندوں کے درمیان عام کردیا
گیا ہے اور آیت نمبر ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ رازقیت حق تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے کیونکہ اِنَّ
کے اسم و خبر کے درمیان هُوَ ضمیر لائی گئی ہے جو حصر و اختصاص پر دال ہوتی ہے پس ان آیات میں بظاہر
تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) رازقیت کا عموم بین اللہ والعباد ایصال کے اعتبار سے ہے اور اختصاص للہ خلق کے اعتبار
سے ہے یعنی رزق پیدا کرنے والے تو صرف حق تعالیٰ ہیں بندے نہیں اور رزق پہنچانیوالے اللہ
بھی ہیں اور بندے بھی، بندہ بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی اور عطا کی ہوئی رزق میں سے دوسروں تک رزق
پہنچاتا ہے کہا جاتا ہے کہ فلان یرزق عائلتہ فلاں شخص اپنے بال بچوں کو رزق دیتا ہے یعنی ان کیلئے
رزق کماتا ہے اور ان کو پہنچاتا ہے ان کو کھلاتا پلاتا ہے، بہرحال جہت خلق و ایصال کا فرق ہونے
کے بعد تعارض نہیں رہا (صاوی، جمل وغیرہ)

(۲) عموم رازقیت کا ہے اور اختصاص رزاقیت کا ہے یعنی رازق تو حق تعالیٰ بھی ہیں اور بندے
بھی، البتہ رزاق صرف حق تعالیٰ ہیں رزاق مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی تمام مخلوق کو رزق عطا کرنیوالا
اور بہت زیادہ رزق دینے والا اور ظاہر ہے کہ یہ صفت حق تعالیٰ کیساتھ ہی مخصوص ہے (صاوی)

زناکاری کی سزا کیا ہے؟

پارہ ۴ ع ۱۸

آیات (۱) وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْکُمْ

فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا پارہ ع۴ رکوع ع۱۴ سورۂ النسآء جلالین ص۷۲ ◉ (۲) وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا پارہ ع۴ رکوع ع۱۴ سورۂ النسآء جلالین ص۷۲ ◉

(۳) الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ پارہ ع۱۸ رکوع ع۷ سورۂ النور جلالین ص۲۹۴

تشریح تعارض پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زانیہ عورت کا زنا جب چار گواہوں سے ثابت ہو جائے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو گھر میں روک لیا جائے باہر نکلنے نہ دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے یا اس کیلئے اللہ کوئی اور راستہ نکالدے اور آیت نمبر ع۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا کرنے والے مرد و عورت کی سزا یہ ہے کہ ان کو تکلیف پہنچائی جائے (یعنی ان کو شرمندہ کیا جائے اور پٹائی کی جائے) اگر وہ توبہ کریں اور اپنا عمل درست کریں تو ان کو چھوڑ دیا جائے کوئی سزا نہ دی جائے اور آیت نمبر ع۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ زانی اور زانیہ (اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان) کے سو سو کوڑے مارے جائیں پس ان تینوں آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

(۱) دوسری آیت پہلی آیت سے منسوخ ہے پھر پہلی آیت تیسری آیت سے منسوخ ہو چکی چنانچہ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے زنا کی سزا ایذاء رسانی نازل ہوئی کہ جو مرد و عورت زنا کریں انکو تکلیف پہنچاؤ ایذار کی تفسیر حضرت ابن عباس رضؓ سے تعییر اور ضرب بالنعال کیساتھ منقول ہے کہ ان کو شرمندہ کرو (مثلاً یوں کہو کہ تمہیں زنا کرتے ہوئے شرم نہیں آئی خدا کا خوف نہیں آیا؟ تم نے بہت بری حرکت کی ہے وغیرہ وغیرہ) اور جوتوں سے پٹائی کرو حضرت قتادہ مجاہد اور سُدّی نے ایذار کی تفسیر فقط تعییر اور توبیخ کے ساتھ کی ہے کہ ان کو شرم دلاؤ اور ڈانٹو اس کے بعد یہ آیت منسوخ ہوگئی اور آیت اولیٰ واللتی یاتین الفاحشۃ الخ نازل ہوئی جس میں زنا کی سزا امساک فی البیوت بیان فرمائی کہ جو عورت زنا کرے اس کو گھر میں قید کر دو باہر نہ نکلنے دو یہاں تک کہ

اس کو موت آجائے یا اللہ کوئی دوسرا حکم نازل فرمادیں، اس لئے عورت عام طور پر زنا میں مبتلا جو ہوتی ہے وہ باہر نکلنے اور مردوں کے سامنے آنے کی وجہ سے ہوتی ہے جب وہ گھر میں محبوس رہے گی تو زنا کاری سے بچی رہے گی پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور دوسرا حکم نازل ہوگیا چنانچہ سورۂ نور کی آیت اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ نازل ہوئی کہ زانی اور زانیہ کے (جب کہ وہ غیر شادی شدہ ہوں) سو سو کوڑے لگاؤ ولا تعارض بعد النسخ (مدارک، مظہری وغیرہ)

(۲) ابومسلم اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت سحاقات کے بارے میں ہے سحاقات وہ عورتیں کہلاتی ہیں جو آپس میں ایک عورت دوسری عورت سے استمتاع کرکے اپنی شہوت پوری کرلیتی ہیں ان عورتوں کی سزا یہ بیان فرمائی کہ ان کو گھروں میں روک لو، مراد یہ ہے کہ ایسی عورتوں کا آپس میں اختلاط نہ ہونے دو ان کے درمیان تفریق اور جدائی کرکے ان کو اپنے اپنے گھروں میں محبوس کردو ایک کو دوسری کے پاس جانے نہ دو اور آیت نمبر ۲ لواطت کرنے والے مردوں کے بارے میں ہے ان کی سزا یہ بیان کی کہ ان کو ایذا رسانی کرو ان کم بختوں کو شرم دلاؤ اور ان کی پٹائی کرو اور تیسری آیت زنا کرنے والوں کے بارے میں ہے کہ ان کی سزا سو کوڑے لگانا ہے (اور اگر شادی شدہ ہوں تو رجم کرنا ہے جیساکہ آیتِ منسوختہ التلاوۃ الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ سے نیز حدیث سے ثابت ہے) اور جب تینوں آیتوں کا مصداق جدا جدا ہے تو کوئی تعارض نہیں رہا (تفسیر کبیر، روح المعانی)

(۳) ابوسلیمان خطابیؒ معالم السنن میں فرماتے ہیں کہ آیتِ اولیٰ منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کا گھروں میں مقید کرنا اس وقت تک ممتد ہے جب تک کہ اللہ ان کے بارے میں کوئی اور راستہ نکالدے، مطلب یہ ہے کہ ابھی تو ان عورتوں کو گھروں میں روکے رکھو ہم ان کے بارے میں عنقریب کوئی سبیل نکالیں گے اب وہ سبیل کیا ہے اس کو مجمل رکھا گیا پھر حق تعالیٰ نے آیتِ نور "الزانیہ والزانی الخ" نازل فرماکر اس سبیل کو بیان کردیا اور

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خُذُوا عَنِّیْ خُذُوا عَنِّیْ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیْلًا (رواہ مسلم)، پس آیتِ نور اور یہ حدیث آیتِ اولیٰ کے اجمال کا بیان ہے نہ کہ ناسخ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی الفوز الکبیر میں اسی کو اختیار کیا ہے، اور اجمال کے بعد بیان کر دینے کو تعارض نہیں کہا جاتا، مگر اس پر سوال یہ ہے کہ پہلی آیت میں اِمساک فی البیوت اور دوسری آیت میں اِیذاء کا حکم ہے ان میں تطبیق کیسے ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ اِمساک فی البیوت ثیبہ کے بارے میں ہے اور اِیذاء باکرہ کے حق میں ہے، (مظہری، روح المعانی، خازن، الفوز الکبیر)

وراثت اقربا کیلئے ہے یا مولی الموالاۃ کیلئے؟

پارہ ۵ و ۱۰ و ۲۱

آیات (۱) وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدًا پارہ ۵ رکوع ۲ سورۂ النساء جلالین ص۷۵ (۲) وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ پارہ ۱۰ رکوع ۶ سورۂ الانفال جلالین ص۱۵۴ (۳) وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُھَاجِرِیْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓی اَوْلِیَآئِکُمْ مَّعْرُوْفًا پارہ ۲۱ رکوع ۱۷ سورۂ الاحزاب جلالین ص۳۵۱

تشریحِ تعارض آیت نمبر ۱ میں ارشاد ہے کہ جن لوگوں سے تمہارے معاہدے ہو چکے ہیں ان کو میراث کا حصہ دو یعنی اجنبی لوگ جو ایک دوسرے کے رشتہ دار نہوں اگر آپس میں یہ معاہدہ کریں کہ ہم ایک دوسرے کے مددگار رہیں گے اگر ہم میں سے کسی پر کوئی دیت واجب ہوگی تو دوسرا اسکو ادا کر دے گا اگر ہم میں سے کوئی مر گیا تو دوسرا اس کے مال کا وارث ہو جائے گا ایسے معاہدہ کرنے والے شخص کو مولی الموالاۃ کہا جاتا ہے، ایسی صورت میں شرعی حکم آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مابین وراثت جاری ہوگی ان کو میراث کا حصہ دیا جائے گا اور اخیر کی دونوں آیتوں

سے معلوم ہوتا ہے کہ وراثت رشتہ داروں میں جاری ہوتی ہے آدمی کے مرنے کے بعد اس کے مال کی میراث اس کے اقربا میں تقسیم کی جائیگی جس کی تفصیل آیات میراث میں موجود ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں

(۱) آیت نمبر ۱ اخیر کی دونوں آیتوں سے منسوخ ہے زمانہ جاہلیت میں لوگ آپس میں اس طرح کا معاہدہ کریا کرتے تھے اور ان میں وراثت جاری ہوتی تھی ابتدا اسلام میں جب تک اکثر لوگوں کے رشتہ دار مسلمان نہیں ہوتے تھے یہی حکم رہا کہ مرنے والے کی ساری میراث اس کے معاہدہ کرنے والے حلیف کو دیدی جاتی تھی جب اکثر لوگ مسلمان ہوگئے تو کچھ ترمیم فرمادی کہ حلیف کو ساری میراث تو نہیں البتہ مال کا چھٹا حصہ دیدیا کرو اسی کو آیت نمبر ۱ میں بیان کیا گیا ہے پوری آیت اس طرح ہے وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ کہ ہم نے ہر شخص کیلئے اس کے والدین اور رشتہ داروں کے ترکہ میں وارثین مقرر کردئے ہیں اور جن لوگوں کے ساتھ تمہارے پہلے سے معاہدے ہوچکے ہیں اُن کو اُن کا حصہ یعنی سُدس مال دیدیا کرو نصیب سے مراد سُدس (چھٹا حصہ) ہے پھر دوسری اور تیسری آیت نازل فرماکر مولی الموالاۃ کے حصہ کو بالکل ہی منسوخ کردیا گیا (من بیان القرآن)

ابن جریر نے حضرت قتادہ سے اسی کے قریب قریب نقل کیا ہے،

عن قتادة قال كان الرجل يعاقد الرجل في الجاهلية فيقول دمي دمك وهدمي هدمك ترثني وارثك وتطلب بي واطلب بك فجعل له السدس من جميع المال في الاسلام ثم يقسم اهل الميراث ميراثهم فنسخ ذلك بعد في سورة الانفال بقوله سبحانه واولوا

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک شخص دوسرے شخص سے معاہدہ کرلیتا تھا کہ اگر کسی نے میرا خون کردیا تو سمجھو تمہارا خون کردیا اگر میری آبرو ریزی کی تو سمجھو تمہاری عزت پر دھبہ لگایا تم میرے وارث رہوگے میں تمہارا وارث بنوں گا تم میرے خون کا مطالبہ کرنا میں تمہارے خون کا مطالبہ کروں گا اسلام میں ایسے شخص کو میت کے جمیع مال

الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ اخرجہ ابن جریر وغیرہ (روح المعانی ص۲۲)

میں سے چھٹا حصہ دیا جاتا تھا پھر باقی مال میں سے اہلِ میراث کو ان کی میراث تقسیم کی جاتی تھی اس کے بعد سورۂ انفال کی آیت واولوالارحام بعضھم اولیٰ ببعض الآیۃ سے یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ منسوخ ہے اور اخیر کی دونوں آیتیں اس کے لئے ناسخ ہیں علامہ قرطبی کی رائے یہ ہے کہ ناسخ اس کیلئے آیت کا جزء اول "وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ" ہے رواہ الطبری کما فی الجمل، بہتر یہ ہے کہ تینوں ہی اس کیلئے ناسخ ہیں اس آیت کا جزء اول بھی اور اخیر کی دونوں آیتیں بھی جیسا کہ علامہ صاوی نے اختیار کیا ہے، بہرحال نسخ کے بعد تعارض نہیں رہتا پس آیت نمبر ۱ آیت ۲ و ۳ کے معارض نہیں ہے (روح المعانی، جمل، صاوی)

۲ جوابِ اول میں تو وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ میں عقد سے مراد عقدِ مُحالفہ اور مُوالاۃ ہے جس کا ذکر کیا گیا دوسرا جواب یہ ہے کہ عقد سے مراد عقدِ مُواخاۃ فی الدین ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءِ ہجرت میں مہاجرین و انصار کے درمیان قائم فرمادی تھی اور "نصیبہم" سے مراد حصۂ میراث نہیں بلکہ نصرت و امداد اور خیر خواہی ہے، دراصل مہاجرین نے اپنا وطن اپنے اعزاء و اقارب کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی لوگ تنہا تنہا مسلمان ہوئے تھے ان کے کنبے قبیلے کے لوگ کافر تھے جو مکہ میں تھے مدینہ میں حضراتِ مہاجرین کی کسی سے قرابت داری نہیں تھی تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصارِ مدینہ کے مابین مُواخاۃ قائم فرما دی تھی ان میں سے دو دو آدمیوں (ایک مہاجر اور ایک انصاری) کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا، اُخوتِ ایمانی کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے جب مہاجرین کے دوسرے رشتہ دار بھی مسلمان ہو کر مدینہ آگئے تو ایمان و ہجرت والی وراثت کو حق تعالیٰ نے منسوخ کر کے وراثت بالقرابۃ کا حکم نازل فرما دیا اور سورۂ نساء کی آیت وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ الخ نازل ہوئی کہ ہم نے ہر ایک کیلئے اس کے والدین اور اقرباء کے ترکہ میں وارثین مقرر کر دئے ہیں ان ہی کو میراث کا مال تقسیم کیا جائے مواخاۃ فی الدین کی وجہ سے کسی کو وراثت نہیں ملے گی، البتہ

ایمانی اور دینی بھائیوں کے لئے آگے فرمادیا وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ یعنی جن لوگوں کے ساتھ تمہارے بھائی چارگی کے تعلقات قائم ہوگئے ہیں ان کے ساتھ نصرت و امداد اور خیر خواہی کا معاملہ کرتے رہو ان کیلئے کوئی وصیت کرجاؤ یا اُن کی بطور تبرّع و احسان کے کے امداد کردو نصیبھم سے مراد حصۂ میراث نہیں بلکہ نُصرت و امداد اور خیر خواہی کرنا ہے، آیت اولیٰ کی یہ مذکورہ تفسیر بخاری شریف وغیرہ کی روایت میں موجود ہے،

عن ابن عباسؓ قال کان المھاجرون لما قدموا المدینة یرث المھاجر الانصاری دون ذوی رحمہ للاخوة التی آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بینھم فلما نزلت ولکل جعلنا موالی الخ نسخت ثم قال والذین عقدت ایمانکم فاٰتوھم نصیبھم من النصر والرفادة والنصیحة وقد ذھب المیراث ویوصی لہ،

اخرجہ البخاری وابوداؤد والنسائی وجماعۃ (روح المعانی ص۲۵)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مہاجرین جب مدینہ آئے تو مہاجرین اپنے قرابت داروں کے بجائے انصاری کا وارث ہوتا تھا اس اخوت کی وجہ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مابین قائم فرمادی تھی پس جب آیت وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ الخ نازل ہوئی تو یہ وراثت بالاخوة والدین منسوخ ہوگئی پھر حق تعالیٰ نے (موالی فی الدین یعنی دینی بھائیوں اور دوستوں کے بارے میں) فرمادیا والذین عقدت ایمانکم فاٰتوھم نصیبھم کہ جن لوگوں کے ساتھ تمہارے دینی تعلقات قائم ہوگئے ہیں ان کو ان کا حصہ دو یعنی ان کی نصرت و امداد اور خیر خواہی کرو ان کی میراث ختم ہوگئی البتہ ان کے لئے وصیت کی جاسکتی ہے،

حضرت مجاہدؒ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے اس تفسیر سے یہ بات سامنے آئی کہ آیتِ اولیٰ کا مضمون دو حکموں پر مشتمل ہے حکمِ اوّل یہ کہ وراثت اعزّا و اقارب میں جاری ہوگی یہ تو آیت کے جزءِ اول وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ میں مذکور ہے حکمِ دوّم یہ کہ موالی فی الدین کے ساتھ نُصرت و امداد اور خیر خواہی کا معاملہ کیا جائے یہ آیت کے جزءِ ثانی وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْھُمْ الخ میں بیان کیا گیا ہے یہی مضمون اخیر کی دونوں آیتوں کا ہے، آیتِ ثانیہ میں وَاُولُوا

الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ کہکر حکم اول کو بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ قرابت آپس میں وارثین بننے میں اجانب سے اَولیٰ واقدم ہیں اَجَانِبْ کو تو ضرورت کی وجہ سے ان میں مُواخاۃ فی الدین قائم کرکے وارث بنادیا گیا تھا جب ضرورت مرتفع ہوگئی تو وراثت بالاخوۃ الدینیہ کو منسوخ کرکے وراثت بالقرابۃ کو جاری کردیا گیا، اور آیتِ ثالثہ میں دونوں حکموں کی تصریح ہے وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ میں حکمِ اول اور اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا میں حکمِ ثانی کا بیان ہے کہ اپنے دینی دوستوں اور بھائیوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو جب تینوں آیتوں کا مضمون متحد و مساوی ہوگیا تو کوئی تعارض نہیں رہا

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت نمبر۱ میں جو مَولی الموالاۃ کو حصۂ میراث دینے کا حکم دیا گیا ہے یہ اس حالت پر محمول ہے جب کہ میّت کے اقارب اُولوالارحام اور عَصبات نہوں ایسی حالت میں میراث مَولی الموالاۃ (یعنی جس سے معاہدہ و محالفہ ہوگیا ہو جو جوابِ اول میں ذکر کیا گیا ہے) کو ملے گی اور آیت نمبر۲ و۳ اس حالت پر محمول ہیں جبکہ میّت کے اقارب موجود ہوں ایسی صورت میں اقارب مقدّم ہوں گے مولی الموالاۃ پر اس لئے کہ اخیر کی آیتوں میں مَولی الموالاۃ کو مطلقاً میراث دینے کی نفی نہیں ہے بلکہ اُولُوالارحام کو اَقدم واَولیٰ بتایا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اقارب اور مولی الموالاۃ دونوں ہوں تو اقارب کو مقدّم رکھا جائے گا مولی الموالاۃ کو وراثت نہیں ملے گی اور اگر اقارب موجود نہوں تو مولی الموالاۃ کو میراث دی جائے گی امام ابوحنیفہ رح کا مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہو اور دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث بننے اور ایک دوسرے کی دیت ادا کرنے کا معاہدہ کرلیں تو یہ درست ہے ایسی صورت میں اگر میّت کا اس حلیف کے علاوہ کوئی اور قرابتی وارث نہو تو وراثت اس حلیف کو ملے گی اس توجیہ پر نہ تو آیتِ اولیٰ منسوخ ہوئی اور نہ ان آیات میں کوئی تعارض رہا اس لئے کہ یہ علیحدہ علیحدہ حالتوں پر محمول ہیں (روح المعانی) وغیرہ)

مشرکین قیامت کے دن کوئی بات چھپائیں گے یا نہیں؟

پارہ نمبر ۵ و ۷

آیات (۱) وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا پارہ ۵ رکوع ۳ سورۃ النساء جلالین ص۷۷

(۲) ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ[۱] إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ پارہ ۷ رکوع ۹ سورۃ الانعام جلالین ص۱۱۳

تشریح تعارض آیت نمبر۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین قیامت کے دن اللہ کے سامنے کوئی بات نہیں چھپائیں گے ہر بات صحیح صحیح بتلا دیں گے اور آیت نمبر۲ میں ہے کہ جب حق تعالیٰ قیامت کے دن مشرکین سے فرمائیں گے أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم اللہ کے شرکاء ہونے کا گمان کرتے تھے تو مشرکین کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ہمارے خدائے پروردگار کی قسم ہم تو کسی کو بھی آپ کا شریک نہیں ٹھیراتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اللہ کے سامنے جھوٹی قسم کھا کر اپنا شرک چھپائیں گے پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے کیونکہ آیتِ اولیٰ میں کتمان کی نفی اور دوسری میں کتمان کا اثبات ہے،

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ اختلافِ اوقات پر محمول ہے ایک وقت تو وہ اپنا شرک چھپائیں گے لیکن دوسرے وقت میں چھپا نہیں پائیں گے بلکہ صحیح صحیح بیان کر دیں گے یعنی ابتداءً تو وہ جھوٹی قسم کھا کر اپنا شرک چھپائیں گے مگر جب حق تعالیٰ اُن کی زبانوں پر مُہر لگا کر ان کے اعضاء و جوارح سے گواہی دلوائیں گے تو اعضاء و جوارح ان کا کفر و شرک صحیح صحیح بیان کر دیں گے اس وقت یہ لوگ کوئی بات چھپا نہیں پائیں گے اعضاء جوارح کی گواہی کے وقت وہ کسی بات کو چھپانے اور انکار کرنے پر قادر ہی نہیں ہوں گے یہ توجیہ بخاری شریف کی روایت سے ثابت ہے

---

[۱] فتنتهم فتنہ سے مراد عذر یعنی جواب، اسکو فتنہ سے اسلئے تعبیر کردیا کہ ان کا یہ جواب کذب ہے والکذب فتنۃ ۱۲ جمل

عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ وَلَا یَکْتُمُوْنَ اللّٰہَ حَدِیْثًا وقولہ تعالیٰ وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ انہ قال ان المشرکین لما رأو یوم القیٰمۃ ان اللہ یغفر لاھل الاسلام ویغفر الذنوب ولا یغفر الشرك جحدوا رجاء ان یغفر لھم فقالوا واللہ ربنا ماکنا مشرکین فیختم اللہ علیٰ افواھھم وتکلمت ایدیھم وارجلھم بما کانوا یعملون فعند ذلك یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِہِمُ الْاَرْضُ وَلَا یَکْتُمُوْنَ اللّٰہَ حَدِیْثًا رواہ البخاری وغیرہ

(تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباسؓ سے اللہ کے قول ولا یکتمون اللہ حدیثا اور اللہ کے قول واللہ ربنا ماکنا مشرکین کے بارے میں روایت ہے فرمایا کہ مشرکین جب قیامت کے دن دیکھیں گے کہ حق تعالیٰ اہلِ اسلام کی مغفرت فرما رہے ہیں اور گناہوں کو بخش رہے ہیں مگر شرک کی مغفرت نہیں فرما رہے ہیں تو مشرکین اس اُمید پر کہ اُن کی مغفرت ہو جائے اپنے شرک کا انکار کر دیں گے اور کہدیں گے اللہ کی قسم ہمارے رب کی قسم ہم مشرک نہیں تھے پس حق تعالیٰ ان کی زبانوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں بولیں گے ان کا کفر و شرک اور ان کے اعمال صحیح صحیح بیان کر دیں گے پس اس وقت کفار اور رسول کے نافرمان تمنا کریں گے کہ کاش ہم کو زمین کی مٹی میں ملا کر زمین کو ہموار کر دیا جاتا اور اس وقت وہ لوگ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں پائیں گے ،

بخاری شریف کی ایک روایت ہے حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے قرآن کی چند آیات کے درمیان تعارض کے متعلق سوال کیا جن میں سے دو آیتیں یہی ہیں تو حضرت ابن عباسؓ نے وہی جواب دیا جو ابھی اوپر گذرا ، (تفسیر مظہری)

نعمت و مصیبت سب اللہ کی طرف سے ہے یا مصیبت بندہ کی جانب سے ہے

پارہ نمبر ۵

آیات (۱) وَاِنْ تُصِبْہُمْ حَسَنَۃٌ یَّقُوْلُوْا ھٰذِہٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَاِنْ تُصِبْہُمْ

سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ پارہ ۵ رکوع ۸ سورۂ النساء جلالین ص ۸۱ و ۸۲ (۲) مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ پارہ ۵ رکوع ۸ سورۂ النساء جلالین ص ۸۲ (النساء: ۷۹)

تشریح تعارض | مدینہ میں منافقین کو جب خوشحالی پیش آتی تھی تو کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے آئی ہے اور جب کوئی مصیبت اور بدحالی پیش آتی تھی تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کہتے تھے کہ یہ مصیبت وبدحالی نعوذ باللہ آپؐ کی نحوست سے آئی ہے حق تعالیٰ نے فرمایا قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہ آپ ان سے کہدیجئے کہ نعمت ومصیبت سب اللہ کی طرف سے آتی ہے میرا اس میں کوئی دخل نہیں اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمت مصیبت راحت وتکلیف سب اللہ کی طرف سے آتی ہیں اور آیتِ ثانیہ میں ارشاد ہے کہ راحت ونعمت تو اللہ کی طرف سے ہے اور مصیبت وپریشانی خود بندہ کی طرف سے آتی ہیں پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض | آیتِ اولیٰ میں اجمال اور دوسری آیت میں اس کی تفصیل ہے اور تفصیل بعد الاجمال کو تعارض نہیں کہا جاتا ہے، وضاحت اسکی یہ ہے کہ آیتِ اولیٰ میں یہ تبلایا گیا کہ خوشحالی وبدحالی ہر چیز کا خلق وایجاد حق تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے البتہ خوشحالی تو حق تعالیٰ بلا واسطہ محض اپنے فضل سے عطا فرماتے ہیں اور بدحالی بواسطۂ معاصی عباد نازل فرماتے ہیں لیکن بلا واسطہ اور بالواسطہ کی تفصیل اس آیت میں بیان نہیں کی گئی بلکہ "قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ" کہکر اس کو مجمل طور پر ذکر کر دیا آیتِ ثانیہ میں اس کی تفصیل بیان فرمادی مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ کہ جو نعمت وخوشحالی تم کو پہنچتی ہے وہ بلا واسطہ محض اللہ کے فضل وکرم سے پہنچتی ہے اور مَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ جو مصیبت وبدحالی آتی ہے یہ تمہارے گناہوں کے واسطہ سے آتی ہے، حقیقت یہی ہے کہ نعمتوں اور راحتوں کے نزول میں بندہ کی عبادات کو کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی نعمتیں تو اس قدر ہیں کہ بندہ اپنی تمام عبادات سے ان کا حقِ شکر ادا نہیں کرسکتا حق

تعالیٰ نے بندہ کو وجود بخشا اور اسکو عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی یہ وجود اور توفیقِ عبادت خود اتنی بڑی بڑی نعمتیں ہیں کہ بندہ کی تمام عبادات وطاعات ان ہی کی مکافات نہیں کرسکتی ہیں چہ جائیکہ دیگر نعمتوں کا حق ادا کرسکیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ بندہ کی پوری زندگی کے اعمالِ حسنہ اور عبادتیں خدا کی ایک چھوٹے سے چھوٹی نعمت کا حق ادا نہیں کرسکتیں پس معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہر لمحہ اور ہر آن جو بندوں پر نعمتوں اور رحمتوں کی بارشیں ہوتی رہتی ہیں اس کا سبب بندوں کی عبادات نہیں ہیں بلکہ یہ محض اللہ کا فضل و احسان ہے اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

لن یُدخل احداً عملہ الجنۃ قیل ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ تعالیٰ منہ بفضل ورحمۃ (رواہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرۃ رض) (روح المعانی)

کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کریگا عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ بھی (اپنے عمل کے وجہ سے داخل) نہیں (ہونگے) آپ نے ارشاد فرمایا اور میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنے فضل و رحمت میں چھپالیں،

البتہ مصائب و آلام کا آنا بندوں کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے مَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ حدیث میں بھی یہی مضمون وارد ہوا ہے،

عن ابی موسیٰ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تصیب عبداً نکبۃ فما فوقھا وما دونھا الا بذنب وما یعفو اکثر (رواہ الترمذی) مظہری

حضرت ابوموسیٰ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کو جو کوئی ہلکی یا سخت مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ اسکی گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے اور جن گناہوں کو اللہ معاف فرمادیتے ہیں وہ زیادہ ہیں

قرآن پاک میں تعارض واختلاف ہے یا نہیں؟

پارہ ۵، ۱۵، ۲۳

آیات ① وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا پارہ ۵ رکوع ۸ سورۂ النساء جلالین صہ ۸۲ ② اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا پارہ ۱۵ رکوع ۱۳ سورۂ الکہف جلالین صہ ۲۴۱ ③ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ پارہ ۲۳ رکوع ۱۷ سورۂ الزمر جلالین صہ ۳۸۷ .

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ میں ارشاد ہے کہ اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کا بنایا ہوا ہوتا تو اس میں اختلافِ کثیر پایا جاتا اس کے مضامین میں الفاظ ومعانی میں فصاحت وبلاغت میں بہت اختلاف وتناقض ہوتا لیکن اس میں اختلافِ کثیر نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ یہ غیر اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ مُنزّل من اللہ ہے اس آیت میں قرآن میں اختلافِ کثیر کی نفی کی گئی ہے اور کثیر کی نفی ی قلیل کی نفی نہیں ہوتی بلکہ قلیل کا اثبات رہتا ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن میں اختلافِ کثیر تو نہیں البتہ اختلافِ قلیل ہے اور آیت نمبر ۲ و ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں کسی قسم کا بالکل کوئی اختلاف وتناقض نہیں ہے نہ قلیل نہ کثیر، کیونکہ دونوں آیتوں میں عِوَج نکرہ تحت النفی استعمال ہوا ہے جو عموم نفی کا فائدہ دیتا ہے کہ کسی بھی قسم کی بالکل کجی اور اختلاف وتعارض نہیں ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ قرآن پاک ہر قسم کے عوج سے لفظاً ہو یا معنًی قلیل ہو یا کثیر منزہ ومقدس ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کے ۲ دو جواب ہیں،

① آیتِ اولیٰ میں کَثِیْرًا کی قید احترازی نہیں ہے کہ کثیر کی نفی سے قلیل کا اثبات مقصود ہو بلکہ یہ قید مُبالغہ اور ترقی کیلئے ہے مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں صرف اختلافِ قلیل ہی نہیں بلکہ اختلافِ کثیر ہوتا مگر اس میں تو نہ قلیل اختلاف ہے نہ کثیر معلوم ہوا کہ مُنزّل من اللہ کلام ہے پس اس آیت نے بھی نفی مطلق اختلاف کی ہو رہی ہے لہذا یہ آیت دوسری اور تیسری آیت کے معارض نہیں ہوگی ، (جمل وصاوی)

② کثرت کی قید احترازی نہیں بلکہ مضامین کی کثرت کی وجہ سے یہ قید لگا دی گئی ہے ورنہ نفی مطلق

اختلاف ہی کی مقصود ہے مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس کے مضامین میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہوتا (اور چونکہ اس کے مضامین کثیر ہیں ہر ہر مضمون میں ایک ایک اختلاف پائے جانے کی وجہ سے اختلاف بھی کثیر ہو جاتا) لیکن اس میں کچھ بھی اختلاف نہیں ہے کسی مضمون میں بھی تعارض و تناقض نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ یہ غیر اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے، اجاب بہ حضرۃ مولانا اشرف علی التھانوی ؒ فی بیان القرآن،

اس توجیہ سے واضح ہو گیا کہ مطلق اختلاف کی نفی ہے پس اس آیت کا اخیر کی دونوں آیتوں سے کوئی تعارض نہیں ہے، تینوں آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں کسی قسم کا کوئی اختلاف و تعارض اور تناقض نہیں اور آیات قرآنیہ میں جو تعارض نظر آتا ہے وہ ظاہر نظر میں ہے ورنہ تدبر و تفکر اور نظر عمیق کے بعد کوئی تعارض نہیں ہے، آپ کے زیر مطالعہ ہمارا یہ رسالہ "انوار الدرایات" اسی مضمون پر تالیف کیا گیا ہے اس رسالہ میں دفع تعارض کی جو توجیہات و تحقیقات پیش کی گئی ہیں ان کے سامنے آنے کے بعد بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ آیاتِ قرآنیہ تعارض و تناقض سے منزہ و مقدس ہیں،

قابضِ روح حق تعالیٰ ہیں یا ملک الموت یا دیگر ملائکہ ہیں؟

پارہ ع۵ و ع۷ و ع۸ و ع۱۰ و ع۱۴ و ع۲۴ و ع۲۶

آیات (۱) اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ الآیۃ پارہ ۵ رکوع ۱۱ سورۃ النساء جلالین ص۸۵ (۲) حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا پارہ ۷ رکوع ۱۴ سورۃ الانعام جلالین ص۱۱۷ (۳) حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ پارہ ۸ رکوع ۱۱ سورۃ الاعراف جلالین ص۱۳۲ (۴) وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ پارہ ۱۰ رکوع ۳ سورۃ الانفال جلالین ص۱۵۲ (۵) اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ پارہ ۱۴ رکوع ۱۰

سورۂ النحل جلالین صـ ۲۱۸ ⑥ اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ پارہ ۱۴ رکوع ۱
سورۂ النحل جلالین صـ ۲۱۸ ⑦ فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ
اَدْبَارَهُمْ پارہ ۲۶ رکوع ۷ سورۂ محمد (القتال) جلالین صـ ۴۲۲ ● ⑧ وَاللّٰهُ
خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ الآیۃ پارہ ۱۴ رکوع ۱۵ سورۂ النحل جلالین صـ ۲۲۲
⑨ اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا الآیۃ پارہ ۲۴ رکوع ۲ سورۂ الزمر جلالین صـ ۳۸۸
● ⑩ قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ پارہ ۲۱ رکوع ۱۴
سورۂ السجدۃ جلالین صـ ۳۴۹ ،

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ تا ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی جب موت آتی ہے تو اس کی روح کئی فرشتے آ کر قبض کرتے ہیں کیونکہ ان آیات میں "ملٰئکۃ" اور "رُسُلنا" صیغۂ جمع کے ساتھ ہے اور آیت نمبر ۸ و ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ خود روحیں قبض کرتے ہیں اور آیت نمبر ۱۰ اس بات پر دال ہے کہ صرف ایک فرشتہ (ملک الموت) روح قبض کرتا ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں ،

① جب کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو حق تعالیٰ ملک الموت (حضرت عزرائیل علیہ السلام) کو اسکی روح قبض کرنے کا حکم دیتے ہیں ملک الموت کیساتھ چند فرشتے معاونین کی حیثیت سے جاتے ہیں ملائکہ معاونین انسان کے بدن کی رگوں سے روح کو کھینچتے ہیں جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور نکلنے کے قریب ہو جاتی ہے تو پھر ملک الموت اس کو قبض کر کے بالکل باہر نکال دیتا ہے پس حق تعالیٰ قبض روح کے آمر ہوئے اور رگوں سے نکالکر حلقوم تک پہنچانیوالے اور تعاون کرنے والے ملائکہ ہوئے اور حلقوم سے باہر نکالنے والے ملک الموت ہوئے پہلی سات آیات میں نسبت معاونین کی طرف کردی گئی کیونکہ فعل کی نسبت معاون و شریک کی طرف بھی کردی جاتی ہے جیسے کسی کو قتل کرنیوالا شخص واحد ہو اور دوسرے لوگوں نے تعاون کیا ہو تو کہا جاتا ہے قتلوا قتیلاً کہ

اس معقول کو سب نے نقل کیا ہے اور آیت نمبر ۸ و ۹ میں آمر یعنی حق تعالیٰ کی طرف نسبت کردی گئی اس لئے کہ فعل کی نسبت آمر کی طرف بھی کردی جاتی ہے کہا جاتا ہے بَنَی الْاَمِیْرُ الْقَصْرَ بادشاہ نے محل بنایا یعنی بنانے کا حکم دیا اور آیت نمبر ۱۰ میں قابض یعنی ملک الموت کی طرف نسبت کردی گئی پس کوئی تعارض نہیں ہے، (روح المعانی وتفسیر خازن)

(۲) ملک الموت تو ارواح کو قبض کرتا ہے دیگر ملائکہ اس کا تعاون کرتے ہیں ملک الموت کے حکم پر عمل کرتے ہیں پھر حق تعالیٰ روح کو کھینچکر بدن سے بالکل باہر نکالدیتے ہیں چونکہ قبضِ روح میں شرکت سب کی ہوتی ہے اس لئے بعض آیات میں حق تعالیٰ کی طرف بعض میں ملک الموت کی طرف بعض میں ملائکہ و رسل کی طرف نسبت کردی گئی فلا تعارض (روح البیان بحوالہ حاشیہ جلالین ص ۳۴۹)

(۳) اختلافِ اشخاص پر محمول ہے یعنی بعض لوگوں کی روحیں خود حق تعالیٰ قبض کرتے ہیں بعض کی ملک الموت اور بعض کی دیگر ملائکہ قبض کرتے ہیں چنانچہ شہداء بحر کے بارے میں روایت میں آیا ہے کہ ان کی ارواح اُن کے اعزاز و اکرام میں حق تعالیٰ خود ہی قبض فرماتے ہیں ملک الموت کے حوالہ نہیں فرماتے، عن ابی امامۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ وکل ملک الموت بقبض الارواح الا شہداء البحر فانہ سبحانہ یتولی قبض ارواحہم (رواہ ابن ماجہ) روح المعانی

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو ارواح کے قبض کرنے پر مقرر کیا ہے مگر پانی میں غرق ہو کر شہید ہو جانے والے لوگوں کی ارواح حق تعالیٰ خود قبض فرماتے ہیں،

مومنِ عاصی جہنم میں داخل ہوگا یا نہیں؟

پارہ ۵ و ۳۰

آیات (۱) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ پارہ ۵ رکوع ۱۵ سورۃ النساء جلالین ص ۸۷ (۲) لَا یَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَی الَّذِیْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی

پارہ ۳۰ رکوع ۱۷ سورۂ اللیل جلالین ص۵۰۱

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ میں ارشاد ہے کہ مشرک کی تو مغفرت نہیں ہوگی مشرک کے علاوہ مؤمن عاصی کے گناہوں پر حق تعالیٰ سزا بھی دے سکتے ہیں معاف بھی کر سکتے ہیں اور آیت نمبر ۲ میں ارشاد ہے کہ جہنم میں صرف ایمان سے روگردانی کرنے والا اور تکذیب کرنے والا بدبخت کافر ہی داخل ہوگا اور کوئی نہیں کیونکہ نفی و استثناء کے ساتھ کلام کرنا حصر کیلئے مفید ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن عاصی جہنم میں داخل نہیں ہوگا پس ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے،

دفع تعارض دوسری آیت میں دخول جہنم سے مراد دخولِ ابدی ہے کہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں صرف کافر ہی داخل ہوگا مؤمن عاصی کو اگر حق تعالیٰ عذاب دینا چاہیں گے تو کچھ مدت تک عذاب دینے کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمادیں گے لہٰذا کوئی تعارض نہیں، (جلالین)

تمام عزتیں اللہ کیلئے ہیں یا رسول اور مؤمنین کیلئے بھی ہیں؟

پارہ نمبر ۵ و ۱۱ و ۲۲ و ۲۸

آیات (۱) اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا پارہ ۵ رکوع ۱۶ سورۂ نساء جلالین ص۸۹ (۲) اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ پارہ ۱۱ رکوع ۱۲ سورۂ یونس جلالین ص۱۷۶ (۳) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا، پارہ ۲۲ رکوع ۱۴ سورۂ فاطر جلالین ص۳۶۵ ◉ (۴) وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ پارہ ۲۸ رکوع ۱۳ سورۂ المنافقون جلالین ص۴۶۱

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ و ۲ و ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام عزتیں اللہ کیلئے ہیں اور آیت نمبر ۴ میں ہے کہ عزت اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین سب کیلئے ہے پس ان میں بظاہر تعارض ہے

دفع تعارض اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی تین آیات میں عزت بالذات اور بلاواسطہ مراد ہے اور آیت نمبر ۴ میں رسول اور مؤمنین کے لئے عزت بالواسطہ مراد ہے فلا تعارض، حاصل

یہ ہے کہ بلا واسطہ اور حقیقۃً تو تمام عزتیں دنیا و آخرت کی حق تعالیٰ کے لئے ہیں پھر تعلق مع اللہ اور قرب الی اللہ کے واسطے سے رسول کو عزت حاصل ہوئی پھر رسول کی اتباع اور اطاعت کے واسطے سے مؤمنین کو عزت حاصل ہوتی ہے، روح المعانی،

پس جو شخص عزت کا طالب ہو وہ اللہ سے تعلق قائم کرے اس کی اطاعت کرے تمام عزتیں اسی کے ہاتھ میں ہیں وہی تمام عزتوں کا مالک ہے، ان دنیا دار کفار و مشرکین کے پاس رہ کر ہرگز عزت حاصل نہیں ہو سکتی، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ کیا یہ لوگ کفار کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا عزتیں تو تمام کی تمام اللہ کے ہاتھ میں ہے مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا جو شخص عزت کا طالب ہے تو تعلق مع اللہ قائم کرے اس کی اطاعت کرے عزت نصیب ہوجائیگی وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ رسول کو جو عزت حاصل ہوئی ہے وہ تعلق مع اللہ اور قرب الی اللہ کے واسطہ سے ہوئی پھر اتباعِ رسول اور اطاعتِ رسول کے واسطہ سے مؤمنین کو عزت ملی پس غیروں کے یہاں عزت تلاش کرنا حماقت اور بیوقوفی ہے،

وضو میں پاؤں کا غسل واجب ہے یا مسح؟

پارہ نمبر ۶

آیات (۱) وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ (بقراءۃ النصب) پارہ ۶ رکوع ۶ سورۂ مائدہ جلالین ص۹۵ ◉ (۲) وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ (بقراءۃ الجر) پارہ ۶ رکوع ۶ سورۂ مائدہ جلالین ص۹۵

تشریح تعارض قرآن پاک کی متعدد قراءتیں متعدد آیات کے درجہ میں ہوتی ہیں پس جس طرح ایک آیت دوسری آیت کے بظاہر معارض نظر آتی ہے اسی طرح بسا اوقات قرآن کی دو مختلف قراءتوں میں بھی بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے آیتِ مذکورہ میں لفظ ارجلکم میں

دو قراتیں ہیں، نافع، ابن عامر، کسائی، یعقوب اور حفص کی قرارت میں اَرْجُلَکُمْ بنصب اللام ہے اور ابن کثیر، ابوعمر، عاصم، حمزہ اور ابوبکر کی قرأت میں اَرْجُلِکُمْ بجر اللام ہے، پہلی صورت میں اَرْجُلَکُمْ کا عطف وُجُوْھَکُمْ پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ واغسلوا ارجلکم الی الکعبین کہ پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں پاؤں کا حکم غسل ہے اور جر والی قرارت میں ارجلکم کا عطف رؤسکم پر ہوگا یعنی وامسحوا برؤسکم وامسحوا بارجلکم اپنے سروں کا اور اپنے پاؤں کا مسح کرو اس قرارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں پاؤں پر مسح کیا جائے گا پس دونوں قراتوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

(۱) قرأت ثانیہ جرِ جوار پر محمول ہے یعنی برؤسکم کے مجاور اور متصل ہونے کی وجہ سے اَرْجُلِکُمْ کو مجرور پڑھ دیا گیا ہے ورنہ درحقیقت یہ منصوب ہے رُؤُسِکُمْ کے تناسب کی رعایت کرتے ہوئے نصب ظاہر نہیں کیا گیا اور جب درحقیقت یہ منصوب ہی ہے تو کوئی تعارض نہیں رہا دونوں قراتوں سے غسل رجلین ہی کا ثبوت ہو رہا ہے مگر یہ توجیہ بعید ہے اس لئے کہ جرِ جوار ضرورت شعری کی وجہ سے اختیار کیا جاتا ہے اور قرآن کریم ضرورت شعری سے منزہ ہے نیز جرِ جوار صفت میں مستعمل ہے نہ کہ عطف میں اور ارجلکم معطوف ہے نہ کہ صفت، (جمل، صاوی، روح المعانی)

(۲) اختلافِ احوال پر محمول ہے، نصب والی قرأت حالتِ غیر خف پر محمول ہے اور جر والی قرأت حالتِ خف پر محمول ہے یعنی اگر آدمی موزے پہنے ہوئے ہو تو پاؤں پر یعنی خفین پر مسح کرے ورنہ پاؤں کا غسل واجب ہے ولا تعارض عند اختلاف الاحوال (روح المعانی وغیرہ)

(۳) قرأت ثانیہ قرأتِ اولیٰ سے منسوخ ہے ابتداء میں مسح رجلین کا حکم تھا پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور غسلِ رجلین کا حکم دیدیا گیا ولا تعارض بعد النسخ، (جمل و روح المعانی)

اہل کتاب کے نزاعات کا فیصلہ کرنا واجب ہے یا نہ کرنیکا بھی اختیار ہے؟

پارہ نمبر ۶

آیات ① فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ پارہ ۶ رکوع ۱۰ سورۂ مائدہ جلالین ص۱۰۰ ② فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ پارہ ۶ رکوع ۱۱ سورۂ مائدہ جلالین ص۱۰۱ ③ وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ پارہ ۶ رکوع ۱۱ سورۂ مائدہ جلالین ص۱۰۱

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ میں ارشاد ہے کہ اگر اہل کتاب آپ کے پاس اپنے نزاعات کا فیصلہ کرانے کیلئے آئیں تو آپ کو اختیار ہے خواہ اُن کے درمیان فیصلہ فرمادیں یا اُن سے اِعراض کریں کہ وہ اپنے حُکام ہی سے فیصلہ کرائیں اور اخیر کی دو آیتوں میں ارشاد ہے کہ آپ اللہ کے نازل شدہ قانون کے مطابق فیصلہ کریں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے اور اخیر کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا فیصلہ کرنا واجب ہے اعراض کرنے کا اختیار نہیں ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① آیتِ اولیٰ اخیر کی دونوں آیتوں سے منسوخ ہے ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا تھا کہ فیصلہ کریں یا نہ کریں بعد میں یہ حکم منسوخ فرما کر فیصلہ کرنا واجب کر دیا گیا حضرت ابن عباسؓ اور اکثر سلف (عمر بن عبد العزیز، عطاء، مجاہد اور سدی وغیرہم) سے یہی مروی ہے امام ابو جعفر نحاس اور قاضی بیضاوی نے امام ابو حنیفہ کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے کہ اہل کتاب اور اہل ذمہ کے نزاعات کا اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے، اعراض کرنا اور ان کو خود ان کے حکام کے حوالہ کر دینا جائز نہیں یہی امام شافعیؒ کا قولِ اصح ہے، ولا تعارض بعد النسخ (بیان القرآن، روح المعانی، جلالین وحاشیتہ)

② آیتِ اولیٰ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے اور اب بھی یہ حکم ہے کہ اہل کتاب و اہل ذمہ کا فیصلہ

کرنے اور نہ کرنے کا حاکم کو اختیار ہے امام نخعی، امام شعبی، ابن شہاب زہری، قتادہ، سعید بن جبیر کا یہی مذہب ہے امام احمد بن حنبلؒ بھی اسی کے قائل ہیں ابن جوزی نے اسی کو صحیح کہا ہے، صاحب تفسیر مظہری نے حضرت عطاء کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے، رہی اخیر کی دونوں آیتیں تو وہ اس کے معارض نہیں ہیں اس لئے کہ فاحکم بینہم بما انزل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ وان اخترت الحکم فاحکم بینہم بما انزل اللہ کہ آپ پر فیصلہ کرنا واجب تو نہیں ہے لیکن اگر فیصلہ کرنا چاہیں تو اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کریں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے الفوز الکبیر میں اسی کو اختیار کیا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ پہلی آیت میں آگے ارشاد ہے وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (کہ اگر چہ آپ کو اعراض کرنے کا بھی اختیار ہے لیکن) اگر آپ فیصلہ کرنا چاہیں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں پس اخیر کی آیتوں میں بھی فیصلہ کو واجب نہیں کیا گیا بلکہ قانون اسلامی کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، (تفسیر مظہری وحاشیہ جلالین والفوز الکبیر)

(۴) اختلاف اشخاص پر محمول ہے یعنی آیت اولیٰ غیر ذمیوں کے بارے میں ہے کہ ان کے فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور اخیر کی دونوں آیتیں ذمیوں سے متعلق ہیں کہ انکا فیصلہ کرنا واجب ہے اہل ذمہ پر بیوع، مواریث اور تمام عقود میں اسلامی احکام جاری ہوتے ہیں علاوہ خمر وخنزیر کی بیع کے کہ وہ انہیں اپنی شریعت کے مطابق فیصلہ کر سکتے ہیں (روح المعانی)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے یا صرف اپنی اصلاح کرلینا کافی ہے؟

پارہ نمبر ۷ و ۹

آیات (۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ پارہ ۷ رکوع ۴ سورۃ المائدۃ جلالین ص ۱۰۸ (۲) وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً پارہ ۹ رکوع ۱۷ سورۃ الانفال جلالین ص ۱۴۹

تشریح تعارض پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ اے ایمان والو تم پر اپنی اصلاح کرنا واجب ہے جب تم راہ راست پر آجاؤ گے تو دوسرے گمراہ لوگوں کی گمراہی اور غلط راہ روی سے

تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن پر اپنی اِصلاح واجب ہے دوسروں کی اِصلاح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب نہیں، آدمی اگر خود راہِ راست پر ہو تو گمراہوں کی گمراہی اور گنہگاروں کی بے راہ روی سے اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ اس عذاب سے ڈرو جو خاص کر ظالموں اور گنہگاروں ہی کو نہیں پہنچے گا بلکہ اُن نیک لوگوں کو بھی وہ عذاب گھیر لیگا جو گنہگاروں کو گناہ سے نہیں روکتے ان کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اصلاح کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی واجب ہے دوسروں کی اصلاح کرنا ان پر روک ٹوک کرنا ضروری ہے ورنہ جو عذاب گنہگاروں پر نازل ہوگا اس کی زد میں وہ نیک لوگ بھی آجائیں گے جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرتے ہیں پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے،

دفعِ تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

۱ آیتِ اولیٰ میں اِذَا اهْتَدَيْتُمْ میں اہتداء سے مراد امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے حضرت حذیفہؓ اور سعید بن المسیبؒ سے اہتداء کی تفسیر یہی منقول ہے اہتداء کی تکمیل ہی اس وقت ہوتی ہے جب آدمی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا وظیفہ ادا کر دے اس تفسیر پر آیت اولیٰ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ترک کی اجازت پر دلالت نہیں ہوتی کیونکہ مطلب آیت کا اسوقت یہ ہوگا کہ جب تم لوگ اپنی اصلاح کر لو اور دوسروں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو تو کسی کی گمراہی اور گنہگاری سے تمکو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا معلوم ہوا کہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دوسروں کی اصلاح بھی واجب ہے پس یہ آیت دوسری آیت کے معارض نہیں ہے اس کی تائید حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے خطبہ سے ہوتی ہے

عن قيس بن ابي حازم قال صعد ابوبكرؓ منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فحمد الله واثنى عليه ثم قال

حضرت قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا اللہ کی حمد و ثنا

ایھا الناس انکم لتتلون اٰیۃً من کتاب اللہ سبحانہ ولتعدونھا رخصۃً واللہ ما انزل اللہ تعالیٰ فی کتابہ اشد منھا یاایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم الاٰیۃ واللہ لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر اولیعمنکم اللہ تعالیٰ منہ بعقاب (اخرجہ ابن جریر) روح المعانی ص۴۵

بیان کی پھر ارشاد فرمایا اے لوگو تم کتاب اللہ کی یہ آیت (یاایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم الآیۃ) تلاوت کرتے ہو اور اس کو ترک امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی رخصت واجازت پر محمول کرتے ہو خدا کی قسم اللہ نے اپنی کتاب میں اس سے زیادہ سخت آیت نازل نہیں فرمائی اللہ کی قسم تم ضرور بالضرور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ کی طرف سے آنیوالا عذاب تم کو بھی عام ہو جائے گا ،

ایک اور روایت میں ہے ،

عن قیس بن ابی حازم عن ابی بکر الصدیق انہ قال یا یھا الناس انکم تقرؤن ھذہ الاٰیۃ ولاتضعونھا موضعھا ولا تدرون ماھی وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الناس اذا رأوا ظالمًا فلم یأخذوا علی یدیہ اوشک ان یعمھم اللہ بعقاب منہ (اخرجہ الترمذی والبوداؤد) تفسیر خازن ص۴۹۹ ج۱

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ارشاد فرمایا اے لوگو تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کو اس کے صحیح محل پر نہیں رکھتے اور اس کا مطلب نہیں جانتے حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ لوگ جب کسی ظالم گنہگار کو دیکھیں اور اسکی اسی وقت گرفت نہ کریں تو اندیشہ ہے کہ اللہ اپنا عذاب سب پر عام کردیں گے ،

ابوبکر بن محمد سے روایت ہے ،

خطب ابوبکر الصدیقؓ الناس فکان فی خطبتہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا یھا الناس لاتتکلوا علی ھٰذہ

حضرت صدیق اکبرؓ نے خطبہ دیا آپ کے خطبہ میں یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے لوگو اس آیت پر بھروسہ کرکے نہ بیٹھ جانا

الآیۃ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ ان الناس اذا لم یکون فی الحی فلا یمنعونہ فیعمھم اللہ تعالیٰ بعقاب (اخرجہ ابن مردویہ) روح المعانی ص ۴۵

قبیلہ میں ایک آدمی اگر شریر و خبیث ہو اور لوگ اس کو نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ اپنا عذاب سب پر عام کر دیتے ہیں ،

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں دونوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب اور اس کے ترک پر عذاب و ضرر کا لاحق ہونا ثابت ہو رہا ہے

(۲) آیتِ اولیٰ سے اگرچہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عدم وجوب اور ترک کی اجازت و رخصت معلوم ہوتی ہے مگر یہ اس زمانہ میں ہے جبکہ فسق و فجور کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ کوئی شخص وعظ و نصیحت قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہو آدمی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا ہے مگر غلبۂ فسق کی وجہ سے کوئی باز نہیں آتا اور کسی پر کوئی اثر نہیں ہوتا ایسے حالات میں آدمی فقط اپنی اصلاح کرتا ہے اور راہِ راست پر قائم رہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر چھوڑ دے اس کو کوئی عذاب و ضرر لاحق نہیں ہوگا ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے ،

عن الحسن ان ابن مسعودؓ سالہ رجل عن ھذہ الآیۃ فقال ایھا الناس انہ لیس بزمانھا ولکنہ قد اوشک ان یاتی زمان تامرون بالمعروف فیصنع بکم کذا وکذا او قال فلا یقبل منکم فحینئذ علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم (اخرجہ عبدالرزاق والبو الشیخ والطبرانی وغیرھم) روح المعانی ص ۴۶

حضرتِ حسن سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک شخص نے اس آیت کے متعلق سوال کیا تو فرمایا اے لوگو یہ حکم اس آیت کے زمانۂ (نزول) میں نہیں ہے لیکن عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تم لوگ امر بالمعروف (و نہی عن المنکر) کروگے تو اس کے جواب میں تمہارے ساتھ ایسا ویسا معاملہ کیا جائے گا (یعنی لوگ تمہارے ساتھ بدتمیزی سے پیش آئیں گے) یا یوں فرمایا کہ تمہاری بات کوئی قبول نہیں کرے گا اسوقت تم لوگوں پر اپنی اصلاح واجب ہے تم راہِ راست پر رہے تو تمکو کوئی ضرر لاحق نہیں ہوگا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لوگوں نے کہا کہ اگر اس زمانہ میں آپ بیٹھے رہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کریں تو کیا حرج ہے اللہ نے تو رخصت دی ہے عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ الخ تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا،

لیست لی ولا صحابی لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا فلیبلغ الشاھد الغائب فکنا نحن الشھود وانتم الغُیَّب ولکن ھذہ الآیۃ لاقوام یجیئون من بعدنا ان قالوا لم یقبل منھم (اخرجہ ابن جریر) روح المعانی ج۷ ص۴۶

یہ آیت میرے اور میرے اصحاب کیلئے نہیں ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار! اس وقت جو حاضر ہیں وہ غائبین کو پہنچادیں ہم لوگ حاضر تھے اور تم لوگ غائب تھے لیکن یہ آیت ان لوگوں کے لئے ہے جو ہمارے بعد میں آئیں گے (اس وقت حالات ایسے ہوں گے کہ) اگر لوگ (کوئی بات کسی کو سمجھانے کی) کہیں گے تو ان کی بات قبول نہیں کی جائے گی،

پس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب و عدمِ وجوب اور ترک پر ضرر و عذاب کا لاحق ہونا اور نہ ہونا دو مختلف زمانوں میں ہے ولا تعارض بعد اختلاف الزمان ،

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ ترک کی اجازت اس صورت میں ہے جبکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے کی وجہ سے فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو ایسی حالت میں آدمی خود نیک عمل کرتا رہے دوسروں پر روک ٹوک نہ کرے فتنہ و فساد برپا کرنے سے بہتر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ترک ہے اور جب یہ اندیشہ نہ ہو تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب ہے پس وجوب و عدمِ وجوب دو مختلف حالتوں میں ہے ولا تعارض بعد اختلاف الاحوال (روح المعانی)

وصیت کرنے میں گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے یا کافر بھی گواہ بن سکتا ہے؟

پارہ نمبر ۷ و ۲۸

آیات (۱) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَھَادَۃُ بَیْنِکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ

الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ پارہ ۷ رکوع ۴ سورۂ مائدہ جلالین ص ۱۰۹ ◉ (۲) وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ پارہ ۲۸ رکوع ۱۷ سورۂ الطلاق

جلالین ص ۴۶۳)

تشریح تعارض پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان مرتے وقت کسی کو اپنا مال وغیرہ حوالہ کرے تو دو عادل شخصوں کو گواہ بنا لینا مناسب اور بہتر ہے نگران گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے اگر مسلمان نہ ملیں جیسے سفر وغیرہ میں اتفاق ہو جاتا ہے تو غیر مسلموں کو بھی گواہ بنایا جا سکتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ فرمایا ہے کہ وہ ۲ دو عادل آدمی تم میں سے ہوں (یعنی مسلمانوں میں سے) یا تمہارے علاوہ (غیر مسلموں) میں سے ہوں اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے پس دونوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے ۲ دو جواب ہیں

(۱) پہلی آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے ابتدا میں جبکہ مسلمانوں کی قلت تھی خصوصاً سفر کی حالت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے کی اجازت دیدی گئی تھی پھر اس کو منسوخ کر دیا گیا اور گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری قرار دیدیا گیا (تفسیر ابوالسعود، الفوز الکبیر)

(۲) پہلی آیت میں مِنْكُمْ اور مِنْ غَيْرِكُمْ سے مراد مِنْ أَقَارِبِكُمْ اور مِنْ غَيْرِ أَقَارِبِكُمْ ہے حضرت حسن، حضرت عکرمہ اور امام زہری سے یہی تفسیر منقول ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی الفوز الکبیر میں ایک توجیہ یہی ذکر فرمائی ہے، مطلب یہ ہے کہ گواہوں کا مسلمان ہونا تو ضروری ہے البتہ اپنے اقارب اور رشتہ داروں میں سے ہونا ضروری نہیں، اپنے اقارب نہ ملیں تو غیر اقارب کو گواہ بنا لیا جائے پس یہ آیت آیت ثانیہ کے معارض نہیں ہوئی (روح المعانی و الفوز الکبیر)

حق تعالیٰ کفار کے مولیٰ ہیں یا نہیں؟

پارہ نمبر ۷ و ۱۱ و ۲۶

آیات (۱) ثُمَّ رُدُّوْا اِلَی اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ پارہ ۷ رکوع ۱۴ سورۂ الانعام جلالین ص ۱۱۷ (۲) وَرُدُّوْا اِلَی اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ پارہ ۱۱ رکوع ۵ سورۂ یونس جلالین ص ۱۷۳ ● (۳) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَهُمْ پارہ ۲۶ رکوع ۵ سورۂ محمد (قتال) جلالین ص ۴۲۰

تشریحِ تعارض پہلی آیت میں رُدُّوْا کی ضمیر فاعل مطلق مخلوق کی طرف راجع ہے جس میں مؤمنین وکفار سب داخل ہیں ترجمہ یہ ہے کہ پھر ساری مخلوق کو لوٹایا جائے گا اللہ کیطرف جو اُن کا مولائے حق ہے اور دوسری آیت کفار کے متعلق ہے جیسا کہ آیت کے سیاق وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ مؤمنین وکفار سب کے مولیٰ اور مددگار ہیں اور تیسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ خداوند قدوس صرف مؤمنین کے مولیٰ اور مددگار ہیں کفار کا کوئی مولیٰ اور مددگار نہیں ہے، پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفعِ تعارض پہلی دو آیتوں میں مولیٰ بمعنی مالک وخالق ہے اور تیسری آیت میں مولیٰ بمعنی ناصر و مددگار ہے خداوند قدوس مالک وخالق تو مؤمنین وکفار سب کے ہیں مگر ناصر ومددگار صرف مؤمنین کے ہیں کفار کے نہیں، (جمل)

تبلیغ رسالت پر اُجرت کے مطالبے منع کیا گیا ہے یا اجازت دی گئی ہے؟

پارہ نمبر ۷ و ۱۹ و ۲۲ و ۲۳ و ۲۵ و ۲۷

آیات (۱) قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ پارہ ۷ رکوع ۱۶ سورۂ الانعام جلالین ص ۱۲۰ (۲) قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا پارہ ۱۹ رکوع ۳ سورۂ الفرقان جلالین ص ۳۰۳ (۳) قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ پارہ ۲۲ رکوع ۱۲ سورۂ السباء جلالین ص ۳۶۳ (۴) قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ پارہ ۲۳

رکوع ۱۴ سورۃ ص جلالین ص ۳۸۵ (۵) اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ پارہ ۲۷ رکوع ۴ سورۃ الطور جلالین ص ۴۳۶ ◉ (۶) قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى پارہ ۲۵ رکوع ۴ سورۃ الشوریٰ جلالین ص ۴۰۳

تشریح تعارض پہلی چار آیتوں میں حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ لوگوں میں اعلان کر دیجئے کہ میں تبلیغ رسالت اور دعوتِ ایمان پر تم سے کسی قسم کی اجرت اور معاوضہ کا سوال نہیں کرتا اس کا اَجر اور مُعاوضہ تو مجھے حق تعالیٰ عطا فرمائیں گے اور آیت نمبر ۵ میں ارشاد ہے کہ کیا آپ ان سے اُجرت کا سوال کرتے ہیں جس سے کہ ان لوگوں پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ان لوگوں سے کسی قسم کی اُجرت کا سوال نہیں کرتے ہیں، ان پانچوں آیات میں تبلیغِ رسالت پر ہر قسم کے اجرت کے مطالبہ کی نفی کی گئی ہے کیونکہ اَجْرًا نکرہ تحت النفی داخل ہے جو مفید عموم ہوتا ہے یعنی کسی بھی قسم کی اَجرت کا مطالبہ نہیں ہے اور آیت نمبر ۶ میں ہے کہ آپ کہہ دیجئے میں تم سے کسی اُجرت کا سوال نہیں کرتا مگر مَوَدَّۃ فی القربیٰ کا سوال کرتا ہوں کہ میری قرابت داری کا کچھ لحاظ رکھو، اس میں اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى کا اَجْرًا سے اِستثنار کیا گیا ہے اور استثنار میں اصل اِتصال ہے جس میں مُستثنیٰ مُستثنیٰ منہ میں داخل ہوتا ہے اور اس کی جنس سے ہوتا ہے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ مَوَدَّۃ فی القربیٰ بھی اُجرت اور مُعاوضہ میں داخل ہے اور اس کی جنس سے ہے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ میں تم سے کسی اُجرت کا مُطالبہ نہیں کرتا سوائے اس اُجرت کے کہ تم میری قرابت داری کا لحاظ رکھو بس اِس آیت میں تبلیغ رسالت پر ایک قسم کی اُجرت یعنی مَوَدَّت فی القربیٰ کے مطالبہ اور سوال کا اثبات ہے لہٰذا یہ آیت پہلی پانچ آیتوں کے بظاہر مُعارض ہوئی جن میں ہر قسم کی اجرت کے سوال کی بالکلیہ نفی کی گئی ہے کوئی استثنار نہیں کیا گیا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

(۱) اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى استثنارِ منقطع ہے جس میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل اور

اور اس کی جنس سے نہیں ہوتا اور اِلاَّ لکن کے معنی میں ہوتا ہے اس صورت میں مَوَدَّۃ فی القربیٰ اَجر اور معاوضہ میں داخل ہی نہیں ہے قُل لا اسئلکم علیہ اجرًا پر کلام تام ہوچکا ہے کہ میں تم سے کسی قسم کی اجرت اور معاوضہ کا سوال نہیں کرتا آگے اِلاَّ المَوَدَّۃ فی القربیٰ سے مستقل دوسرا کلام ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم میری نبوت و رسالت کو تسلیم نہیں کرتے تو نہ سہی، لیکن میرا ایک انسانی اور خاندانی حق بھی تو ہے جس کا تم انکار نہیں کرسکتے کہ تمہارے اکثر قبائل میں میری رشتہ داری اور قرابتیں ہیں قرابت کے حقوق صلہ رحمی وغیرہ کا تو کم از کم خیال رکھو میرے ساتھ ایذا رسانی کا معاملہ نہ کرو بات کا ماننا نہ ماننا تو خیر تمہارے اختیار میں ہے مگر یہ قرابت داری تو کم از کم عداوت و دشمنی سے مانع ہونی چاہیے، بہرحال خلاصہ یہ ہوا کہ مَوَدَّۃ فی القربیٰ اجر نہیں ہے پس اس آیت میں بھی مطلق اجر کے سوال کی نفی مقصود ہے لہٰذا یہ آیت پہلی پانچ آیتوں کے معارض نہیں ہے (صاوی، معارف القرآن وغیرہ)

❷ استثناء متصل ہے اور مَوَدَّۃ فی القربیٰ اَجر میں داخل ہے مگر مَوَدَّۃ فی القربیٰ کو مجازاً اجر میں داخل مانا گیا ہے ورنہ درحقیقت یہ اجر و معاوضہ نہیں ہے بلکہ قرابت داری کی وجہ سے محبت رکھنا تو اخلاقی اور انسانی فریضہ ہے میں تبلیغ و تعلیم کروں یا نہ کروں مَوَدَّۃ فی القربیٰ کا فریضہ ہرحال میں تم پر عائد ہوتا ہے تم اگر مودۃ فی القربیٰ کو معاوضہ سمجھتے ہو تو یہ تمہاری غلطی ہے، اس صورت میں یہ کلام تاکید المدح بما یشبہ الذم کے قبیل سے ہے یعنی کسی کی مدح اور تعریف کو ایسی شئے کے ذریعہ مؤکد کرنا جو مذمت اور برائی کے مشابہ ہے یعنی بظاہر اس کو مذمت اور عیب سے تعبیر کیا جارہا ہے ورنہ حقیقۃً مقصود مذمت نہیں بلکہ مدح و تعریف کو مؤکد اور پختہ کرنا ہے عربی اور عجمی ہر زبان میں اس کا استعمال موجود ہے متنبی شاعر ایک قوم کی شجاعت و بہادری بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

وَلَا عَیبَ فِیہِم غَیرَ اَنَّ سُیُوفَهُم ۔۔۔ بِهِنَّ فُلُولٌ مِن قِرَاعِ الکَتَائِبِ

کہ ان لوگوں میں کوئی عیب اور برائی نہیں ہے سوائے اس عیب کے کہ دشمنوں کے لشکروں

ہیں تلواریں زیادہ چلانے کی وجہ سے ان کی تلواروں میں دندانے پڑ گئے ہیں تلواروں کی دھاریں خراب ہوگئی ہیں اور ظاہر ہے کہ کثرتِ حرب وضرب کی وجہ سے تلواروں کی دھاریں خراب ہوجانا درحقیقت بہادروں کیلئے کوئی عیب نہیں بلکہ ہنر اور کمال کی بات ہے مگر اس کو بظاہر عیب کہہ دیا گیا ہے اس سے مدح وتعریف میں تاکید پیدا ہوگئی ہے،

ہماری اردو زبان کے محاورہ میں بھی اس کا استعمال پایا جاتا ہے جیسے کسی شریر طالب علم کو استاذ نے بار بار اس کی شرارت پر ٹوکا اس کو وعظ ونصیحت کی، سمجھایا مگر وہ بجائے ماننے کے متنفر ہوکر مدرسہ سے بھاگ گیا، استاذ صاحب سے معلوم کیا گیا کہ آخر آپ نے اس کو کیا کہدیا تھا جس سے وہ فرار ہوگیا تو استاذ صاحب نے جواب کہ میں نے اس لڑکے کی شان میں اور کوئی غلطی وگستاخی نہیں کی سوائے اس غلطی کے کہ میں نے اس کی شرارتوں پر اس کو تنبیہ کردی تھی اس کو سمجھا دیا تھا اب تم اس کو غلطی وگستاخی سمجھو یا محبت وہمدردی،

ظاہر ہے کہ طالب علم کو اس کی شرارتوں اور غلط حرکتوں پر روک ٹوک کرنا اس کو سمجھانا یہ کوئی غلطی اور ظلم نہیں ہے بلکہ عین محبت وشفقت ہے مگر اس کو مجازاً غلطی سے تعبیر کردیا گیا اردو شعر کا ایک مصرعہ ہے ؎

مجھ میں ایک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں

اس میں شاعر نے وفاداری کو عیب سے تعبیر کیا ہے ورنہ درحقیقت وفاداری عیب نہیں بلکہ خوبی کی بات ہے،

خلاصہ یہ ہوا کہ اس صورت میں مَوَدَّۃ فی القربیٰ حقیقۃً اُجرت ومُعاوضہ نہیں ہے پس اس آیت میں بھی مطلق اجر کی نفی ہے لہذا یہ آیت پہلی پانچ آیات کے معارض نہیں ہے (تفسیر خازن، صاوی، معارف القرآن وغیرہ)

(۳) حضرت ضحاک اور حسین بن فضل فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے دراصل یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی تھی جب کہ مشرکین مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے

تو حق تعالیٰ نے یہ آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی
نازل فرما کر رسول اللہ صلی اللہ کے سلم کے ساتھ محبّت اور صلہ رحمی کا حکم دیا تھا جب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے اور حضراتِ انصار نے محبّت ونصرت
کا معاملہ کیا تو حق تعالیٰ نے آپ کو انبیار سابقین کے ساتھ لاحق کرنا چاہا کہ جس طرح حضرات
انبیار سابقین علیہم السلام نے تبلیغ رسالت پر کسی قسم کی اُجرت کا مطالبہ نہیں کیا نہ مال کا اور نہ
مودّۃ فی القربیٰ کا اسی طرح آپ کو حکم دیا گیا اور آیت نازل فرمائی قُلْ مَا سَأَلْتُکُمْ مِنْ
اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللہِ ،

اس آیت نے اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فی القربیٰ والی آیت کو منسوخ کر دیا ولاتعارض بعد النسخ
مگر یہ توجیہ غیر پسندیدہ ہے اس لئے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
اوران کے اقارب کے ساتھ محبّت والفت کا معاملہ کرنا اور ایذا رسانی سے باز آنے کا
حکم ابتدار میں تھا بعد میں منسوخ ہوگیا حالانکہ یہ غلط ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے اور آپ کے اہل بیت سے محبت رکھنا تو فرائضِ دین میں سے ہے ایمان
کا جزر لازم ہے اس لئے نسخ کی توجیہ کرنا درست نہیں ہے (تفسیر خازن)
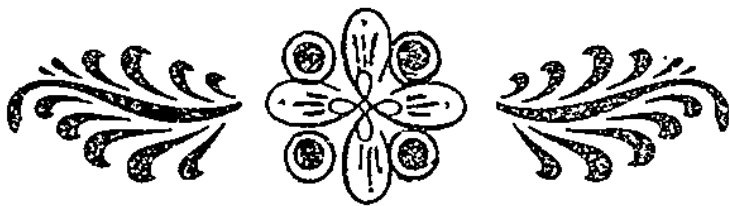
پارہ نمبر ۷ و ۲۹ و ۳۰

آیات | ① لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ

پارہ ۷ رکوع ۱۹ سورہ الانعام جلالین ص ۱۲۲ (۲) وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ پارہ ۲۹ رکوع ۱۷ سورۃ القیمۃ جلالین ص ۴۸۲ (۳) كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ پارہ ۳۰ رکوع ۸ سورۃ التطفیف جلالین ص ۴۹۳

تشریح تعارض آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ نگاہیں اللہ کا ادراک نہیں کرتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رویت نہیں ہوگی اور دوسری وتیسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رویت ہوگی چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ بہت سے بارونق چہرے قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنین کو قیامت کے روز اللہ کا دیدار نصیب ہوگا اور تیسری آیت میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے رب کے دیدار سے محروم رہیں گے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنین دیدار سے محروم نہیں ہوں گے ان کو حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ دیدار سے محرومی کفر کی وجہ سے ہوگی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کی وجہ سے دیدار نصیب ہوگا امام مالک رح فرماتے ہیں کہ اگر قیامت کے روز مؤمنین کو رویت نصیب نہ ہوتی تو کفار کو محرومی کیساتھ عار نہ دلائی جاتی کفار کو دیدار سے محرومی کی عار دلانا اس بات کی دلیل ہے کہ مومنین کو دیدار نصیب ہوگا کما فی تفسیر الخازن،

بہرحال ان آیات میں بظاہر تعارض ہے کہ پہلی آیت سے رویت باری تعالیٰ کی نفی ہوتی ہے اور اخیر کی دونوں آیتوں سے اثبات ہوتا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے چھ جواب ہیں

(۱) نفی دنیا میں ہے اور اثبات آخرت میں ہے یعنی لا تدرکہ الابصار فی الدنیا دنیا میں آنکھیں اللہ کا ادراک نہیں کرتی ہیں یعنی دنیا میں حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہوتی ہے البتہ آخرت میں رویت ہوگی اخیر کی دونوں آیتوں میں یومئذ کی قید سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اثبات رویت آخرت سے متعلق ہے یہ توجیہ حضرت ابن عباس رض سے منقول ہے فرماتے ہیں لا تدرکہ الابصار فی الدنیا وھو یُریٰ فی الاٰخرۃ اثبات ونفی کا محل مختلف ہونے کی وجہ سے

کوئی تعارض نہیں رہا (تفسیر خازن)

(۲) آیتِ اولیٰ میں نفی ادراک کی ہے اور اخیر کی دو آیتوں میں اثبات نظر و رویت کا ہے ادراک اور رویت میں فرق ہے ادراک کہتے ہیں کسی شئے کو اس طور پر دیکھنا کہ اس کی حدود و جوانب کا احاطہ ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ طول اتنا ہے عرض و عمق کی مقدار اتنی ہے اور یہ یہ اس کی شکل و صورت ہے اور رویت کہتے ہیں کسی شئے کا بغیر احاطہ کے معاینہ اور مشاہدہ کر لینے کو، حق تعالیٰ چونکہ حدود و جوانب، صورت و شکل اور جہات وغیرہ سے منزہ و مقدس ہے اس لئے حق تعالیٰ کا ادراک نہیں ہوگا البتہ رویت ہو جائے گی کیونکہ رویت بغیر احاطہ حدود و جوانب کے ہو جاتی ہے جمہور مفسرین نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے، ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک تفسیر یہی نقل کی ہے، قال لا تدرکہ الابصار لا یحیط بصر احد با اللہ تعالیٰ، پس جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں اور جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، (تفسیر خازن، مدارک، روح المعانی)

(۳) قیامت کے دن اللہ کا دیدار اللہ کی اجازت پر موقوف ہوگا جب تک حق تعالیٰ ادراک کی اجازت نہیں دیں گے اس وقت تک نگاہیں ادراک نہیں کریں گی اور جب اجازت مل جائے گی تو ادراک ہوگا پس پہلی آیت میں نفی ادراک قبل الاذن پر محمول ہے اور اخیر کی آیتوں میں اثبات ادراک بعد الاذن پر محمول ہے، فلا تعارض (روح المعانی)

(۴) حضرت ضرار بن عمرو الکوفی فرماتے ہیں کہ آیتِ اولیٰ میں آنکھوں کے ذریعہ ادراک و رویت کی نفی کی گئی ہے کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کریں گی ہو سکتا ہے حق تعالیٰ قیامت کے دن حواسِ خمسہ کے علاوہ کوئی حاسۂ سادسہ پیدا فرما دیں جس سے اللہ کا دیدار کیا جائے پس نفی رویت بحاسۃ البصر کی ہے اور اثبات رویت بحاسۃ غیر البصر کا ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، (تفسیر کبیر، روح المعانی)

(۵) اختلافِ اشخاص پر محمول ہے آیت اولیٰ کفار سے متعلق ہے کہ کفار کی نگاہوں کو اللہ

کی رویت نصیب نہیں ہوگی اور دوسری دونوں آیتیں مؤمنین کے حق میں ہیں کہ ان کی نگاہیں اللہ کا دیدار کریں گی اس کی تائید تیسری آیت کَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ سے ہوتی ہے کہ کفار اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم رہیں گے اور اختلاف اشخاص کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا (ہذا التوجیہ مستفاد من حاشیۃ جلالین ۱؎ صہ ۱۲۲ بقولہ ولا فی الاشخاص الخ)

(۶) الابصار جمع کا صیغہ ہے جس پر الف لام داخل ہے اور صیغۂ جمع پر الف لام کا دخول مفید استغراق وعموم ہوتا ہے پس لا تدرکہ الابصار کا مطلب لا تدرکہ جمیع الابصار ہوگا کہ تمام آنکھیں اللہ کا ادراک نہیں کریں گی اور مجموعہ کا سلب بعض کیلئے ثبوت پر دلالت کرتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "اِنَّ زیدًا ما ضربہ کل الناس" زید کو سب لوگوں نے نہیں مارا اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ بعض نے مارا ہے پس اسی طرح آیت شریفہ میں جب کہا گیا کہ سب آنکھیں اللہ کا ادراک نہیں کریں گی اس سے یہ ثابت ہوا کہ بعض آنکھیں ادراک کریں گی، پس آیت اولیٰ میں مجموعہ کی نفی ہے اور دوسری دو آیتوں میں بعض کیلئے اثبات ہے جس کا اثبات اس کی نفی نہیں جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں لہذا کوئی تعارض نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر)

گناہ کی سزا اس کے مثل ملے گی یا زیادہ؟

پارہ نمبر ۸، ۱۱، ۱۲، ۱۹، ۲۴، ۲۵

آیات (۱) وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا پارہ ۸ رکوع ۷ سورۂ الانعام جلالین صہ ۱۲۹ (۲) وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا پارہ ۱۱ رکوع ۸ سورۂ یونس جلالین صہ ۱۷۳ (۳) مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا پارہ ۲۴ رکوع ۱۰ سورۂ المؤمن (غافر) جلالین صہ ۳۹۴ (۴) وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ الآیۃ پارہ ۲۵ رکوع ۵ سورۂ الشوریٰ جلالین صہ ۴۰۴ ● (۵) يُضٰعَفْ لَهُمُ الْعَذَابُ

مَا کَانُوْا یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا کَانُوْا یُبْصِرُوْنَ پارہ ۱۲ رکوع ۲ سورۂ هود جلالین ص ۱۸۱

(۶) یُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ پارہ ۱۹ رکوع ۴ سورۂ الفرقان جلالین ص ۳۰۸

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ تا ۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ برائی کی سزا اسی کے مثل دی جائیگی اور آیت نمبر ۵ و ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کا عذاب بڑھا کر دیا جائے گا پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) جُرم اور سزا میں مماثلت کمیت کے اعتبار سے ہے اور تضاعُف و زیادتی کیفیت کے اعتبار سے ہے اور جب دو متعارض چیزوں کی جہت بدل جائے تو تعارض نہیں رہتا مطلب یہ ہے کہ ایک گناہ کی سزا کمیت اور مقدار کے اعتبار سے برابر ملے گی ایسا نہیں ہوگا کہ ایک گناہ کو دو گناہ لکھ کر دوگنی سزا دیدی جائے البتہ کیفیت کے اعتبار سے وہ ایک ہی سزا بہت شدید ہوگی (بیان القرآن)

(۲) اختلافِ اشخاص پر محمول ہے مُماثلت مؤمن کے حق میں ہے اور تضاعف کافر کیلئے مؤمن کو ایک جُرم کی سزا اسی کے برابر ملے گی اور کافر کے گناہوں کی سزا کفر کی وجہ سے بڑھا دی جائے گی (روح المعانی و خازن)

یہ پہلی تین آیات اور آخری دونوں آیتوں کے مابین تعارض کے جواب ہیں رہی چوتھی آیت وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ الخ سو یہ تو معارض ہی نہیں ہے اس لئے کہ یہ آخرت کی سزا سے متعلق نہیں بلکہ دنیا میں اگر کوئی کسی کے ساتھ برائی کرے تو اس کو اسی کے مثل برائی کرکے انتقام لینے کی اجازت دی گئی ہے جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے

گنہگار قیامت کے روز صرف اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائیگا یا دوسروں کا بھی؟

پارہ ۸، ۱۴، ۱۵، ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۷

آیات

(١) وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی پارہ ٨ رکوع ٧ سورۂ الانعام جلالین ص ١٢٩ (٢) وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی پارہ ١٥ رکوع ٢ سورۂ الاسراء (بنی اسرائیل) جلالین ص ٢٣١ (٣) وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی پارہ ٢٢ رکوع ١٥ سورۂ فاطر جلالین ص ٣٦٥ (٤) وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی پارہ ٢٣ رکوع ١٥ سورۂ الزمر جلالین ص ٣٨٦ (٥) اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی پارہ ٢٧ رکوع ٧ سورۂ النجم جلالین ص ٤٣٩ (٦) لِيَحْمِلُوْا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ پارہ ١٤ رکوع ٩ سورۂ النحل جلالین ص ٢١٧ (٧) وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ پارہ ٢٠ رکوع ١٣ سورۂ العنکبوت جلالین ص ٣٣٦

تشریح تعارض آیت نمبر ١ تا ٥ سے معلوم ہوتا ہے کہ گنہگار صرف اپنے گناہ کا بوجھ اٹھائے گا دوسرے کے گناہوں کا نہیں، اور اخیر کی دو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گنہگار لوگ اپنے گناہوں کے ساتھ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ پہلی پانچ آیات اُس شخص کے بارے میں ہیں جو خود گناہ کرتا ہے مگر دوسروں کو گناہوں پر نہیں ابھارتا ایسے لوگ صرف اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں گے اور اخیر کی دو آیتیں ان لوگوں کے حق میں ہیں جو خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے ایسے لوگ اپنی گمراہی کے بوجھ کے ساتھ ساتھ دوسروں کو گمراہ کرنے کا بوجھ بھی اٹھائیں گے، اضلالِ غیر چونکہ خود اسی کا فعل ہے اور گناہ ہے تو اس کا بوجھ بھی خود اس کو اٹھانا پڑے گا اور یہ اپنے ہی گناہ کا بوجھ ہوا دوسرے کے گناہ کا نہیں، دوسرا آدمی جو اس کے گمراہ کرنے سے گمراہ ہوا وہ اپنی گمراہی کا بوجھ خود اٹھائے گا پس پہلی پانچ آیتوں اور اخیر کی دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، (بیان القرآن، صاوی)

قیامت کے دن لوگوں سے سوال کیا جائے گا یا نہیں؟

پارہ ۸، ۱۴، ۲۰، ۲۳، ۲۵، ۲۷

آیات ① فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ پارہ ۸ رکوع ۸ سورۂ الاعراف جلالین ص۱۲۹ ② فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ پارہ ۱۴ رکوع ۶ سورۂ الحجر جلالین ص۲۱۵ ③ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ پارہ ۱۴ رکوع ۱۳ سورۂ النحل جلالین ص۲۰۱ ④ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پارہ ۱۴ رکوع ۱۹ سورۂ النحل جلالین ص۲۲۵ ⑤ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ پارہ ۲۳ رکوع ۶ سورۂ صٰفّٰت جلالین ص۳۷۴ ⑥ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ پارہ ۲۵ رکوع ۸ سورۂ الزخرف جلالین ص۴۰۶ ⑦ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ پارہ ۲۰ رکوع ۱۱ سورۂ القصص جلالین ص۳۳۴ ⑧ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ پارہ ۲۷ رکوع ۱۲ سورۂ الرحمٰن جلالین ص۴۴۴

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ تا ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں سے ان کے اعمال وغیرہ کے متعلق سوال کیا جائے گا اور آیت نمبر ۷ و ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کسی انسان یا جن سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے چار جواب ہیں،

① سوال دو قسم کا ہوتا ہے سوالِ استعلام (یعنی کسی نا معلوم شئے کو معلوم کرنے کیلئے سوال کرنا) دوسرا سوالِ توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ اور دھمکانے کے طور پر سوال کرنا) پہلی چھ آیتوں میں سوال توبیخ کا اثبات مراد ہے اور اخیر کی دو آیتوں میں سوالِ استعلام کی نفی ہے یعنی معلوم کرنے کیلئے کسی سے کوئی سوال نہیں ہوگا اس لئے کہ حق تعالیٰ کو ساری مخلوق کے اعمال وافعال کا علم ہے معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں البتہ زجر و توبیخ کے طور پر حق تعالیٰ مخلوق

سے سوال کریں گے کہ تم نے فلاں گناہ کیوں کیا فلاں نیکی کیوں نہیں کی وغیرہ وغیرہ (جمل وغیرہ)
البتہ پہلی آیت میں جو "وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ" فرمایا گیا ہے کہ ہم رسولوں سے بھی سوال کریں گے وہ سوال یہ ہوگا کہ جب تم نے اپنی قوم کو دعوتِ ایمان دی تو تمہاری قوم نے کیا جواب دیا؟ تمہارا کہنا مانا یا نہیں اور اس سوال سے مقصود رسولوں کو توبیخ کرنا نہیں ہوگا بلکہ ان کی امتوں کے کفار کو زجر و توبیخ کرنا مقصود ہوگا (روح المعانی)

(۲) اختلافِ اوقات پر محمول ہے قیامت کا دن بہت طویل ہوگا ایک وقت ایسا ہوگا کہ کسی سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا پھر دوسرے وقت میں سوالات شروع ہوجائیں گے پس کوئی تعارض نہیں ہے (جلالین شریف)

(۳) اختلافِ مکان پر محمول ہے یعنی میدان حشر میں ایک موقف میں تو کسی سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا جب دوسرے موقف یعنی موقفِ حساب میں پہنچیں گے وہاں سوال کیا جائے گا حضرت عکرمہ اور قتادہ نے یہی توجیہ فرمائی ہے (روح المعانی)

(۴) اخیر کی دونوں آیتوں میں سوال عن الاعمال کی نفی مراد ہے اور جن آیات میں سوال کا ذکر ہے وہاں سوال عن الدواعی والموانع مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ دواعی الی الاعمال السیئۃ اور موانع عن الاعمال الحسنۃ کے متعلق سوال ہوگا کہ کونسا داعیہ پیدا ہوا تھا جو تم نے فلاں گناہ کیا اور کونسا مانع پیش آگیا تھا جو تم نے فلاں عمل صالح نہیں کیا پس کوئی تعارض نہیں کیونکہ جس سوال کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں ہے (تفسیر کبیر)

کفار کی دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

پارہ نمبر ۸ و ۱۳ و ۲۴

آیات (۱) قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ پارہ ۸

رکوع ۹ سورۃ الاعراف جلالین صہ ۱۳۰ ◉ ﴿۲﴾ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ پارہ ۱۳ رکوع ۸ سورۃ الرعد جلالین صہ ۲۰۲ ﴿۳﴾ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ پارہ ۲۴ رکوع ۱۰ سورۃ المومن (غافر) جلالین صہ ۳۹۴ ،

تشریح تعارض پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی دعا قبول ہو جاتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے رئیس الکفار ابلیس لعین کی دعا قبول فرمائی ہے اس نے دعا مانگی رَبِّ اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ اے رب مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دینا یعنی قیامت تک زندہ رکھنا حق تعالیٰ نے دعا قبول فرماتے ہوئے فرمایا اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ تجھ کو مہلت دیدی گئی ہے تو جب ابلیس کی دعا قبول ہو گئی تو کفار کی دعا بدرجہ اولیٰ قبول ہو سکتی ہے ابونصر دلبوسی اور دیگر فقہاء اسی کے قائل ہیں مگر دوسری دو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی دعار قبول نہیں ہوتی اس کی دعار بیکار اور باطل ہے ضلٰل سے مراد ضیاع و بطلان ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں

﴿۱﴾ اخیر کی دو آیتوں میں دعا سے مراد بتوں سے دعا مانگنا ہے کافر اگر اللہ سے دعا کرے تو قبول ہو جاتی ہے اور اگر بتوں سے دعا کرے تو ضائع اور باطل ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں (روح المعانی)

﴿۲﴾ پہلی آیت میں امور دنیا سے متعلق دعا کرنا اور اخیر کی دو آیتوں میں امور آخرت سے متعلق دعا کرنا مراد ہے یعنی کافر اگر دنیا سے متعلق دعا کرے تو وہ قبول ہو جاتی ہے جیسا کہ ابلیس کی دعار حیات دنیوی سے متعلق تھی اس لئے قبول ہو گئی اور اگر امور آخرت سے متعلق مثلاً مغفرت یا رفع عذاب یا تخفیف عذاب کی دعا کرتا ہے تو وہ قبول نہیں ہوتی جیسا کہ آیت ثالثہ کے سباق یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ سے معلوم ہوتا ہے ، (روح المعانی وغیرہ)

﴿۳﴾ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ کہنا قبولیت دعا نہیں ہے بلکہ یہ تو ابلیس کی تقدیر اور قضا کا بیان ہے یعنی ہم نے تیری تقدیر میں قیامت تک زندگی پہلے ہی سے لکھدی ہے اگر تو دعار

نہ بھی کرتا تب بھی قیامت تک زندہ رہتا اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ جملہ اسمیہ لانا پھر اس کو اِنَّ کے ساتھ مقید کرنا اسی پر دال ہے اگر یہ جواب قبولیتِ دعا کے طور پر دیا جاتا تو قَدْ اَنْظَرْتُکَ جملہ فعلیہ کے ساتھ ہونا چاہئے تھا کہ میں نے تجھ کو مہلت دیدی ہے تیری دعا قبول کرلی گئی ہے بجائے اس کے اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ارشاد فرمایا مطلب یہ ہے کہ تو تو منظرین میں سے ہے ہی، معلوم ہوا کہ یہ قبولیتِ دعا نہیں ہے پس یہ آیت اخیر کی دونوں آیتوں کے معارض نہیں ہے (روح المعانی، النبراس شرح شرح العقائد)

سماوات وارض کی تخلیق چھ۶ دن میں ہوئی یا آٹھ۸ دن میں؟

پارہ نمبر ۸، ۱۱، ۱۲، ۱۹، ۲۱، ۲۴، ۲۶، ۲۷

آیات (۱) اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ، پارہ ۸ رکوع ۱۴ سورۂ الاعراف جلالین ص۱۳۴ (۲) اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ پارہ ۱۱ رکوع ۶ سورۂ یونس جلالین ص۱۷۰ (۳) وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ پارہ ۱۲ رکوع ۱ سورۂ ھود جلالین ص۱۸۰ (۴) اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ پارہ ۱۹ رکوع ۴ سورۂ الفرقان جلالین ص۳۰۸ (۵) اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ پارہ ۲۱ رکوع ۱۴ سورۂ السجدۃ جلالین ص۳۴۹ (۶) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ پارہ ۲۶ رکوع ۱۷ سورۂ قٓ جلالین ص۴۳۱ (۷) هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ پارہ ۲۷ رکوع ۱۷ سورۂ الحدید جلالین ص۴۴۹

(۸) قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ ــــ الی ان قال ــــ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَا اَقْوَاتَهَا فِیْ

اَرْبَعَۃِ اَیَّامٍ ــــ الیٰ ان قال ــــ فَقَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ

پارہ ۲۴ رکوع ۱۶ سورۂ حٰم سجدۃ (فصلت) جلالین ص ۳۹۷

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ تا ۷ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں زمینوں اور مابینہما کی تخلیق چھ ۶ دن میں فرمائی اور آیت نمبر ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ دن میں پیدا کیا چنانچہ آیت نمبر ۸ میں ارشاد ہے کہ دو دن میں زمین کو پیدا کیا اور چار دن میں پہاڑوں اور کھانے پینے کی چیزوں کو پیدا کیا اس کے بعد دو ۲ دن میں سات آسمان بنائے کل مجموعہ آٹھ دن ہو جاتا ہے پس یہ آیت پہلی سات آیتوں کے بظاہر معارض ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں ،

(۱) آیت نمبر ۸ میں فی اَرْبَعَۃِ اَیَّامٍ میں تمام مضاف محذوف ہے ای فی تَتِمَّۃِ اَرْبَعَۃِ اَیَّامٍ جیسا کہ علامہ زجاج نے اس کی تصریح کی ہے یعنی زمین اور پہاڑوں وغیرہ کی پیدائش پورے چار دن میں ہوئی اس طور پر کہ دو ۲ دن میں زمین اور دو ۲ دن میں پہاڑ وغیرہ پیدا کئے کل چار ۴ دن ہو گئے اس کو حق تعالیٰ نے یوں فرمادیا کہ دو ۲ دن میں زمین اور چار ۴ دن میں جبال واقوات کو پیدا کیا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ محاورات میں بولا جاتا ہے سِرْتُ من البصرۃ الی بغداد فی عشرۃ والکوفۃ فی خمس عشرۃ کہ میں بصرہ سے دس ۱۰ دن میں بغداد پہنچا اور پندرہ ۱۵ دن میں کوفہ پہنچا اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ پندرہ ۱۵ دن دس دن کے علاوہ ہیں اور کوفہ پہنچنے تک پچیس ۲۵ دن ہو گئے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ پندرہ ۱۵ دن پہلے دس ۱۰ دن کو ملا کر ہوئے ہیں کہ دس ۱۰ دن بغداد پہنچنے میں صرف ہوئے اور پانچ ۵ دن کوفہ پہنچنے میں کل ملا کر پندرہ ۱۵ دن ہو گئے (مدارک)

یا جیسا کہ یوں کہا جاتا ہے کہ دو ۲ سال میں تو اس لڑکے کا دودھ چھڑایا اور چار ۴ سال میں مکتب میں بٹھا دیا ظاہر ہے کہ مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ان دو ۲ سال کے علاوہ چار ۴ سال مراد ہیں جس سے کل چھ ۶ سال ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ دودھ چھڑانے کے دو ۲ سال بعد جب لڑکا

چار سال کا ہوگیا تو مکتب میں بٹھا دیا پس یہ چار سال پہلے دو سال کو ملا کر مراد ہوتے ہیں اسی طرح آیت شریفہ میں اربعۃ ایام تخلیق ارض کے دو دنوں کو ملا کر مراد ہیں (بیان القرآن)

(۲) علامہ زمخشری نے توجیہ یہ کی ہے کہ "فی اربعۃ ایام" جعل مذکور کا ظرف نہیں ہے بلکہ کائن محذوف سے متعلق ہو کر مبتدا مقدر کی خبر واقع ہے عبارت اس طرح ہے وکل ذلک من خلق الارض وما بعدہ کائن فی اربعۃ ایام اور یہ دراصل تفصیل کا خلاصہ ہے جیسے حساب کرنے کے بعد اخیر میں کل میزان لگا دی جاتی ہے ایسا ہی یہاں پر ہے کہ دو دن میں زمین کو پیدا کیا اور دو دن میں جبال واقوات کو ان سب ایام کی کل میزان اربعۃ ایام ہوگئی لیکن سوال یہ ہے کہ جب چند اعداد کی میزان لگائی جاتی ہے تو ان سب اعداد کی تصریح کرنا ضروری ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے سرت من البصرۃ الی واسط فی یومین ومن واسط الی الکوفۃ فی یومین فذلک اربعۃ ایام میں بصرہ سے واسط تک دو دن میں پہنچا اور واسط سے کوفہ تک دو دن میں پس یہ کل ملا کر چار دن ہوگئے اور آیت شریفہ میں صرف ارض کے متعلق یومین کی تصریح ہے جبال واقوات کے متعلق یومین نہیں فرمایا تو اخیر میں میزان لگانا کیسے درست ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ میزان لگانے میں دونوں عددوں کا علم کافی ہوتا ہے الفاظ میں تصریح ضروری نہیں ہے (روح المعانی)

بہر حال ان دونوں توجیہوں کے سامنے آنے کے بعد واضح ہوگیا کہ اس آیت نمبر ۳ میں بھی ستۃ ایام ہی مراد ہیں پس یہ آیت آیات سابقہ کے معارض نہیں رہی۔

حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت پر انکی قوم نے کیا جواب دیا؟

پارہ نمبر ۸ و ۱۹ و ۲۰

آیات (۱) وَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ الآیۃ پارہ ۸ رکوع ۱۷ سورۃ الاعراف جلالین ص ۱۳۶ (۲) فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ

پارہ ۱۹ رکوع ۱۹ سورۂ النمل جلالین ص ۳۲۲ ● (۳) فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ الآیۃ پارہ ۲۰ رکوع ۱۵ سورۂ العنکبوت جلالین ص ۳۳۷

تشریح تعارض پہلی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور لواطت سے منع کیا تو قوم کا جواب صرف یہ تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی آل کو بستی سے نکال دو اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا جواب نہیں دیا تھا کیونکہ نفی واستثنار کیساتھ کلام کرنا مفید حصر ہوتا ہے یعنی جواب قوم منحصر ہے آل لوط کو بستی سے نکالنے میں اور آیت نمبر ۳ میں فرمایا کہ قوم کا جواب صرف یہ تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے اوپر اللہ کا عذاب نازل کرا دیجئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا جواب نہیں تھا، پس ان دونوں حصروں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

(۱) اختلاف زمان پر محمول ہے حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو بار بار نصیحت و توبیخ فرمائی پہلی مرتبہ جب نصیحت فرمائی تو قوم نے صرف یہ جواب دیا ائتنا بعذاب اللہ ان کنت من الصادقین جو کہ آیت نمبر ۳ میں مذکور ہے اس کے بعد جب دوبارہ نصیحت و توبیخ کی تو قوم نے صرف یہ جواب دیا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ الخ امام ابوحیان اور ان کی اتباع میں علامہ ابوالسعود نے یہی توجیہ فرمائی ہے دلیل اس توجیہ کی یہ ہے کہ جب کسی کو وعظ و نصیحت اور زجر و توبیخ کی جاتی ہے تو پہلے نمبر پر تو وہ تکذیب واستہزا کرتا ہے اور ان کا قول ائتنا بعذاب اللہ ان کنت من الصادقین تکذیب واستہزا ہی کے قبیل سے ہے اس کے بعد جب دوبارہ وعظ توبیخ کی جاتی ہے تو آدمی غصہ ہو کر اور تنگ آکر انتقام و تعذیب پر آمادہ ہوتا ہے کہ اس ناصح کو بستی سے نکالدینا چاہیئے یا قتل کر دینا چاہیئے اور قوم لوط کا یہ قول أَخْرِجُوهُمْ من قریتکم انتقام وتعذیب ہی کے قبیل سے ہے (روح المعانی)

(۲) اختلاف زمان ہی پر محمول ہے مگر صورت یہ ہے کہ جس وقت حضرت لوط علیہ السلام قوم کو نصیحت کرتے تھے اس وقت تو وہ لوگ ان کو صرف یہ جواب دیتے تھے کہ ائتنا بعذاب

اللہ ان کنت من الصادقین اور جب آپس میں بیٹھ کر مشورہ کرتے تھے اور ایک دوسرے سے معلوم کرتے تھے کہ ان کا کیا کرنا چاہیے تو آپس میں ان کا جواب صرف یہ ہوتا تھا اَخْرِجُوْهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ پس پہلی دو آیتیں مشورہ کے وقت پر محمول ہیں اور تیسری آیت حضرتِ لوط علیہ السلام کے نصیحت کرنے کے وقت پر محمول ہے (روح المعانی)

(۳) اختلافِ اشخاص پر محمول ہے یعنی ان دونوں جوابوں میں سے ایک جواب تو قوم کے اُمراء اور سرداروں کا ہوتا تھا اور دوسرا جواب عوام الناس دیا کرتے تھے یا تو یہ کہا جائے کہ اُمراء اور خواص تو ائتنا بعذاب اللہ کہتے تھے اور عوام الناس اخرجوھم من قریتکم کہا کرتے تھے یا اس کے برعکس، (روح المعانی)

قوم ثمود پر کونسا عذاب آیا؟

پارہ نمبر ۸، ۱۲، ۱۴، ۲۴، ۲۷، ۲۹

آیات (۱) فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ پارہ ۸ رکوع ۱۷ سورۂ الاعراف جلالین ص ۱۳۶ (۲) وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ پارہ ۱۲ رکوع ۶ سورۂ ھود جلالین ص ۱۸۵، (۳) فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ پارہ ۱۴ رکوع ۶ سورۂ الحجر جلالین ص ۲۱۴ (۴) اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ پارہ ۲۷ رکوع ۹ سورۂ القمر جلالین ص ۴۴۲ (۵) فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ پارہ ۲۹ رکوع ۵ سورۂ الحاقۃ جلالین ص ۴۷۱ (۶) فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ پارہ ۲۴ رکوع ۱۶ سورۂ حٰم سجدہ جلالین ص ۳۹۷ (۷) فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ پارہ ۲۴ رکوع ۱۶ سورۂ حٰم سجدہ جلالین ص ۳۹۸ (۸) فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ

پارہ ۲۷ رکوع ۱ سورۂ الذٰریٰت جلالین ص۴۳۴

تشریح تعارض ان آیات میں قوم ثمود پر آنے والے عذاب کو بیان فرمایا ہے مگر عذاب کی نوعیت کیا تھی؟ اس بارے میں یہ آیات متعارض ہیں آیت نمبر ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ رَجفَہ سے ہلاک کیا گیا جس کے معنی زلزلۂ شدیدہ کے آتے ہیں اور آیت نمبر ۲ و ۳ و ۴ و ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ صیحہ اور طاغیہ سے ہلاک کیا گیا صیحہ اور طاغیہ کے معنی صوتِ شدید اور چیخ کے آتے ہیں طاغیہ طغیٰ یطغو سے ماخوذ ہے بمعنی سرکشی کرنا حد سے تجاوز کرنا مراد اس سے ایسی آواز جو شدت میں تمام آوازوں سے تجاوز کر جانیوالی تھی حضرتِ ابن عباسؓ اور قتادہ سے طاغیہ کی تفسیر صیحہ سے منقول ہے اور آیت نمبر ۶ و ۷ و ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ صاعقہ سے ہلاک کیا گیا صاعقہ کے معنی آسمان سے گرنے والی بجلی کے آتے ہیں پس اِن آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ قوم ثمود پر جب عذاب آیا تو اوّلاً حضرت جبریل علیہ السلام نے آسمان سے ایک چیخ ماری اس چیخ کی وجہ سے زمین میں زلزلہ پیدا ہوا جس سے یہ لوگ ہلاک ہوگئے پس ہلاکت کا سبب رَجفَہ اور رَجفَہ کا سبب صَیحَہ ہے پس کہیں تو سببِ قریب یعنی رَجفَہ کو ذکر کر دیا اور کسی جگہ سببِ بعید یعنی صیحہ کو ذکر فرما دیا اور صاعقہ کے معنی لغت میں مطلق عذاب کے بھی آتے ہیں اس لئے بعض آیات میں اس کو صاعقہ سے تعبیر فرما دیا اور چونکہ یہ عذاب حد سے متجاوز تھا اس لئے آیت نمبر ۵ میں اس کو طاغیہ سے تعبیر کر دیا گیا پس کوئی تعارض نہیں، (روح المعانی وصاوی وغیرہ)

حضرت شعیبؑ کی قوم کونسے عذاب سے ہلاک ہوئی؟

پارہ نمبر ۹، ۱۲، ۱۹، ۲۰

آیات ① فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ

پارہ ۹ رکوع ۱ سورۂ الاعراف جلالین ص۱۳۷ ② فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

پارہ نمبر ۲۰ رکوع ع۱۶ سورۂ العنکبوت جلالین صفحہ ۳۳۵ ◉ (۳) وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَۃُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ پارہ نمبر ۱۲ رکوع ع۸ سورۂ ھود جلالین صفحہ ۱۸۷

◉ (۴) فَاَخَذَھُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّۃِ پارہ نمبر ۱۹ رکوع ع۱۴ سورۂ الشعرآء جلالین صفحہ ۳۱۵

تشریح تعارض ان آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر آنے والے عذاب کا ذکر ہے مگر نوعیت عذاب میں یہ آیات متعارض ہیں آیت نمبر ۱ و ۲ میں رَجْفَہ (زلزلۂ شدیدہ) کا ذکر ہے آیت نمبر ۳ میں ہے کہ صَیْحَہ (چیخ) سے ہلاک کیا گیا اور آیت نمبر ۴ میں ہے کہ یوم ظُلّہ کے عذاب نے ان کو پکڑ لیا ظُلّہ کے معنی سائے کے آتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ سائے کے عذاب سے ہلاک کیا گیا پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس مقام پر بھی وہی توجیہ جاری ہوگی جو اوپر قوم ثمود کے بارے میں ذکر کی گئی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ سے زلزلہ پیدا ہوا جس سے یہ لوگ ہلاک ہوگئے پہلی دو آیتوں میں سبب قریب اور آیت نمبر ۳ میں سبب بعید کی طرف نسبت کردی گئی رہی چوتھی آیت جس میں عذاب یوم الظلہ کا ذکر ہے تو یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دوسری قوم اصحاب ایکہ کے بارے میں ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحاب ایکہ اور اہل مدین دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا اہل مدین تو صَیْحَہ اور رَجْفَہ سے ہلاک ہوئے اور اصحاب ایکہ کو ظلّہ کے عذاب سے ہلاک کیا ظُلّہ کے معنی سائے کے ہیں سایہ سے مراد بادل کا سایہ ہے جو آگ بن کر اُن پر برس پڑا تھا حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ اصحاب ایکہ پر اللہ نے شدید گرمی نازل فرمائی جس سے ان کا دَم گھٹنے لگا تو وہ گھروں میں داخل ہوگئے گرمی گھروں کے اندر گھس گئی وہ وہاں سے نکلے اور بھاگ کر جنگل میں چلے گئے تو اللہ نے ایک بادل بھیجا جس نے ان پر سایہ کرلیا ان کو ٹھنڈک اور لذت محسوس ہوئی تو ایک نے دوسرے کو پکارا کہ یہاں آجاؤ یہاں راحت ہے سب لوگ اس بادل کے سائے کے نیچے جمع ہوگئے تو اللہ نے اس بادل کو آگ بنا کر ان پر نازل کردیا وہ آگ ان سب کو کھا گئی اخرجہ عبد بن حمید وابن جریر

وابن المنذر وابن ابی حاتم والحاکم (روح المعانی ومظہری، جمل وصاوی وغیرہ)

حضرت موسیٰؑ کا عصا بطور معجزہ باریک اور چھوٹا سانپ بنتا تھا یا بڑا اژدہا

پارہ نمبر ۹ ، ۱۶ ، ۱۹ ، ۲۰

آیات (۱) فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ پارہ ۹ رکوع ۳ سورۃ الاعراف جلالین ص۱۳۸ (۲) فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ پارہ ۱۹ رکوع ۶ سورۃ الشعراء جلالین ص۳۱۰ (۳) فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی پارہ ۱۶ رکوع ۱۰ سورۃ طٰہٰ جلالین ص۲۶۱ (۴) فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا پارہ ۱۹ رکوع ۱۶ سورۃ النمل جلالین ص۳۱۷ (۵) فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا پارہ ۲۰ رکوع ۷ سورۃ القصص جلالین ص۳۲۹

تشریح تعارض حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا معجزہ کے طور پر جو سانپ بن جاتا تھا اس کو آیت نمبر ۱ و ۲ میں تو ثعبان سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی بڑے سانپ کے آتے ہیں جس کو اژدھا کہا جاتا ہے اور آیت نمبر ۳ میں حَیَّہ فرمایا جس کے معنی مطلق سانپ خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، اور آیت نمبر ۴ و ۵ میں جَآن سے تعبیر فرمایا جس کے معنی پتلے اور چھوٹے سانپ کے آتے ہیں پس ان میں سے تیسری آیت تو معارض نہیں ہے کیونکہ لفظ حَیَّۃ تو ثعبان اور جَآن دونوں کو شامل ہے البتہ آیت نمبر ۱ و ۲ اور آیت نمبر ۴ میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں

(۱) اختلافِ احوال یا ازمان پر محمول ہے یعنی ابتداء میں تو وہ چھوٹا سانپ بنا جو عصا کے بقدر موٹا تھا پھر وہ پھولتا گیا اور بڑا ہوتا گیا یہاں تک کہ بہت بڑا اژدھا بن گیا، حالتِ ابتداء کے اعتبار سے جان کہدیا گیا اور حالتِ انتہاء کے اعتبار سے ثعبان سے تعبیر کردیا گیا، (بیضاوی، خازن، مدارک وغیرہ)

(۲) اختلاف جہت پر محمول ہے جُثہ اور ہیئت کے اعتبار سے وہ بڑا اژدھا تھا اور سرعت مشی (تیز دوڑنے) کے اعتبار سے پتلے سانپ کی طرح تھا پتلا سانپ بہ نسبت موٹے سانپ کے تیز دوڑتا ہے پس وہ سانپ ثعبان تھا من جہۃ الجثۃ والہیئۃ اور جانّ تھا من جہۃ سرعۃ المشی و لاتعارض بعد اختلاف الجہات (خازن، مدارک، جلالین وغیرہ)

جادوگروں نے ایمان لاتے وقت اٰمنا برب موسیٰ وھارون کہا تھا یا برب ھارون وموسیٰ؟

پارہ نمبر ۹ و ۱۶ و ۱۹

آیات (۱) قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَھٰرُوْنَ پارہ ۹ رکوع ۴ سورۃ الاعراف جلالین ص۱۳۸ (۲) قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَھٰرُوْنَ پارہ ۱۹ رکوع ۷ سورۃ الشعراء جلالین ص۳۱۱ (۳) قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ ھٰرُوْنَ وَمُوْسٰى پارہ ۱۶ رکوع ۱۲ سورہ طٰہٰ جلالین ص۲۶۴

تشریح تعارض جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے والے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کی حقانیت کو پہچان لیا تو ایک دم سجدہ میں گر گئے اور مشرف با یمان ہو گئے انھوں نے ایمان کا اظہار کن الفاظ میں کیا اس بارے میں پہلی دو آیتوں میں تو فرمایا کہ انھوں نے کہا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَھٰرُوْنَ یعنی موسیٰ کو ھارون پر مقدم کیا اور تیسری آیت میں ہے کہ انھوں نے کہا اٰمَنَّا بِرَبِّ ھٰرُوْنَ وَمُوْسٰى یعنی ہارون کو موسیٰ پر مقدم کر کے کہا پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

(۱) ساحرین کا مقولہ تو "رب موسیٰ وہارون" ہی ہے انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو مقدم کیا اس لئے کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام سے اشرف ہیں اور نبوت ورسالت میں اصل ہیں حضرت ہارون علیہ السلام ان کے تابع اور وزیر ومعین تھے مگر سورۂ طٰہٰ میں حق تعالیٰ نے رعایت فاصلہ

کی وجہ سے رَبِّ ھٰرُوْنَ وَمُوْسٰی فرمادیا، رعایتِ فاصلہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کلام اللہ کے چند جملوں کے آخری حروف میں توافق پیدا ہو جائے چنانچہ اس آیت سے پہلی اور بعد کی آیات کے اخیر میں اَعْلٰی، اَتٰی، اَبْقٰی کے الفاظ آئے ہیں اس مُناسبت سے رَبِّ ہَارُوْن مُوْسٰی کہدیا گیا تاکہ ان سب آیات کے آخری کلمات میں توافق پیدا ہو جائے اگر رَبِّ موسیٰ وھٰرون کہا جاتا تو توافق پیدا نہ ہوتا، (روح المعانی)

(۲) ساحرین کا مقولہ رَبِّ ہَارُوْن وَمُوْسٰی تھا یعنی انھوں نے ہارون کو موسیٰ پر مقدم کر کے کہا تھا یا تو اس وجہ سے کہ ھارون علیہ السلام عُمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے یا اس وجہ سے کہ اگر رَبِّ موسیٰ و ہارون کہتے تو ربِّ موسیٰ کا لفظ سنتے ہی اول وہلہ میں فرعون یہ سمجھتا کہ یہ جادوگر مجھ پر ایمان لا رہے ہیں اس لئے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کا مجازی رَبّ یعنی پرورش کرنے والا تھا پس و ھٰرون کہنے سے پہلے پہلے فرعون یہ خیال کرتا کہ ربِّ موسیٰ سے مراد میری ذات ہے اور یہ لوگ مجھ پر ایمان لا رہے ہیں اگرچہ و ہارون کہنے کے بعد یہ وہم دور ہو جاتا مگر اوّلِ امر میں ایک لمحہ کیلئے تو اس کو یہ وہم باطل ہو ہی جاتا اس لئے جادوگروں نے اوّل وہلہ ہی سے اس کے توہّم باطل کو ختم کرنے کیلئے ھٰرون علیہ السلام کو مقدم کیا اور رَبِّ ھَارون و موسیٰ کہا تاکہ اس لعین و مردود کو ایک لمحہ کیلئے بھی اس توہّم باطل کا موقع نہ ملے

بہرحال ساحرین کا مقولہ تو رَبِّ ھَارُوْنَ وَمُوْسٰی تھا مگر حق تعالیٰ نے سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں ان کے مقولہ کو نقل کرتے وقت موسیٰ کو ان کے اشرف اور اصل ہونے کی وجہ سے یا رعایتِ فاصلہ کی وجہ سے مقدم کر کے رَبِّ ھَارُوْنَ وَمُوْسٰی فرمادیا کیونکہ اعراف اور شعراء میں اس آیت سے پہلی اور بعد کی آیات کا اختتام نون کے ساتھ ہے (روح المعانی)

(۳) علامہ ابوحیان فرماتے ہیں کہ دونوں مقولوں کے قائلین جُدا جُدا ہیں جادوگروں کی ایک جماعت نے رَبِّ موسیٰ وھارون کہا تھا اور دوسری جماعت نے رَبِّ ھَارون و موسیٰ کہا تھا اور جب دو متعارض مقولوں کے قائلین جُدا جُدا ہوں تو کوئی تعارض نہیں رہتا، لیکن سوال

یہ ہے کہ جب قائلین جُداجُدا ہیں تو قال بعضہم قال بعضہم کہنا چاہئے تھا ہر مقولہ کی نسبت سب کی طرف کرکے دونوں جگہ قَالُوا کیسے کہدیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں مقولوں کا مقصد و مفہوم چونکہ متحد تھا کہ موسیٰ وھارون دونوں کے رب پر ایمان لانا مقصود تھا نہ کہ تقدیم و تاخیر اس لئے ہر مقولہ کی نسبت سب کی طرف کردی گئی، (روح المعانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطانی وسوسہ کا اثر ہوتا تھا یا نہیں؟

پارہ نمبر ۹ و ۱۴

آیات (۱) وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ پارہ ۹ رکوع ۱۴ سورہ الاعراف جلالین ص ۱۴۶ و ۱۴۷ (۲) اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ پارہ ۱۴ رکوع ۳ سورہ الحجر جلالین ص ۲۱۳ (۳) اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ پارہ ۱۴ رکوع ۱۹ سورہ النحل جلالین ص ۲۲۶

تشریح تعارض پہلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں شیطان وسوسہ ڈال سکتا ہے اور آیت نمبر ۲ میں حق تعالیٰ نے شیطان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے مخلص[له] بندوں پر تیرا تسلط نہیں ہے (تو ان کے قلوب میں وساوس نہیں ڈال سکتا ان کو ضلالت و معاصی پر آمادہ

له اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ میں عباد کی اضافت یائے متکلم کی طرف اضافت عہدیہ ہے مراد عباد مخلصین ہیں جن کا ذکر اس سے اوپر کی آیت اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ میں آیا ہے اس لئے ترجمہ "مخلص بندوں" کیا گیا ہے ۱۲ ماخوذ من حاشیۂ بیان القرآن

نہیں کرسکتا اسی طرح آیت نمبر ۳ میں ارشاد ہے کہ اہلِ ایمان اور اہلِ توکل پر شیطان کو تسلط حاصل نہیں ہے ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے مخلص و متوکل بندوں پر شیطان کا کوئی تسلط و تصرف نہیں چلتا جن میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اوّل درجہ میں داخل ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین مخلصین اور اہلِ توکل وساوسِ شیطانیہ سے محفوظ رہتے ہیں پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے پانچ جواب ہیں،

(۱) آیت نمبر ۱ میں "وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ" علی سبیل الفرض والتقدیر کہا گیا ہے کہ اگر بالفرض آپ کو شیطانی وسوسہ آنے لگے تو استعاذہ کیجئے مگر اس کا کبھی وقوع نہیں ہوا، آپ کا قلبِ مبارک شیطانی وساوس سے بالکل محفوظ رہا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک جگہ ارشاد ہے لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر بفرضِ محال آپ نے شرک کر لیا تو آپ کے سارے اعمال بیکار ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کا صدور محال ہے پس یہ آیت وقوعِ وسوسہ پر دلالت نہیں کرتی لہٰذا یہ اخیر کی دونوں آیتوں کے معارض نہیں ہوگی، (تفسیر کبیر، روح المعانی، تفسیر خازن)

(۲) نزغِ شیطان سے مراد مجازاً غصہ وغضب کا پیش آجانا ہے شیطانی وسوسہ وتصرف مراد نہیں ہے کہ اگر آپ کو کبھی غصہ لاحق ہو جائے تو آپ اس کے مقتضیٰ پر عمل نہ کیجئے بلکہ استعاذہ کیجئے اس سے غصہ دور ہو جائے گا، غصہ لاحق ہو جانے کو مجازاً نزغِ شیطان سے تعبیر کر دیا گیا اس کی تائید اس آیت کے شانِ نزول سے ہوتی ہے جو تفسیر مظہری میں مذکور ہے حضرت عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ جب خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ الخ نازل ہوئی جس میں آپ کو معاف کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے حق تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا "کیف یارب والغضب" کہ اے رب اگر غصہ آجائے تو کیا کروں تو یہ آیت نازل ہوئی وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ کہ اگر غصہ آجائے تو استعاذہ کیجئے حق تعالیٰ غصہ دور فرما دیں گے،

معلوم ہوا کہ آیت میں نزغ شیطان سے مراد غضب ہے پس یہ آیت اخیر کی دونوں آیتوں کے معارض نہیں ہے، (روح المعانی، مدارک، تفسیر مظہری)

(۳) آیت نمبر ۲ و ۳ میں جو شیطان کے تسلط کی نفی کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ انبیا علیہم السلام اور اولیا مخلصین و متوکلین سے کوئی گناہ کرادے ہاں گناہ کی رائے دے سکتا ہے مگر حق تعالیٰ نے ان حضرات کو اس کی رائے اور وسوسہ کو قبول کرنے سے محفوظ و معصوم کر دیا ہے پس آیت نمبر ۱ میں وسوسۂ شیطان سے مراد گناہ کی رائے دینا ہے نہ کہ گناہ کرانا لہٰذا اثبات گناہ کی رائے دینے کا ہوا اور نفی تسلط علی اصدار الذنب کی ہے فلا تعارض،

البتہ اس صورت میں شیطان سے مراد وہ شیطانِ قرین نہیں ہے جو ہر شخص کے ساتھ رہکر اس کو بُری باتوں کا حکم کرتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان قرین آپ کو گناہ کی رائے بھی نہیں دیتا ہے بلکہ نیکی اور خیر کا حکم کرتا ہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں تصریح ہے،

عن ابن مسعود رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احدٍ الّا وقد وُکّل بہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملٰئکۃ قالوا وایاك یارسول اللہ قال وایای الا ان اللہ اعاننی علیہ فاَسْلَمَ فلا یامرنی الا بخیر (رواہ مسلم) خازن ص ۱۷۱/۳

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک ساتھی شیاطین میں سے اور ایک ساتھی ملائکہ میں سے مقرر کیا گیا ہے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کے ساتھ بھی (شیطان) رہتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا میرے ساتھ بھی، مگر اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی ہے پس میرا ساتھی شیطان مسلمان[1] ہو گیا ہے وہ مجھ کو خیر کی بات ہی کا حکم کرتا ہے، (گناہ کا

---

[1] یہ ترجمہ اس وقت ہوگا جبکہ حدیث میں فاَسْلَمَ کو میم کے فتح کے ساتھ صیغہ ماضی پڑھا جائے قاضی عیاض رحمہ نے اسی کو ترجیح دی ہے اس کی تائید حدیث سے آخری الفاظ فلا یامرنی الا بخیر سے ہوتی ہے کیونکہ خیر اور نیکی کا حکم

باقی برص ۱۶۸

حکم نہیں کرتا) لہٰذا آیت شریفہ میں شیطان سے مراد یہ شیطانِ قرین نہیں ہو سکتا بلکہ شیطانِ معروف مراد ہے اور شیطانِ معروف کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس احیاناً آجانا کوئی محال نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک بار شیطان ایک آگ کا شعلہ لیکر آپ کو تکلیف پہنچانے کیلئے آیا تھا پس شیطان آپ کے پاس آکر آپ کو کسی گناہ کی رائے بھی دے سکتا ہے مگر حق تعالیٰ اس کی رائے قبول کرنے سے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں شیطان کو یہ قدرت اور تسلّط نہیں ہے کہ آپ سے گناہ کرا دے (بیان القرآن وتفسیر خازن)

۴ آیتِ اولیٰ میں اگرچہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر مُراد آپ کا غیر ہے مطلب یہ ہے وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ اَیُّهَا الْاِنْسَانُ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اور عوام الناس پر خصوصاً گنہگاروں پر شیطانی وساوس کا جاری ہونا اور شیطان کا ان پر تسلّط ہونا محال نہیں بلکہ واقع ہے جیسا کہ آیت نمبر ۲ میں ارشاد ہے اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ اور دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ شیطان سے دوستی رکھنے والوں اور گمراہوں پر شیطان کا تسلّط چلتا ہے (خازن وغیرہ)

۵ آیتِ اولیٰ میں شیطانی وسوسہ کے مؤثر ہونے سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافِ اولیٰ وخلافِ افضل امر کا صادر ہو جانا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وسوسہ شیطان کبھی کبھی صرف اتنی حد تک مؤثر ہو سکتا ہے کہ ترکِ اولیٰ و افضل کا صدور ہو جائے اس کے متعلق فرمایا کہ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو استعاذہ کر لیا کیجئے پس آیت نمبر ۱ میں اثبات خلافِ اولیٰ وافضل کے صدور سے متعلق وسوسہ کا ہے اور آیتِ نمبر ۲ و ۳ میں نفی صدورِ ذنب وخطار سے متعلق تسلّط کی ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں، (تفسیر کبیر)

(بقیہ صفحہ ۱۶۷) قرین مسلم ہی کر سکتا ہے نہ کہ شیطانِ کافر، اور دوسرا احتمال میم کے ضمہ کے ساتھ صیغۂ مضارع ہونے کا ہے علامہ خطابیؒ نے اسی کو صحیح ومختار کہا ہے اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ میں اس کے شر وفتنہ سے سلامت ومحفوظ رہتا ہوں (خازن)

مؤمنین کے قلوب اللہ کے ذکر سے خوف زدہ ہوتے ہیں یا مطمئن؟

پارہ نمبر ۹ و ۱۳

آیات (١) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ الآیۃ پارہ ۹ رکوع ۱۵ سورہ الانفال جلالین ص ۱۴۷ ◉ (٢) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ پارہ ۱۳ رکوع ۱۰ سورۃ الرعد جلالین ص ۲۰۳

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ذکر سے مؤمنین کے قلوب پر خوف طاری ہوجاتا ہے وَجِلَتْ، وَجَل سے ماخوذ ہے بمعنی خوف، اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور خوف و اطمینان دو متعارض چیزیں ہیں پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں

(١) آیت نمبر ۱ میں ذکرِ عقاب اور آیت نمبر ۲ میں ذکرِ رحمت مراد ہے یعنی مؤمن بندوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کے عقاب کا ذکر سن کر ان کے قلوب پر خوف طاری ہوجاتا ہے اور اللہ کی رحمت کے ذکر سے ان کے قلوب مطمئن ہوجاتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (اللہ نے بڑا عمدہ کلام نازل کیا ہے جو باہم ملتی جلتی کتاب ہے بار بار دہرائی گئی ہے (یعنی وعدو وعید اور عذاب و رحمت کے مضامین کو بار بار ذکر کیا گیا ہے) اس (کے اندر بیان کئے ہوئے وعید کے مضامین کے ذکر) سے ان لوگوں کی کھالیں کانپ جاتی ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر (جب وعدو رحمت کا ذکر آتا ہے تو) ان کی کھالیں اور قلوب اللہ کے ذکرِ (رحمت) سے نرم (اور مطمئن) ہوجاتے ہیں، صاحبِ جلالین نے اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی ہے بہر حال خوف اور اطمینان کا طاری ہونا دو مختلف اعتبارات سے ہوا اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے (تفسیر کبیر، روح المعانی، جلالین)

(۲) آیت نمبر ۲ میں اطمینان سے مراد قلب کی ٹھنڈک اور توحید و معرفت کے نور سے شرحِ صدر ہوجانا ہے اور جب یہ شئے انسان کو حاصل ہوجاتی ہے تو حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا خوف اس کے قلب پر ہر وقت طاری رہتا ہے پس یہ اطمینان خوف کے منافی نہیں ہے لہذا کوئی تعارض نہیں (تفسیر خازن و روح المعانی)

(۳) اطمینان بذکر اللہ سے مراد اللہ کی قسم کھانے سے اطمینانِ قلب حاصل ہوجانا ہے چنانچہ جب آدمی اللہ کی قسم کھاکر کوئی بات بیان کرتا ہے تو مومن کے قلب کو اطمینان ہوجاتا ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہی تفسیر منقول ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اطمینان اللہ کی عظمت و جلالت اور اللہ کے عقاب و وعید کے خوف کے منافی نہیں ہے پس کوئی تعارض نہیں، (تفسیر قرطبی و خازن)

غزوۂ بدر میں کفار پر کنکریاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینکی یا اللہ نے؟

پارہ نمبر ۹

آیت (۱) وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى پارہ ۹ رکوع ۱۶ سورۂ الانفال جلالین ص ۱۴۹

تشریحِ تعارض جب غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی اور کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کے اوپر پھینکی تھی تو وہ تمام کفار کی آنکھوں میں جاکر گری تھی اس کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ کہ جب آپ نے مٹی پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی اس آیت کے جزءِ اول وَمَا رَمَيْتَ اور جزءِ ثانی اِذْ رَمَيْتَ میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے کہ جزءِ اول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمی کی نفی کی گئی ہے اور جزءِ ثانی میں رمی کا اثبات ہے اور نفی و اثبات میں تعارض و تناقض ہوتا ہے،

دفعِ تعارض اس تعارض کے چار جواب ہیں

(۱) نفی حقیقت کے اعتبار سے ہے اور اثبات صورت اور ظاہر کے اعتبار سے ہے نفی و اثبات

کی جہت بدل جانے سے تعارض نہیں رہتا مطلب یہ ہے کہ وَمَارَمَیْتَ حَقِیْقَۃً اِذْ رَمَیْتَ صُوْرَۃً وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی فِی الْحَقِیْقَۃِ یعنی ظاہر میں تو وہ کنکریاں آپ نے پھینکی مگر حقیقت میں آپ نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکیں اسی لئے تو اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک مٹھی بھر خاک اور کنکریاں پورے لشکر کی آنکھوں میں بھر گئیں لشکر کا کوئی فرد بھی ایسا باقی نہ رہا جس کی آنکھوں میں یہ دھول اور کنکریاں نہ پہنچی ہوں اور سب پر ایک رُعب طاری ہوگیا ان میں بھگدڑ مچ گئی، مٹھی بھر کنکریوں میں یہ اثر پیدا کر دینا درحقیقت حق تعالیٰ ہی کی شان ہے کسی بشر کے بس کی بات نہیں ہے اگر حقیقۃً آپ پھینکتے تو چونکہ آپ بشر ہیں اس لئے اس کا اثر اتنا ہی ظاہر ہوتا جتنا کہ ایک بشر کے پھینکنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ (روح المعانی و مدارک)

(۲) نفی خلق کے اعتبار سے ہے اور اثبات کسب کے اعتبار سے ہے بندہ اپنے فعل کا صرف کاسب ہوتا ہے خالق حق تعالیٰ ہوتے ہیں مطلب یہ ہوگا وَمَارَمَیْتَ خَلْقاً اِذْ رَمَیْتَ کَسْباً وَلٰکِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الرَّمْیَ پھینکنے کا کسب آپ نے کیا مگر خلق آپ نے نہیں کیا بلکہ حق تعالیٰ نے کیا (تفسیر کبیر)

(۳) وَمَارَمَیْتَ سے مراد وَمَابَلَغْتَ الرَّمْیَ ہے اثبات رمی کا ہے اور نفی ابلاغ رمی کی ہے معنی یہ ہیں کہ جب آپ نے مٹھی پھینکی تو اس کو کفار تک آپ نے نہیں پہنچایا بلکہ اللہ نے پہنچایا جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں فلا تعارض، یہ جواب جواب اول کے قریب قریب ہے تعبیر مختلف ہے (تفسیر خازن)

(۴) وَمَارَمَیْتَ سے مراد وَمَارَمَیْتَ بِالرُّعْبِ اور اِذْ رَمَیْتَ سے مراد رَمَیْتَ بِالحصبار ہے یعنی وَمَارَمَیْتَ بِالرُّعْبِ اِذْ رَمَیْتَ بِالحصبار وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی بِالرُّعْبِ کہ کنکریاں تو ان کے اوپر آپ نے ڈالیں مگر رُعب ان کے اوپر آپ نے نہیں ڈالا بلکہ رُعب تو حق تعالیٰ نے ڈالا نفی و اثبات کا تعلق دو مختلف چیزوں سے ہونے کی وجہ سے کوئی تعارض نہیں رہا۔ (خازن و روح المعانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کفار پر عذاب آسکتا ہے یا نہیں؟

آیات ① وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ پارہ ۹ رکوع ۱۸ سورۃ الانفال جلالین ص ۱۵۰ ② وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الآیۃ پارہ ۹ رکوع ۱۸ سورۃ الانفال جلالین ص ۱۵۰ ،

تشریح تعارض پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ جب تک آپؐ ان میں موجود ہیں آپ کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو عذاب نہیں دیں گے نیز جب تک یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے اللہ ان کو عذاب نہیں دیں گے اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ ان کو عذاب کیوں نہ دیں (کیا وجہ ہے کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے) حالانکہ یہ لوگ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے کہ پہلے تو حق تعالیٰ نے عذاب کی نفی فرمائی کہ آپ کے ان میں ہوتے ہوئے اور ان کے استغفار کرنے کی حالت میں ان کو عذاب نہیں دیں گے پھر فرمایا کہ ان کو عذاب دیا جائے گا اور ان کے استغفار کی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی ،

دفع تعارض اس تعارض کے پانچ جواب ہیں ،

① حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آیت نمبر ۱ منسوخ اور آیت نمبر ۲ اس کیلئے ناسخ ہے ، مشرکین مکہ طواف کرتے وقت تلبیہ میں غُفْرَانَکَ غُفْرَانَکَ کہا کرتے تھے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تک آپؐ ان میں موجود ہیں اور یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا پھر حق تعالیٰ نے اس کو منسوخ فرمادیا اور یہ آیت نازل فرمائی وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ الخ کیا وجہ ہے کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے الخ یعنی ان کو عذاب دیا جائے گا چنانچہ حق تعالیٰ نے اہل مکہ پر قحط سالی اور بھوک کا عذاب نازل فرمایا (ابن کثیر)

مگر یہ جواب قابل اشکال ہے اس لئے کہ اخبار میں نسخ جاری نہیں ہوتا اِلّا یہ کہ وہ خبر کسی حکم شرعی پر مشتمل ہو اور بظاہر یہ خبر کسی حکم شرعی کو متضمن نہیں ہے (روح المعانی)

(۲) عذاب کی نفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے مکہ میں ہونے کی حالت میں اور عذاب کا اثبات آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے مکہ سے نکل جانے اور ہجرت کر جانے کے بعد پر محمول ہے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تک آپ ان میں موجود رہیں گے اُس وقت تک ان پر عذاب نہیں آئے گا جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لیگئے تو کچھ مؤمنین ابھی مکہ میں باقی تھے جو استغفار کرتے تھے تو حق تعالیٰ نے فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ کہ جب تک یہ استغفار کرنیوالے مؤمنین ان میں موجود رہیں گے اُس وقت تک ان پر عذاب نہیں آئے گا جب رفتہ رفتہ تمام مؤمنین ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو حق تعالیٰ نے مکہ فتح کرنے کا حکم دیدیا چنانچہ مسلمانوں نے مکہ فتح کیا اور کُفّار مغلوب ہوئے یہی وہ عذاب ہے جس کا حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا یہ توجیہ حضرت ضحاکؒ اور ایک جماعت سے منقول ہے بعض کہتے ہیں کہ عذاب سے مراد غزوۂ بدر کا عذاب ہے جس میں مشرکین مکہ قتل ہوئے تھے ،

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اُمم سابقہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمایا کہ اولاً نبی کو اور مؤمنین کو بستی سے ہجرت کرنے کا حکم دیا اس کے بعد اہل بستی پر عذاب نازل فرمایا (خازن) خلاصۂ جواب یہ ہوا کہ نفی عذاب حالتِ وجود النبی والمومنین فی مکۃ پر اور اثباتِ عذاب بعد خروجہم منہا پر محمول ہے ولا تعارض عند اختلاف الاحوال والازمان ،

(۳) پہلی آیت میں عذابِ استیصال کی نفی ہے یعنی بالکلیہ جڑ سے اکھاڑ دینا اور نیست و نابود کر دینا جیساکہ پہلی امتوں پر عذاب آتا تھا اور آیتِ ثانیہ میں اثبات عذاب بالسیف کا ہے مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے ہوتے ہوئے آپؐ کی قوم کے کفار پر اس طرح کا عام عذاب تو نہیں آئے گا جیساکہ اُمم سابقہ پر آیا البتہ جہاد کے ذریعہ عذاب بالسیف ہم ان پر نازل کرتے رہیں گے (خازن) حضرت تھانویؒ نے بھی بیان القرآن میں اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے ،

(۴) نفی عذاب دنیا کی ہے اور اثبات عذاب آخرت کا ہے یعنی آیت کا مطلب اس طرح ہوگا وماکان اللہ لیعذبھم فی الدنیا وانت فیھم وماکان اللہ معذبھم فی الدنیا

وھم یستغفرون ومالھم الا یعذبھم اللہ فی الاخرۃ وھم یصدون عن المسجد الحرام دنیا میں تو ان پر عذاب نہیں آئے گا لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں کہ آخرت میں بھی ان کو عذاب نہ دیا جائے آخرت میں عذاب ضرور ہوگا یہ توجیہ جبائی سے منقول ہے (خازن روح المعانی)

۵ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ آیتِ اولیٰ اپنے ماقبل کے ساتھ متصل ہے اور یہ کفار کا مقولہ ہے جیساکہ اس سے پہلی آیت اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَالْحَقَّ الخ ان کا مقولہ ہے مطلب یہ ہے کہ نضر بن حارث اور دیگر کفار و مشرکین یوں کہا کرتے تھے اے اللہ اگر یہ قرآن حق ہے اور تیری طرف سے نازل شدہ ہے اور ہم اس کا انکار کرتے ہیں تو اے اللہ تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا اور کوئی دردناک عذاب بھیجدے نیز یوں بھی کہا کرتے تھے ان اللہ لَا یُعَذِّبُنَا ونحن نستغفر ولا یُعَذِّبُ اُمَّۃً ونبیھا معھا ہمارے استغفار کرنے کی حالت میں اللہ ہم کو عذاب نہیں دیں گے اور کسی اُمّت کو ان کے ساتھ ان کے نبی کے ہوتے ہوئے عذاب نہیں دیا جاتا حق تعالیٰ نے اولاً تو ان کی جہالت کو بیان کیا کہ یہ لوگ اس طرح کا گمان رکھتے ہیں پھر آگے ان پر تردید فرمائی وَمَالَھُمْ اَلَّا یُعَذِّبَھُمُ اللّٰہُ کہ بھلا اللہ تعالیٰ ان کو عذاب کیوں نہیں دیں گے جب کہ یہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں یعنی ان کا عدم عذاب کا یہ گمان باطل ہے ان کو عذاب ضرور دیا جائے گا پس آیتِ اولیٰ کفار کا مقولہ ہے اور آیت ثانیہ اس کی تردید میں حق تعالیٰ کا مقولہ ہے[1] (تفسیر خازن) مگر صاحبِ روح المعانی کہتے ہیں کہ یہ توجیہ درست نہیں کیونکہ اس صورت میں وما کان اللہ لیعذبنا وما کان اللہ مُعَذِّبنا ونحن نستغفر صیغۂ تکلم کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا جیساکہ اس سے پہلے مقولہ میں اَمْطِرْ عَلَیْنَا اور اِئْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ صیغۂ تکلم کے ساتھ ہے ،۔

کفار کے اعمالِ حسنہ نافع ہیں یا ضائع و بیکار؟

---

[1] اور جب دو متعارض مقولوں کے قائلین جُدا جُدا ہوں تو تعارض نہیں رہتا ۱۲

پارہ نمبر ۹ و ۱۳ و ۱۶ و ۱۹ و ۲۴ و ۲۶

آیات (۱) وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ پارہ ۹ رکوع ۱۸ سورۃ الانفال جلالین ص۱۵۰ (۲) وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ پارہ ۱۳ رکوع ۸ سورۃ الرعد جلالین ص۲۰۱ (۳) قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ الآیۃ پارہ ۱۶ رکوع ۳ سورہ الکہف جلالین ص۲۵۳ (۴) وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا پارہ ۱۹ رکوع ۱ سورۃ الفرقان جلالین ص۳۰۴ (۵) وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ پارہ ۲۴ رکوع ۱۰ سورۃ المؤمن (غافر) جلالین ص۳۹۴ (۶) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ پارہ ۲۶ رکوع ۵ سورۃ محمد (القتال) جلالین ص۴۱۹ (۷) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ پارہ ۲۶ رکوع ۵ سورۃ محمد (القتال) جلالین ص۴۲۰ (۸) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ پارہ ۲۶ رکوع ۸ سورۃ محمد (القتال) جلالین ص۴۲۲

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ میں کفار کے متعلق ارشاد ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا دراں حالیکہ وہ استغفار کرتے ہوں کفار مکہ طواف کرتے وقت تلبیہ پڑھتے ہوئے غفرانک غفرانک کہا کرتے تھے حق تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا کہ لوگ استغفار کرتے ہیں اس حالت میں اللہ ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے استغفار سے جو کہ ان کا ایک عمل ہے ان کو نفع پہنچتا ہے کہ حق تعالیٰ ان کے اس عمل کی وجہ سے ان پر عذاب نازل نہیں فرماتے اور اس کے بعد کی مذکورہ سات آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال بیکار اور باطل ہیں کوئی نفع ان پر مرتب نہیں ہوتا چنانچہ آیت نمبر ۲ و ۵ میں ہے وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ کافروں کی دعا

مانگتا ہے وہ ضائع اور بیکار ہے اس پر کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا اگر وہ مغفرت کی دعا بھی کرے تو غیر نافع وضائع ہے اور آیت نمبر۳ میں ہے کہ کفار اعمال کے اعتبار سے خسارہ اور نقصان میں ہیں کہ وہ دنیاوی زندگی میں اگر کوئی نیک عمل کرتے ہیں وہ ضائع اور بیکار ہے اور وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے اعمال کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال حسنہ کو باطل کر دیتے ہیں اور آیت نمبر۴ میں ہے کہ حق تعالیٰ کفار کے اعمال حسنہ کو ھَبَاءً مَّنثُورًا بکھرے ہوئے غبار کی طرح بیکار اور غیر نافع بنا دیتے ہیں اور آیت نمبر۶ و ۷ و ۸ میں اَضَلَّ اَعْمَالَهُم اور اَحْبَطَ اَعْمَالَهُم وغیرہ کہکر ان کے عمل کا بطلان اور ضائع ہونا بیان کیا گیا ہے غرض کہ اخیر کی ۷ آیات سے کفار کے اعمال خیر کا غیر نافع ہونا معلوم ہوتا ہے پس آیت نمبر۱ اور ان ساتوں آیات میں بظاہر تعارض ہے۔

دفع تعارض نافع ہونا دنیا کے اعتبار سے ہے اور غیر نافع اور ضائع ہونا آخرت کے اعتبار سے ہے مطلب یہ ہے کہ کافر اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے جیسا کہ استغفار کرنا یا کسی فقیر ومسکین کو صدقہ وخیرات دیدینا، صلہ رحمی کرنا وغیرہ تو اس عمل کا بدلہ اس کو دنیا میں مل جاتا ہے کہ حق تعالیٰ دنیاوی عذاب ومصیبت ہٹالیتے ہیں یا مال واولاد میں وسعت وفراخی عطا فرما دیتے ہیں صحت وعافیت سے نواز دیتے ہیں مگر آخرت میں اِن اعمال پر کوئی نفع مرتب نہیں ہوتا اور یہ اعمال اُخروی عذاب سے نجات کا باعث نہیں ہوں گے پس نفع اور عدم نفع کا محل مختلف ہو جانے سے کوئی تعارض نہیں رہا، (جلالین شریف وصاوی)

کفار سے صلح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

پارہ نمبر۱۰ و ۲۶

آیات (۱) وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ پارہ ۱۰ رکوع ۴ سورۃ التوبۃ جلالین ص۱۵۳ (۲) فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ الخ پارہ ۲۶ رکوع ۸ سورۃ محمد (القتال) جلالین ص۴۲۲

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ میں ارشاد ہے کہ اگر کفار صلح کرنے کیلئے مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہوجائیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے صلح کرنا جائز ہے اور آیت نمبر ۲ میں صلح کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ تم لوگ ہمت مت ہارو اور کفار کو صلح کی طرف مت بلاؤ تم ہی غالب رہوگے پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے۔

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں

(۱) حضرت ابن عباسؓ، مجاہد، قتادہ فرماتے ہیں کہ صلح والی آیت منسوخ ہے ابتداء میں صلح کی اجازت تھی پھر آیتِ جہاد و قتال نازل فرما کر صلح سے منع کر دیا گیا ولا تعارض بعد النسخ (روح المعانی)

(۲) اختلافِ اشخاص پر محمول ہے اہل کتاب سے تو صلح کرنے کی اجازت ہے البتہ مشرکین عرب سے صلح کرنا جائز نہیں ان کیلئے یا تو اسلام کو قبول کرنا ہے یا قتال پس آیت نمبر ۱ اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ حضرت مجاہد اور امام سُدّی سے منقول ہے کہ یہ آیت بنو قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی جو یہود کا ایک قبیلہ ہے اور آیت نمبر ۲ مشرکین عرب کے بارے میں ہے فلا تعارض (روح المعانی)

(۳) محض ضعف اور کم ہمتی کی وجہ سے صلح کرنا جائز نہیں آیت نمبر ۲ میں اسی قسم کی صلح سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ وَلَا تَهِنُوْا سے معلوم ہوتا ہے البتہ کسی مصلحت کیوجہ سے اگر صلح کر لی جائے تو درست ہے خواہ وہ مصلحت ضعفِ قوتِ جسمانی ہو یا قلتِ عدد یا قلتِ سامان وغیرہ ہو لیکن سب کچھ ہوتے ہوئے سُستی اور کم ہمت و بزدل بننا اور ان سے صلح کرنا جائز نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت کے پیشِ نظر مقامِ حدیبیہ میں کفار سے صلح کی تھی آیتِ اولیٰ میں اسی صلح کی اجازت ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے (بیان القرآن وغیرہ)

کفار کی کتنی تعداد سے مقابلہ کرنا ضروری ہے؟

پارہ نمبر ۱۰

آیات (۱) اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ پارہ ۱۰ رکوع ۵ سورۃ الانفال جلالین صـ ۱۵۳ ۞ (۲) فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ پارہ ۱۰ رکوع ۵ سورۃ الانفال جلالین صـ ۱۵۴

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ میں ارشاد ہے کہ اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں تو دو سو کفار پر غالب آجائیں گے اور اگر سو ہوں تو ایک ہزار پر غالب آجائیں گے یہ اگرچہ خبر ہے لیکن امر کے معنی میں ہے کہ اگر کفار کی تعداد تم سے دس گنا زائد ہو تم بیس ہوں وہ دو سو ہوں تم سو ہوں وہ ایک ہزار تو تم کو ان کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنا اور ان سے لڑنا ضروری ہے بھاگنا اور پیچھے ہٹنا حرام ہے دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوگنی تعداد سے مقابلہ کرنا تو ضروری ہے اس سے زائد سے ضروری نہیں کہ اگر مسلمان سو ہوں اور کفار دو سو، مسلمان ایک ہزار ہوں کفار دو ہزار تو مقابلہ اور جہاد کرنا ضروری ہے اس سے زائد سے نہیں پس بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض ہے،

دفع تعارض آیت اولیٰ آیت ثانیہ سے منسوخ ہے، بخاری شریف کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب پہلی آیت اِنْ یکن منکم عشرون الخ نازل ہوئی اور مسلمانوں کو کافروں کی دس گنی تعداد سے مقابلہ کرنے پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا تو مسلمانوں کو یہ بھاری معلوم ہوا کہ دس گنی تعداد سے مقابلہ کرنا تو دشوار معلوم ہوتا ہے تو حق تعالیٰ نے تخفیف فرما دی اور یہ حکم منسوخ کرکے دوسری آیت نازل فرمادی اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ الخ اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا اور جان لیا کہ تم میں ابھی کچھ کمزوری ہے دس گنی تعداد سے مقابلہ کرنا تمہارے لئے دشوار ہے تو اب تم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ کفار کی تعداد اگر تم سے دوگنی ہو تو ان سے مقابلہ پر ثابت قدم رہنا ضروری ہے اور بھاگنا حرام ہے ولا تعارض بعد النسخ (تفسیر خازن)

قتال تمام مشرکین سے ضروری ہے یا صرف مشرکین اقارب سے؟

پارہ نمبر ۱۰ و ۱۱

آیات (۱) وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً پارہ ۱۰ رکوع ۱۱ سورۃ التوبۃ جلالین ص ۱۵۸ ◉ (۲) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً پارہ ۱۱ رکوع ۵ سورۃ التوبۃ ــــــ جلالین ص ۱۶۹

تشریح تعارض پہلی آیت میں حکم ہے کہ تمام مشرکین سے قتال کرو یعنی خواہ اقارب ہوں یا غیر اقارب اور دوسری آیت میں فرمایا کہ کفار میں سے جو تمہارے رشتہ دار ہیں ان سے قتال کرو اور ان پر سختی کا استعمال کرو پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض آیت نمبر ۲ میں غیر اقارب کیساتھ قتال کرنے سے روکا نہیں گیا، بلکہ اس میں جہاد کے آداب کی تعلیم دی گئی ہے کہ جہاد کا طریقہ اور ادب یہ ہے کہ اولاً رشتہ داروں سے جہاد کرو پھر غیر اقارب سے کیونکہ تمام مشرکین سے دفعۃً واحدۃً قتال کرنا تو ناممکن ہے رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے ہی کیا جا سکتا ہے پس اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے قریبی رشتہ داروں سے جہاد کرو پھر دور کے اقارب سے پھر تمام اجانب مشرکین سے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً اپنی قوم سے جہاد کیا پھر باقی اہل عرب کی طرف منتقل ہوئے اس کے بعد اہل کتاب سے جہاد کیا پھر اہلِ روم اور اہلِ شام کی طرف رُخ کیا آپؐ کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ جہاد کے لئے عراق کی طرف نکلے پھر تمام بلاد و امصار کی طرف نکل پڑے، اس تقریر کے بعد معلوم ہو گیا کہ اس آیت سے بھی یکے بعد دیگرے تمام ہی مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے لہذا اس آیت کا آیتِ اولیٰ فاقتلوا المشرکین کافۃ سے کوئی تعارض نہیں (صاوی)

جہاد مستطیع و معذور ہر شخص پر فرض ہے یا صرف مستطیع پر؟

پارہ نمبر ۱۰ و ۲۶

آیات ① اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ پارہ ع۱۰ رکوع ۱۲ سورۃ التوبۃ جلالین ص۱۵۹ ● ② لَیْسَ عَلَى الضُّعَفَاۤءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ الآیۃ پارہ ع۱۰ رکوع ۱۸ سورۃ التوبۃ جلالین ص۱۶۴ ③ لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ الآیۃ پارہ ع۲۶ رکوع ۱۰ سورۃ الفتح جلالین ص۴۲۴

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ میں ارشاد باری ہے کہ تم ہلکے ہو یا بھاری ہر حال میں جہاد کیلئے نکل جاؤ اور جان و مال کے ساتھ اللہ کے راستہ میں جہاد کرو یعنی تمہاری حالت خواہ ایسی ہو کہ جہاد کرنا تمہارے لئے آسان و خفیف ہو اور خواہ ایسی ہو کہ جس میں جہاد کرنا دشوار و ثقیل ہو ہر حال میں تمہیں جہاد کرنا ضروری ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی غنی ہو یا فقیر، بیمار ہو یا تندرست، معذور ہو یا غیر معذور، مُجرّد ہو یا اہل و عیال والا ہر حال میں جہاد فرض ہے اور دوسری و تیسری آیت میں ارشاد ہے کہ کمزور، مریض فقیر نابینا اور لنگڑے معذور پر جہاد میں نکلنا فرض نہیں ہے اگر یہ لوگ جہاد میں نہ جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① آیت نمبر ۱ اخیر کی دونوں آیتوں سے منسوخ ہے ابتداء میں ہر حال میں جہاد کیلئے نکلنا ضروری تھا کسی قسم کا کوئی عذر مسموع نہیں ہوتا تھا، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا چنانچہ روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم رضؓ نابینا تھے انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے لئے بھی جہاد میں نکلنا ضروری ہے آپ نے فرمایا ہاں یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے آیت لیس علی الاعمیٰ حرج الخ نازل فرمائی اور معذورین حضرات کیلئے تخفیف فرمادی کہ اگر یہ لوگ جہاد میں نہ جائیں تو کوئی گناہ نہیں ہے حضرت ابن عباس اور علامہ سدی سے یہی منقول ہے، ولا تعارض بعد النسخ (روح المعانی تفسیر خازن، وغیرہ)

(۲) آیت نمبر۱ میں امر وجوبی نہیں ہے بلکہ ندب و استحباب پر محمول ہے ابتدا ہی سے ہر حال میں جہاد کیلئے نکلنا واجب نہیں تھا بلکہ مستحب تھا اور ترک مندوب پر کوئی گناہ نہیں لہذا آیت نمبر۲ و ۳ میں جو حرج کی نفی کی گئی ہے وہ اس کے معارض نہیں ہے ایسی صورت میں نسخ ماننے کی ضرورت نہیں ہے (تفسیر خازن) وغیرہ)

(۳) اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معذورین وغیر معذورین سب کو نکلنا ضروری ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جہاد پر قدرت رکھتے ہیں ان کو ہر حال میں نکلنا ضروری ہے خواہ ان کے پاس آلاتِ جہاد ہتھیار سواری خدام وغیرہ زیادہ ہوں یا تھوڑے، آلاتِ جہاد کی قلت کوئی عذر نہیں ہے پس اعمیٰ مریض اور فقیر وغیرہم اس حکم میں داخل ہی نہیں لہذا یہ آیت نہ تو دوسری دو آیتوں کے معارض ہوگی اور نہ منسوخ ماننے کی ضرورت پڑے گی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے الفوز الکبیر میں اسی کو اختیار کیا ہے، (الفوز الکبیر)

جہاد میں سب کو نکلنا ضروری ہے یا ایک جماعت کو؟

پارہ نمبر ۱۱

آیات (۱) مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ پارہ ۱۱ رکوع ۴ سورۃ التوبۃ ــــ جلالین ص ۱۶۸ ● (۲) وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ پارہ ۱۱ رکوع ۴ سورۃ التوبۃ جلالین ص ۱۶۸

تشریح تعارض آیتِ اولیٰ میں ارشاد ہے کہ مدینہ اور آس پاس کے دیہات والوں کیلئے جائز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد میں تشریف لیجائیں تو یہ لوگ پیچھے ہٹ جائیں بلکہ سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نکلنا ضروری ہے

اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ تمام مسلمانوں کو جہاد میں نہ جانا چاہئے بلکہ ایک جماعت جہاد میں نکل جائے اور ایک جماعت وطن میں موجود رہنی چاہئے جو دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتی رہے اور جب مجاہدین حضرات واپس آئیں تو ان کو دین کی باتیں سُنا کر اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں تاکہ وہ بُرے کاموں سے بچیں پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے ،

دفع تعارض | اس تعارض کے ۲ دو جواب ہیں

(۱) ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے جب مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی تو حق تعالیٰ نے سب کیلئے نکلنا ضروری فرما دیا تھا جب مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو یہ حکم منسوخ کر دیا اور دوسری آیت و ما کان المؤمنون لینفروا کافۃ الخ نازل فرما دی جس میں یہ فرما دیا کہ سب کو نہیں جانا چاہئے ایک جماعت جہاد میں چلی جائے دوسری وطن میں رہ جائے ولا تعارض بعد النسخ (تفسیر خازن و تفسیر مظہری)

(۲) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیت اولیٰ اس حالت پر محمول ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس جہاد میں تشریف لیجائیں جس کو غزوہ کہتے ہیں اس وقت آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں کو نکلنا ضروری ہے کسی کیلئے پیچھے رہنا جائز نہیں کیونکہ جب صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں تشریف لیگئے ہیں تو وطن میں باقی رہنے والے لوگ کس سے تعلیم حاصل کریں گے اس لئے سب کو آپ کے ساتھ نکل جانا چاہئے اور دوسری آیت اس حالت پر محمول ہے جبکہ آپ خود تو تشریف نہ لیجائیں البتہ صحابہ کی جماعت کو جہاد کیلئے روانہ کر دیں جس کو سَرِیَّہ [۱] کہتے ہیں اس وقت سب کو نہیں جانا چاہئے ایک جماعت کو وطن میں موجود رہنا چاہئے

---

[۱] سو سے لیکر پانچسو تک کی جماعت کو سَرِیَّہ کہا جاتا ہے پھر اس سے زائد آٹھ سو تک کی جماعت کو مَنْسَر اور اس سے زائد چار ہزار تک کو جیش اور اس سے زائد کو جَحْفَل کہتے ہیں کل سرایا کی تعداد جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لیگئے ۴۷ ہے اور غزوات کی تعداد جن میں آپؐ تشریف لیگئے ۲۷ ہے جن میں سے فقط آٹھ میں قتال فرمایا ۱۲ صاوی

تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی تعلیم حاصل کرتے رہیں خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی آیت غزوات سے متعلق ہے اور آیت ثانیہ سرایا سے متعلق ہے فلا تعارض بینہا (جلالین شریف وصاوی)

انسان بوقت مصیبت دعائیں کرتا ہے یا مایوس و ناامید ہو جاتا ہے؟

پارہ نمبر ۱۱، ۱۵، ۲۱، ۲۳، ۲۴، ۲۵

آیات (۱) وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا الآیۃ پارہ ۱۱ رکوع ۷ سورۂ یونس جلالین صـ۱۷۱ (۲) وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ پارہ ۲۱ رکوع ۷ سورۃ الروم جلالین صـ۳۴۳ (۳) وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ الآیۃ پارہ ۲۳ رکوع ۱۵ سورۃ الزمر جلالین صـ۳۸۶ (۴) فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا الآیۃ پارہ ۲۴ رکوع ۲ سورۃ الزمر جلالین صـ۳۸۹ (۵) وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ پارہ ۲۵ رکوع ۱ سورۂ حٰمٓ سجدہ (فصلت) جلالین صـ۴۰۱ (۶) وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَـُٔوْسًا پارہ ۱۵ رکوع ۹ سورۂ بنی اسرائیل (الاسراء) جلالین صـ۲۳۷ (۷) لَا یَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَیَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ پارہ ۲۵ رکوع ۱ سورۂ حٰمٓ سجدہ (فصلت) جلالین صـ۴۰۰

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ تا ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جب پریشانی لاحق ہوتی ہے تو وہ لیٹ کر بیٹھ کر کھڑے ہو کر غرض ہر حال میں اللہ سے خوب لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے اور آیت نمبر ۶ و ۷ میں فرمایا گیا ہے کہ پریشانی میں انسان ناامید اور مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے (یَـُٔوْسٌ کے معنی مایوس اور قَنُوْطٌ کے معنی ناامید) اور دعا چونکہ امید و آس کی حالت میں کی جاتی ہے اس لئے دعا کرنے اور ناامیدی و مایوسی میں تعارض و تنافی ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے پانچ جواب ہیں،

(۱) اختلافِ اشخاص پر محمول ہے پہلی پانچ آیات مؤمن کے حق میں ہیں اور اخیر کی دونوں آیتیں کافر کے بارے میں ہیں کہ مؤمن تو پریشانی کے وقت اللہ سے خوب دعائیں کرتا ہے اور کافر مایوس و ناامید ہو کر بیٹھ جاتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے اِنَّہٗ لَا یَیْأَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ کہ اللہ کی رحمت سے کفار ہی ناامید ہوتے ہیں، اور اختلافِ اشخاص کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا، (مدارک)

(۲) اختلافِ احوال و ازمان پر محمول ہے کہ جب پریشانی لاحق ہوتی ہے تو ابتداءً تو انسان خوب دعائیں کرتا ہے اور جب قبولیت کے آثار نمایاں نہیں ہوتے تو مایوس اور ناامید ہو کر دعا چھوڑ دیتا ہے، (بیان القرآن)

(۳) دعا، اور قنوط و یاس کا متعلَّق مختلف ہے دعا کا تعلق زبان سے ہے اور ناامیدی و مایوسی کا تعلق قلب سے ہے اور دونوں آیتیں کافر ہی کے متعلق ہیں مطلب یہ ہے کہ کافر زبان سے تو خوب دعائیں کرتا ہے مگر قلب اس کا مایوس و ناامید رہتا ہے پس کوئی تعارض نہیں (مدارک و بیان القرآن)

(۴) اختلافِ مکان پر محمول ہے یعنی سمندر میں تو دعائیں کرتا ہے اور خشکی میں مایوس و ناامید ہو جاتا ہے کفار جب کشتیوں پر سوار ہوتے تھے اور کوئی طوفان آجاتا تھا تو اللہ سے دعائیں کرتے تھے جیسا کہ ارشاد ہے فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (مدارک)

(۵) اختلافِ مدعو پر محمول ہے کافر مصیبت کے وقت اللہ سے دعا کرتا ہے اور اپنے بتوں سے مایوس و ناامید ہو جاتا ہے، (مدارک)

اولادِ آدمؑ کو کس چیز سے پیدا کیا گیا؟

پارہ ۱۲، ۱۴، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۲۳، ۲۷، ۲۹، ۳۰

آیات (۱) هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا پارہ ۱۲ رکوع ۶ سورۂ ہود

جلالین ص ۱۸۴ (۲) مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى پارہ ۱۶
رکوع ۱۲ سورۃ طٰہٰ جلالین ص ۲۶۳ (۳) يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا
خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ پارہ ۱۷ رکوع ۸ سورۃ الحج جلالین ص ۲۷۹ (۴) وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ
خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ پارہ ۲۱ رکوع ۶ سورۃ الروم جلالین ص ۳۴۲
(۵) اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ پارہ ۲۳ رکوع ۵ سورۃ الصّٰفّٰت جلالین ص ۳۷۳
(۶) هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ پارہ ۲۷ رکوع ۶ سورۃ النجم جلالین ص ۴۳۹
● (۷) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ پارہ ۱۴ رکوع ۷ سورۃ
النحل جلالین ص ۲۱۶ (۸) ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ پارہ ۱۸ رکوع ۱ سورۃ
المؤمنون جلالین ص ۲۸۷ (۹) ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ پارہ ۲۱
رکوع ۱۴ سورۃ السجدۃ جلالین ص ۳۴۹ (۱۰) اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ
فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ پارہ ۲۳ رکوع ۴ سورۃ یٰس جلالین ص ۳۷۲ (۱۱) وَاَنَّهٗ خَلَقَ
الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى پارہ ۲۷ رکوع ۷ سورۃ النجم
جلالین ص ۴۳۹ (۱۲) اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ پارہ ۲۷ رکوع ۱۵
سورۃ الواقعۃ جلالین ص ۴۴۷ (۱۳) اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى پارہ ۲۹ رکوع ۱۸ سورۃ
القیٰمۃ جلالین ص ۴۸۲ (۱۴) اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ پارہ ۲۹ رکوع ۱۹
سورۃ الدھر (الانسان) جلالین ص ۴۸۳ (۱۵) اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ پارہ ۲۹
رکوع ۲۱ سورۃ المرسلٰت جلالین ص ۴۸۵ (۱۶) مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ مِنْ نُّطْفَةٍ پارہ ۳۰
رکوع ۵ سورۃ عبس جلالین ص ۴۹۰ (۱۷) فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ
دَافِقٍ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ پارہ ۳۰ رکوع ۱۱ سورۃ الطارق جلالین ص ۴۹۶
● (۱۸) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ پارہ ۳۰ رکوع ۲۱ سورۃ العلق جلالین ص ۵۰۳

تشریح تعارض ان تمام آیات میں اولاد آدم کی تخلیق کا بیان ہے کیونکہ ان آیات

میں سے بعض میں تو جمع کا صیغہ ہے بعض میں نسل کی تصریح ہے اور جن آیات میں صرف انسان کا ذکر ہے ان میں انسان سے جنسِ انسان یعنی اولادِ آدم مراد ہے جیساکہ آیات کے سیاق وسباق اور مفسرین حضرات کی تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے اس طرح یہ تمام آیات اولادِ آدم کی تخلیق کو بیان کر رہی ہیں مگر اولادِ آدم کو کس چیز سے پیدا کیا گیا اس بارے میں یہ آیات متعارض ہیں آیت نمبر ۱ تا ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولادِ آدم کو مٹی سے بنایا اور آیت نمبر ۷ تا ۱۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ نطفہ منی سے پیدا کیا اور اخیر کی آیت نمبر ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ علقہ (دم جامد) سے پیدا کیا گیا اس طرح یہ آیات بظاہر متعارض ہیں،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

(۱) آیت نمبر ۱ تا ۶ میں حضرتِ آدم علیہ السلام کی تخلیق مراد ہے کہ ان کو حق تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ضمیر جمع سے قبل ایک مضاف محذوف ہے یعنی هو انشأ اباكم من الارض، منها خلقنا اباكم، انا خلقنا اباهم، هو اعلم بكم اذ انشأ اباكم وغیرہ ان کے بعد آیت نمبر ۷ تا ۱۷ میں اولادِ آدم کی تخلیق مراد ہے کہ ان کو حق تعالیٰ نے نطفہ منی سے بنایا اور سب سے آخری آیت نمبر ۱۸ میں جو علق کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کو ابتداءً ہی دم جامد سے پیدا کر دیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ پہلے نطفہ بنایا پھر اس نطفہ کو علقہ بنا دیا پس اس آیت میں حالتِ ثانیہ کا بیان ہے انسان کی تخلیق مختلف اطوار واحوال کیساتھ ہوئی ہے اولاً نطفہ بنایا پھر علقہ پھر اس کو مضغہ بنا دیا پھر اس کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا پھر اس پر گوشت چڑھا دیا اس کے بعد اس میں روح ڈال کر زندہ کر دیا جیساکہ سورۂ مؤمنون کی آیت میں مصرح ہے ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما ثم انشأناه خلقا اخر فتبارك الله احسن الخالقين. بہرحال پہلی چھ آیات میں تخلیقِ آدم اور اخیر کی تمام آیات میں اولادِ آدم کی تخلیق کا بیان ہے اور اختلافِ اشخاص کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا ہے (روح المعانی وغیرہ)

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ تمام آیات اولادِ آدم کی تخلیق ہی سے متعلق ہیں حق تعالیٰ نے اولادِ آدم کو نطفۂ منی سے پیدا کیا ہے مگر پہلی چھ آیات میں جو یہ فرمایا کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ان میں انسان کے مادۂ بعیدہ کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ نطفۂ منی غذاؤں سے بنتا ہے اور غذائیں مٹی سے پیدا ہوتی ہیں پس گویا انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے پس ان آیات میں انسان کے مادۂ بعیدہ کا بیان ہے اور اخیر کی آیات میں مادۂ قریبہ کو بیان کیا گیا ہے (روح المعانی وغیرہ)

(۳) مجموع الامرین مراد ہے ہر انسان کی تخلیق مٹی اور نطفۂ منی دونوں کے مجموعہ سے ہوتی ہے جب رحم مادر میں نطفہ قرار پاتا ہے تو ایک فرشتہ اس مقام سے جہاں اس شخص کو دفن ہونا ہے مٹی اٹھا کر لاتا ہے اور نطفہ پر چھڑک دیتا ہے پھر مٹی اور نطفہ دونوں کے مجموعہ سے بچہ کی تخلیق ہوتی ہے بعض آیات میں ان میں سے ایک جز یعنی مٹی کو ذکر کر دیا اور بعض میں دوسرے جز یعنی نطفہ کو بیان کر دیا پس ان میں کوئی تعارض نہیں اور آخری آیت خلق الانسان من علق کی توجیہ جواب اوّل میں بیان ہو چکی ہے، مجموع الامرین کی جو یہ توجیہ کی گئی ہے اس کی تائید حضرت عطاء خراسانی کی ایک روایت سے ہوتی ہے،

عن عطاء الخراسانی قال ان الملك ينطلق فیاخذ من تراب المكان الذی يدفن فیہ الشخص فیذرہ علی النطفۃ فیخلق من التراب والنطفۃ (اخرجہ عبد بن حمید وابن المنذر) روح المعانی ص ۲۰ ج ۱۶

حضرت عطاء خراسانی سے روایت ہے کہ فرشتہ جاتا ہے اور اس مقام سے جہاں اس شخص کو دفن ہونا ہے مٹی لیتا ہے پس اس کو نطفہ پر بکھیر دیتا ہے پس مٹی اور نطفہ سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے[1]،

---

[1] مفسرین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق جس مٹی سے ہوئی وہ کعبہ کی مٹی تھی مگر طوفانِ نوح میں وہ مٹی اس مقام پر منتقل ہو گئی تھی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی قبر مبارک ہے ۱۲ حاشیۂ روح المعانی

جنت میں داخلہ اعمال کے سبب سے ہوگا یا محض فضل الٰہی سے؟

پارہ ۱۴ و ۱۷ و ۲۱ و ۲۵ و ۲۶ و ۳۰

آیات (۱) يَقُولُونَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ پارہ ۱۴ رکوع ۱۰ سورۃ النحل جلالین ص ۲۱۸ (۲) اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ پارہ ۲۱ رکوع ۱۵ سورۃ السجدۃ جلالین ص ۳۵۰ (۳) وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پارہ ۲۵ رکوع ۱۳ سورۃ الزخرف جلالین ص ۴۰۹ (۴) اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ پارہ ۲۶ رکوع ۲ سورۃ الاحقاف جلالین ص ۴۱۷ ◉ (۵) فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ پارہ ۱۷ رکوع ۱۴ سورۃ الحج جلالین ص ۲۸۴ (۶) لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ پارہ ۲۱ رکوع ۸ سورۃ الروم جلالین ص ۳۴۴ (۷) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ پارہ ۳۰ رکوع ۱۰ سورۃ البروج جلالین ص ۴۹۵

تشریح تعارض پہلی چار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں داخلہ اعمال کی وجہ سے ہوگا کیونکہ بماکنتم تعملون اور بما کانوا یعملون میں بائے سببیہ لائی گئی ہے جس کا مابعد ماقبل کے لئے سبب ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے اعمال سبب ہیں دخول جنت کا اور اخیر کی تین آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں داخلہ محض اللہ کے فضل وکرم سے ہوگا اعمال کی وجہ سے نہیں اس لئے کہ آیت نمبر ۵ و ۷ میں فی جنّٰت النعیم اور لھم جنّٰت میں فاء سببیہ نہیں ہے اگر یوں کہا جاتا ففی جنّٰت النعیم اور فلھم جنّٰت تجری الخ تو فاء سببیہ اس بات پر دلالت ہوتی کہ اعمال سبب ہیں دخول جنت کا، کیونکہ فائے سببیہ کا ماقبل مابعد کیلئے سبب ہوتا ہے جیساکہ قرآن پاک میں آیت نمبر ۵ سے اگلی آیت وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ میں فَاُولٰٓئِكَ پر فائے سببیہ لاکر اس طرف اشارہ کفر وتکذیب سبب ہے عذاب مُہین کا پس فی جنّٰت النعیم اور لھم جنّٰت تجری الخ میں

فائے سببیہ کا ترک اس بات پر دال ہے کہ دخولِ جنت اعمال کے سبب سے نہیں بلکہ محض حق تعالیٰ کے فضل سے ہوگا صاحبِ جلالین نے فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ کے بعد فَضْلًا مِنَ اللّٰہِ کا اضافہ کرکے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور آیت نمبر ۶ میں تو مِنْ فَضْلِہٖ مصرح ہے کہ ایمان و اعمالِ صالحہ والوں کو حق تعالیٰ اپنے فضل سے بدلہ عطا فرمائیں گے حدیثِ صحیح سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے،

عن ابی ھریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لن ید خل احداً عملہ الجنۃ قیل ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمد نی اللہ تعالیٰ منہ بفضل و رحمۃ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کا عمل اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا (بلکہ جنت میں ہر شخص محض اللہ کے فضل سے جائے گا) پوچھا گیا یا رسول اللہ آپ بھی نہیں ارشاد فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و رحمت میں مجھ کو چھپالیں،

خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی چار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنین جنت میں اپنے ایمان و اعمال کے سبب سے داخل ہوں گے اور اخیر کی تین آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں داخلہ محض اللہ کے فضل و کرم سے ہوگا اعمال کے سبب سے نہیں پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفعِ تعارض اس تعارض کے چار جواب ہیں،

(۱) اگرچہ جنت میں داخلہ اعمال کی وجہ سے ہوگا مگر اعمال کی توفیق حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوتی ہے پس سببِ حقیقی دخولِ جنت کا حق تعالیٰ کا فضل ہے اور سببِ عادی و ظاہری اعمال ہیں پہلی چار آیات میں سببِ ظاہری و عادی مراد ہے اور اخیر کی تین آیات میں اور حدیث میں سببِ حقیقی کا بیان ہے فلا تعارض بینہما (روح المعانی و تفسیر خازن)

(۲) پہلی چار آیات میں بآء سببیہ نہیں ہے بلکہ مقابلہ کیلئے ہے یعنی ادخلوا الجنۃ فی مقابلۃ اعمالکم اعمال کے مقابلہ اور بدلہ میں حق تعالیٰ اپنے فضل سے جنت عطا فرمادیں گے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ اللہ نے مؤمنین سے

ان کے جان و مال کو خرید لیا ہے اس چیز کے بدلہ میں کہ ان کو جنت ملے گی، یعنی تم لوگ اپنا جان و مال حق تعالیٰ کے حوالہ کردو اس کی اطاعت میں لگا دو حق تعالیٰ اس کے مقابلہ اور بدلہ میں اپنا فضل یہ فرمائیں گے کہ تم کو جنت عطا فرما دیں گے تعارض کا جو شبہ پیدا ہوا تھا وہ بائے سببیہ کی وجہ سے ہوا تھا اور جب بار سببیہ نہیں رہی تو تعارض بھی نہ رہا، (روح المعانی وحاشیۂ جلالین)

۳ بآر ملابستہ کیلئے ہے کہ اپنے ایمان واعمال کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ اس صورت میں بھی بار سببیہ نہ ہونیکی وجہ سے تعارض مرتفع ہو گیا (حاشیۂ جلالین)

۴ دخولِ جنت تو حق تعالیٰ کے فضل سے ہو گا اور ترقی درجات اعمال کے سبب سے ہوگی پس پہلی چار آیات رفع درجات سے متعلق ہیں یعنی ادخلوا درجات الجنۃ بما کنتم تعملون اور اخیر کی تینوں آیات نفسِ دخولِ جنت پر محمول ہیں فلا تعارض (حاشیۂ جلالین)

کفار کیلئے ایمان لانے سے کیا چیز مانع ہے؟

پارہ نمبر ۱۵

آیات ۱ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤی اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا پارہ ۱۵ رکوع ۱۱ سورۂ بنی اسرائیل (الاسراء) جلالین ص۲۳۸ ◉ ۲ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰی وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ پارہ ۱۵ رکوع ۲ سورۂ الکہف جلالین ص۲۴۷ وص۲۴۸

تشریح تعارض آیتِ اولیٰ میں ارشاد ہے کہ لوگوں کے پاس جب ہدایت آگئی تو ان کو ایمان لانے سے صرف اس چیز نے روک رکھا ہے کہ وہ یوں کہتے ہیں کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی ان کا اعتقاد یہ ہو گیا ہے کہ رسول بشر نہیں ہو سکتا رسول تو کوئی فرشتہ ہونا چاہئے صرف یہ اعتقاد باطل اُن کے ایمان لانے سے مانع بن رہا ہے اگر یہ اعتقاد نہ ہوتا تو وہ ایمان لے آتے اس آیت میں نفی واستثناء کے ذریعہ مانع عن الایمان کو منحصر کر دیا گیا ہے اعتقاد مذکور میں،

اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ ان کو ایمان واستغفار سے صرف اس چیز نے روک رکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو پہلی اُمتوں کی طرح ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اگر حق تعالیٰ یہ ارادہ نہ فرماتے تو یہ لوگ ایمان لے آتے "اَنْ تَاْتِیَهُمْ" سے پہلے" ارادۃ اللّٰہ" محذوف ہے ای ومامنع الناس ان یومنوا الا ارادۃ اللّٰہ ان تأتیھم سنۃ الاولین اس آیت میں مانع عن الایمان کو منحصر کیا گیا ہے حق تعالیٰ کے ارادۂ مذکورہ میں پس ان دونوں آیتوں میں تعارض ہو رہا ہے اس لئے کہ کسی شئے کو کسی شئے میں منحصر کرنا ماعدا کی نفی کو مستلزم ہوتا ہے پس جب آیتِ اولیٰ میں یہ کہا گیا کہ مانع عن الایمان صرف ان کا اعتقادِ مذکور ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے علاوہ اور کوئی مانع نہیں ہے حتی کہ حق تعالیٰ کا ارادۂ مذکورہ بھی مانع نہیں ہے اور دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ مانع عن الایمان صرف حق تعالیٰ کا ارادۂ مذکورہ ہے اور کوئی مانع نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا اعتقادِ مذکور مانع نہیں ہے پس دونوں مانع میں سے ہر ایک کی نفی بھی ہو رہی ہے اور اثبات بھی وہذا ہو التعارض فافہم،

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ آیتِ اولیٰ میں مانع عادی وظاہری مراد ہے اور آیتِ ثانیہ میں مانع حقیقی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے سے ظاہری اور عادی مانع تو صرف ان کا یہ اعتقاد ہے کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا اور حقیقی مانع صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو پہلی امتوں کی طرح ہلاک کرنیکا ارادہ اور فیصلہ کر لیا ہے فاذا اختلف المانعان اندفع التعارض (روح المعانی والاتقان)

کفار کو قیامت کے روز اعمی ابکم اصم بنا کر اٹھایا جائیگا یا بصیر وناطق وسامع؟

پارہ نمبر ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۵، ۲۶

آیات (۱) وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا پارہ ۱۵ رکوع ۱۱ سورۂ بنی اسرائیل (الاسراء) جلالین ص ۲۳۸ (۲) وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى قَالَ

رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا پارہ ۱۶ رکوع ۱۶ سورۂ طٰہٰ جلالین ص ۲۶۸ و ۲۶۹ ⦿ (۳) وَرَاَی الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا پارہ ۱۵ رکوع ۱۹ سورۂ الکھف جلالین ص ۲۴۷ (۴) اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّزَفِیْرًا پارہ ۱۸ رکوع ۱۷ سورۂ الفرقان جلالین ص ۳۰۳ (۵) اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا پارہ ۱۸ رکوع ۱۷ سورہ الفرقان جلالین ص ۳۰۳ (۶) وَتَرٰىهُمْ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا خٰشِعِیْنَ مِنَ الذُّلِّ یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ پارہ ۲۵ رکوع ۶ سورۂ الشوریٰ جلالین ص ۴۰۴ (۷) لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ پارہ ۲۶ رکوع ۱۶ سورۂ قٓ جلالین ص ۴۳۰

تشریح تعارض پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن کفار کو اُن کے چہروں کے بل اندھا گونگا بہرا بناکر میدانِ محشر میں اکٹھا کریں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار قیامت کے روز میدان محشر میں اندھے گونگے بہرے ہوں گے اسی طرح آیت نمبر ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کو نابینا بناکر اٹھایا جائے گا وہ کہے گا اے رب میں تو بصیر تھا تو نے مجھے اعمیٰ کیوں بنادیا اور آیت نمبر ۳ میں ہے کہ مجرمین جہنم کو دیکھیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار قیامت کے دن اندھے نہیں ہوں گے بلکہ بینا اور بصیر ہوں گے آیت نمبر ۴ میں ہے کہ جب جہنم ان کو دور سے دیکھے گی تو یہ لوگ جہنم کے غصہ اور جوش وخروش کی آواز سنیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار بہرے نہیں ہوں گے بلکہ سماعت والے ہوں گے اور آیت نمبر ۵ میں ہے کہ جب ان کے ہاتھوں کو گردنوں پر باندھ کر جہنم کی تنگ کوٹھڑی میں ڈالا جائیگا تو یہ لوگ ہلاکت کو پکاریں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ گونگے نہیں ہوں گے اور چھٹی آیت میں ہے کہ آپ کفار کو دیکھیں گے جب ان کو جہنم کے سامنے لایا جائیگا تو ذلت کے مارے ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی اور یہ جہنم کی طرف نگاہ چُراتے ہوئے دیکھیں گے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار قیامت میں اندھے نہیں ہوں گے بلکہ بینا ہوں گے اسی طرح آیت نمبر ۷ میں ہے کہ کافر سے قیامت کے روز کہا جائے گا کہ تو دنیا میں غفلت میں

پڑا ہوا تھا آج ہم نے تیری غفلت کا پردہ تجھ سے دور کر دیا پس تیری نگاہ آج بڑی تیز ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار اندھے نہیں بلکہ بینا ہوں گے پس اخیر کی پانچ آیات پہلی دو آیتوں کے بظاہر معارض ہو رہی ہیں،

دفعِ تعارض اولاً عمیٰ اور بصارت کے تعارض کے جوابات دیئے جاتے ہیں اس کے سات جوابات ہیں،

(۱) اختلافِ زمان پر محمول ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ کافر کو اولاً بصیر اٹھایا جائے گا پھر اعمیٰ بنا دیا جائے گا مطلب یہ ہے کہ قبروں سے اٹھتے وقت تو کفار بینا ہوں گے مگر جب محشر کی طرف جائیں گے تو اندھے ہو جائیں گے اس پر کافر کہے گا اے خدا میں تو قبر سے اٹھتے وقت بینا تھا تو نے مجھے اندھا کیوں کر دیا، (روح المعانی)

(۲) ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اختلافِ زمان ہی پر محمول ہے مگر صورت برعکس ہے کہ اولاً تو کفار اندھے ہوں گے پھر ان کو بینا کر دیا جائے گا جس سے وہ جہنم اور اہوالِ قیامت کا مشاہدہ کریں گے اور رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا کا مطلب وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا فِی الدُّنْیَا ہے یعنی جس وقت قبروں سے اندھے اٹھیں گے تو کہیں گے ہم تو دنیا میں بینا تھے ہمیں اندھا کیوں بنا دیا،

(۳) اختلاف زمان و مکان پر محمول ہے یعنی میدانِ محشر میں اندھے ہوں گے اور جب جہنم میں داخل ہوں گے تو بینا ہو جائیں گے اپنی حالت اور اپنے محلِ عذاب کو دیکھیں گے (بیضاوی)

(۴) حضرت عکرمہ سے منقول ہے انہ لا یَرٰی شَیْئًا اِلَّا النَّار جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آیت میں عمیٰ سے عمیٰ اضافی مراد ہے یعنی جہنم کے علاوہ باقی تمام چیزوں کو دیکھنے سے اندھے ہوں گے مگر یہ حالت ان کی یوم قیامت کے بعض اوقات میں رہے گی اس کے بعد وہ مطلق بینا بنا دیئے جائیں گے کہ ہر چیز کو دیکھیں گے ورنہ تو وہ اپنے اعمال ناموں کو کیسے پڑھ پائیں گے حق تعالیٰ قیامت کے دن کافر سے فرمائیں گے اِقْرَأْ کِتٰبَکَ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا اور قرأتِ کتاب کا حکم دینا اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ اس کو بینا بنا دیا جائے معلوم ہوا کہ کافر بعد میں بینا ہو جائیگا (روح المعانی و تفسیر کبیر)

۵ حضرت ابن عباس کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اعمیٰ سے مراد اعمیٰ عن الحجۃ ہے یعنی وہ حجت اور دلیل کے اعتبار سے اندھے ہوں گے ان کے پاس ایسی کوئی حجت و دلیل نہ ہوگی جس کو پیش کرکے وہ نجات پاسکیں وہ کہیں گے یاخدا ہم تو دنیا میں بڑی حجتیں اور دلیلیں پیش کیا کرتے تھے آپ نے ہمیں حجتوں سے اندھا کیوں کردیا ہمیں کوئی حجت نظر ہی نہیں آرہی ہے یہ توجیہ حضرت مجاہد، حضرت مقاتل، ضحاک اور ابو صالح سے منقول ہے (روح المعانی)

۶ اعمیٰ القلب والبصیرۃ مراد ہے یعنی وہ آنکھوں سے اندھے نہیں ہوں گے بلکہ قلب اور بصیرت کے اندھے ہوں گے ابراہیم بن عرفہ اسی کو اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جہاں بھی مقام مذمت میں عمی کو ذکر کیا ہے اس سے مراد عمی القلب ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ مگر ابن عطیہ نے اس توجیہ کو یہ کہہ کر رد کردیا ہے کہ بصیرت تو کافر کی دنیا میں بھی مفقود ہوتی ہے لہٰذا اس کا رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا کہنا صحیح نہیں ہوگا معلوم ہوا کہ اعمی البصیرۃ مراد نہیں ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جنھوں نے اعمی القلب والبصیرۃ مراد لیا ہے ان کے نزدیک بصیرت سے مراد بصیرتِ ایمانی نہیں ہے بلکہ حجت و دلیل ہی مراد ہے مطلب یہ ہوگا وقد کنتُ عالماً بحجتی بصیراً بھا احاج بھا عن نفسی فی الدنیا کہ میں تو دنیا میں اپنی حجت کا دانا و بینا تھا اپنی طرف سے حجتیں اور دلیلیں پیش کیا کرتا تھا پس کوئی اشکال نہیں کیونکہ کفار کی جو بصیرت دنیا میں مفقود ہوتی ہے وہ بصیرتِ ایمانی ہے (روح المعانی)

۷ اعمیٰ سے مراد متحیر ہے کہ کافر قیامت کے دن حیران و پریشان ہوگا عذاب سے بچنے کی کوئی تدبیر اس کی سمجھ میں نہ آسکے گی جیسا کہ اندھا آدمی کسی موذی جانور کو دفع کرنے اور اس سے بچنے کی تدبیر کرنے میں حیران و پریشان ہوجاتا ہے کہ معلوم نہیں یہ جانور کہاں اور کدھر ہے کس طرح اس کو ماروں اور کس طرف کو اس سے بچوں، ایسے ہی کافر قیامت کے روز حیلوں اور تدبیروں سے اندھا ہوگا وہ کہے گا خدایا دنیا میں تو میں مصیبتوں سے بچنے کے لئے قسم قسم کی تدبیریں

کر لیا کرتا تھا آج تو نے مجھے تدبیروں سے اندھا کیوں کر دیا کہ کوئی تدبیر عذاب جہنم سے بچنے کی نظر نہیں آرہی ہے (روح المعانی)

یہ سات جوابات تو اعمیٰ اور بصیر کے درمیان تعارض کے ہوئے اس کے بعد ابکم و ناطق اور اصم و سامع کے درمیان تعارض کے جوابات سنئے اس کے تین جواب ہیں،

(۱) اختلافِ زمان پر محمول ہے یعنی اوّلاً یہ لوگ معدوم الحواس گونگے اور بہرے ہوں گے پھر ان کے نطق و سماعت کو لوٹا دیا جائے گا جس سے یہ لوگ بولیں گے اور سنیں گے ہلاکت کو پکاریں گے اور جہنم کا جوش و خروش وغیرہ سنیں گے ولا التعارض بعد اختلاف الزمان (صاوی، روح المعانی)

(۲) حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ بہرے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ کوئی ایسی بات نہیں سن پائیں گے جس سے ان کے کانوں کو لذت و سرور محسوس ہو اور گونگے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حجت اور دلیل کے اعتبار سے گونگے ہوں گے کوئی ایسی حجت و دلیل بیان نہیں کر پائیں گے جو عند اللہ مقبول ہو مطلق ہر چیز سے اصم و ابکم ہو نا مراد نہیں ہے پس آیتِ اولیٰ سماع و نطق والی آیات کے معارض نہیں ہے (روح المعانی)

(۳) حضرت مقاتل بن سلیمان فرماتے ہیں کہ اوّلاً تو یہ لوگ سامع ناطق اور بصیر ہوں گے مگر جب ان کو چہروں کے بل جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور یہ لوگ عذابِ جہنم سے پریشان ہو کر جہنم سے نکلنے کی درخواست کریں گے رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ تو حق تعالیٰ ایک مدتِ طویلہ کے بعد جواب دیں گے اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں پڑے رہو اور مجھ سے کوئی بات چیت مت کرو اس جواب کے بعد وہ لوگ اندھے بہرے گونگے ہو جائیں گے نہ کسی کو دیکھ پائیں گے نہ کوئی بات سن پائیں گے نہ بول پائیں گے فاندفع التعارض لاختلاف الزمان (روح المعانی و تفسیر قرطبی)

اصحاب کہف نے نیند سے بیدار ہو کر کیا کہا تھا؟

پارہ نمبر ۱۵

آیات ① قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ پارہ ۱۵ رکوع ۱۵ سورۂ الکہف جلالین ص۲۴۲

② قَالُوْا رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ پارہ ۱۵ رکوع ۱۵ سورۂ الکہف جلالین ص۲۴۲

تشریح تعارض اصحابِ کہف غار میں تین سو برس تک گہری نیند سونے کے بعد جب بیدار ہوئے تو ان کے سردار مکسلمینا نے اپنے ساتھیوں سے معلوم کیا کَمْ لَبِثْتُمْ تم کتنی دیر تک سوتے رہے اس کے جواب میں ساتھیوں نے جو کہا اس بارے میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اصحابِ کہف کے دو مقولے ذکر کئے (۱) لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ کہ ہم لوگ ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم نیند کی حالت میں رہے (۲) رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ تمہارا رب تمہاری مُدّتِ لُبث کو زیادہ جانتا ہے' ان دونوں مقولوں میں تعارض ہے کیونکہ مقولۂ اولیٰ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی طرف سے مُدّتِ لبث فی حالۃ النوم کی تصریح کردی اور مقولۂ ثانیہ میں یہ ہے کہ انھوں نے مُدّتِ لُبث کو حق سبحانہٗ کے علم پر محول کر دیا گویا یہ کہا کہ ہمیں معلوم نہیں خدا ہی زیادہ جانتا ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں اور تجزیہ کے بعد تین جواب ہو جاتے ہیں ،

① دونوں مقولوں کے قائل جدا جدا ہیں یعنی قال بعضہم لبثنا یوما او بعض یوم وقال بعضہم ربکم اعلم بما لبثتم بعض نے تو کہا ہم ایک دن یا بعض دن سوئے دوسرے بعض ساتھی بولے کہ اپنی طرف سے تعیین و تصریح کیوں کرتے ہو حق تعالیٰ تمہاری مُدّتِ لبث کو زیادہ جانتے ہیں اور جب دو متعارض مقولوں کے قائل جدا جدا ہوں تو کوئی تعارض نہیں رہتا (روح المعانی و تفسیر ابو السعود)

② دونوں مقولوں کے قائل تو متحد ہیں مگر زمانہ دونوں کا مختلف ہے پھر اختلاف زمانہ کی دو صورتیں ہیں (۱) اولاً تو انھوں نے بیدار ہوتے ہی بلا تامل و غور و فکر یہ کہدیا لبثنا یوما او بعض یوم پھر کچھ تامل اور غور و فکر کے بعد کہا ربکم اعلم بما لبثتم دراصل وہ لوگ طلوعِ شمس کے وقت سوئے تھے اور تین سو برس کے بعد غروبِ شمس کے وقت بیدار ہوئے تھے انھوں نے گمان کیا کہ یہ آج ہی کے دن کا غروب ہے اور غار کے اندر ہونیکی وجہ سے اور نیند کا اثر زائل نہ ہونیکی وجہ سے غروبِ شمس کا اچھی طرح ادراک

نہ کرسکے اس لئے انھوں نے شک کے ساتھ کہا لبثنا یومًا او بعض یوم یعنی اگر غروب شمس ہوچکا ہے تو یومًا اگر نہیں ہوا ہے تو بعض یوم پھر کچھ دیر بعد جب تامّل اور غور وفکر کیا تو احساس ہوا کہ ہماری نیند طویل ہوئی ہے اور یہ متعین نہیں کرسکے کہ کتنی طویل ہوئی ہے اس لئے احتیاطًا اور ادبًا علم باری تعالیٰ پر محول کرتے ہوئے کہدیا ربکم اعلم بما لبثتم (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اوّلاً تو نیند کا اثر اور سستی زائل نہ ہونیکی وجہ سے لبثنا یومًا او بعض یوم کہدیا پھر اپنے ناخن اور بالوں کو بڑھا ہوا دیکھکر اندازہ لگایا کہ مُدتِ نوم طویل ہوئی ہے (جیساکہ بعض حضرات سے منقول ہے کہ ان کے ناخن اور بال بڑھ گئے تھے) اور مقدارِ طولِ نوم متعین نہ ہونیکی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ کے علم پر محول کیا اور کہا ربکم اعلم بما لبثتم خلاصہ یہ ہوا کہ مقولۂ اولیٰ قبل التامّل پر اور مقولۂ ثانیہ بعد التامّل پر محمول ہے یا مقولۂ اولیٰ قبل النظر الی طول الاظفار والشعور پر اور مقولۂ ثانیہ بعد النظر الیہ پر محمول ہے اور جب دو متعارض مقولوں کا زمانہ مختلف ہو تو تعارض نہیں رہتا۔ (روح المعانی و جمل)

مگر ان دونوں جوابوں میں سے جواب اول چند وجوہ سے راجح ہے (۱) ایک تو اس وجہ سے کہ قالوا ربکم اعلم بما لبثتم کو جملہ مستانفہ لایا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کے قائل جُدا جُدا ہیں اگر دونوں کے قائل متحد ہوتے تو جملۂ ثانیہ کو جملۂ اولیٰ پر ثُمَّ کے ذریعہ عطف کرکے ثُمَّ قَالُوْا الخ کہنا چاہیئے تھا کہ پہلے تو انھوں نے یہ کہا پھر یہ کہا (۲) دوسرے اس وجہ سے کہ اگر جملہ ثانیہ بھی جملۂ اولیٰ کے قائلین کا مقولہ ہوتا تو صیغۂ تکلم کے ساتھ رَبُّنَا اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْنَا ہونا چاہیئے تھا ربکم اعلم بما لبثتم صیغۂ خطاب کے ساتھ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ان میں سے بعض کا مقولہ ہے جو دوسرے بعض ساتھیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے (۳) تیسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ اس صورت میں اصحاب کہف کی دو جماعتیں ہوجائیں گی ایک مدتِ لبث کو قلیل سمجھ کر لبثنا یومًا او بعض یوم کہنے والی، دوسری مدتِ لبث کو طویل سمجھ کر ربکم اعلم بما لبثتم کہنے والی پس یہ آیت آیت سابقہ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْا اَمَدًا کے موافق ہوجائے گی جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم نے اصحاب کہف کو بیدار کیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ ان کی دو جماعتوں میں سے کس

جماعت نے مدتِ لبث کو زیادہ یاد رکھا ہے اس آیت سے معلوم ہوگیا کہ جس جماعت نے لبثنا یوما او بعض یوم کہا وہ مدتِ لبث کو ضبط نہیں کرسکی جنھوں نے مدت کو طویل سمجھ کر ربکم اعلم بما لبثتم کہا انھوں نے مدتِ لبث کو زیادہ یاد رکھا ہے اور جواب ثانی میں (یعنی جبکہ دونوں مقولوں کا قائل متحد ہو) اصحاب کہف کی یہ دو جماعتیں نہیں ہوتیں جس کی بنا پر یہ آیت آیتِ سابقہ مذکورہ کے موافق نہیں نہیں رہتی پس جواب اول راجح ہے ، (تفسیر ابوالسعود)

اہلِ جنّت کو سونے کے کنگن پہنائے جائینگے یا چاندی کے یا موتیوں کے؟

پارہ نمبر ۱۵ و ۱۷ و ۲۲ و ۲۹

آیات (۱) يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ پارہ ۱۵ رکوع ۱۶ سورۂ الکہف جلالین ص ۲۴۴ ◉ (۲) يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا پارہ ۱۷ رکوع ۱۰ سورۂ الحج جلالین ص ۲۸۰ (۳) يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ پارہ ۲۲ رکوع ۱۶ سورۂ فاطر جلالین ص ۳۶۶ ◉ (۴) وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا پارہ ۲۹ رکوع ۱۹ سورۂ الدھر جلالین ص ۴۸۴

تشریح تعارض آیتِ اولیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ جنت کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور آیت نمبر ۲ و ۳ میں ہے کہ سونے اور موتیوں کے کنگن اور آیت نمبر ۴ میں ہے کہ چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے ان چاروں آیتوں میں تعارض ظاہر ہے ،

دفع تعارض اولاً بطور تمہید یہ سنئے کہ آیتِ ثانیہ میں لفظ لُؤْلُؤًا میں دو قرأت ہیں ایک نصب کے ساتھ دوسری جر کے ساتھ ، اگر نصب پڑھا جائے تو اس کا عطف أَسَاوِرَ کے محل پر ہوگا ، أَسَاوِرَ مِنْ حرف جار کا مدخول ہونے کی وجہ سے لفظاً مجرور ہے اگرچہ غیر منصرف ہونے کی وجہ سے نصب آگیا ہے مگر لفظاً اس کو مجرور ہی کہا جائے گا اور يُحَلَّوْنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے ، أَسَاوِرَ کے محل پر عطف کرتے ہوئے لُؤْلُؤًا بھی منصوب ہوگا اور تقدیر عبارت اس

طرح ہوگی يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيُحَلَّوْنَ لُؤْلُؤًا اور ترجمہ یہ ہوگا کہ ان کو جنت میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتی پہنائے جائیں گے پھر موتی پہنائے جانے میں دو احتمال ہیں یا تو موتیوں کے کنگن یا موتیوں کے ہار، اور اگر لُؤْلُؤٍ مجرور پڑھا جائے تو ذَهَبٍ پر عطف ہوگا اور ترجمہ یہ ہوگا کہ ان کو سونے اور موتیوں کے بنے ہوئے کنگن پہنائے جائیں گے یعنی سونے کے کنگن موتیوں سے جڑے ہوئے ہوں گے جیسا کہ صاحب جلالین نے بان یرصع اللؤلؤ بالذهب کہکر اس طرف اشارہ کیا ہے

اس تمہید کے بعد دفع تعارض کی تشریح کی جاتی ہے جس کی تقریر اس طرح ہے کہ اگر یہ مراد لیا جائے کہ موتیوں کے کنگن نہیں ہوں گے بلکہ موتیوں کے ہار یا موتی سونے پر جڑے ہوئے ہوں گے تو تعارض صرف اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ اور اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ میں رہ جاتا ہے اور اگر موتیوں کے مستقل کنگن مراد لیے جائیں تو تعارض تینوں میں ہو جاتا ہے، اساور من ذهب، اساور من فضة، اساور من لؤلؤ، صورت اولیٰ یعنی ذهب اور فضة میں تعارض کے وقت اس کے سات جواب ہیں

(۱) اختلافِ اشخاص پر محمول ہے یعنی سونے کے کنگن تو اہلِ جنت کیلئے اور چاندی کے کنگن اُن کے خدام کیلئے ہوں گے (۲) اختلافِ اشخاص ہی پر محمول ہے مگر اس کی صورت یہ ہے کہ چاندی کے کنگن بچوں کیلئے اور سونے کے کنگن عورتوں کیلئے (۳) اختلافِ زمان پر محمول ہے کبھی سونے کے کنگن کبھی چاندی کے (۴) تفاوتِ اعمال پر مدار ہے جس کا جیسا عمل ہوگا ویسے ہی کنگن پہنائے جائیں گے بعض کو سونے کے بعض کو چاندی کے (۵) تفاوتِ رغبت پر مدار ہوگا یعنی اہلِ جنت کی رغبت اور خواہش کے مطابق معاملہ ہوگا جو سونے کے پہننا چاہے گا اس کو سونے کے جو چاندی کے پسند کرے گا اس کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ (۶) جمعیت مراد ہے ہر جنتی کو دو دو کنگن ملیں گے ایک چاندی کا ایک سونے کا جو موتیوں سے جڑا ہوگا (۷) جمعیت ہی مراد ہے مگر اس کی صورت یہ ہے کہ ہر جنتی کو تین تین کنگن ملیں گے ایک چاندی کا ایک خالص سونے کا ایک موتی سے جڑا ہوا سونے کا (روح المعانی وجمل)

صورتِ ثانیہ یعنی ذھب، فضۃ اور لؤلؤ تینوں میں تعارض ہونے کی صورت میں پانچ جواب ہیں ① جمعیت مراد ہے ہر جنتی کو تین تین کنگن ملیں گے ایک سونے کا دوسرا چاندی کا تیسرا موتیوں سے بنا ہوا حضرت عکرمہ سے منقول ہے ان اھل الجنۃ یحلون اسورۃ من ذھب ولؤلؤ وفضۃ ھی اخف علیھم من کل شئ انما ھی نور (اخرجہ عبد الحمید وابن منذر) تذکرۃ القرطبی میں ہے یسور المؤمن فی الجنۃ بثلثۃ اسورۃ سوار من ذھب وسوار من فضۃ وسوار من لؤلؤ، ② جمعیت ہی مراد ہے مگر صورت وہ ہے جو سعید بن المسیب سے منقول ہے کہ ہر ایک کو چھ چھ کنگن پہنائے جائیں گے دو سونے کے دو چاندی کے دو موتیوں کے (غالباً تین داہنے ہاتھ میں پہنیں گے تین بائیں میں ③ اختلافِ زمان پر محمول ہے تارۃً من الذھب وتارۃً من الفضۃ وتارۃ من اللؤلؤ کما مر ④ تفاوتِ اعمال پر مدار ہوگا کما مر ⑤ تفاوتِ رغبت پر مدار ہوگا کما مر، (روح المعانی وجمل)

بنی اسرائیل کے دو بھائیوں میں سے کافر بھائی کو دو ۲ باغ دئے گئے تھے یا ایک؟

پارہ نمبر ۱۵

آیات ① جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ پارہ ۱۵ رکوع ۱۷ سورۂ الکھف جلالین ص ۲۴۵ ◉ ② وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ پارہ ۱۵ رکوع ۱۷ سورۂ الکھف جلالین ص ۲۴۵

تشریح تعارض حق تعالیٰ شانہٗ نے قوم بنی اسرائیل میں سے دو بھائیوں کا ایک قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ کہ ہم نے ان میں سے ایک کو انگوروں کے دو باغ عطا فرمائے تھے اس کے بعد ان باغوں کے اوصاف ذکر کئے پھر جب قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے بھائی کو اپنے باغوں کی رونق و زینت دکھلانے کیلئے لے گیا تو اس کیلئے حق تعالیٰ نے وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ صیغہ مفرد ذکر کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک باغ تھا اور آیتِ اولیٰ میں صیغہ تثنیہ کیساتھ

جَنَّتَيْنِ فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو باغ تھے پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے چھ جواب ہیں

❶ جس طرح الف لام استغراقی ہوتا ہے اسی طرح اضافت بھی استغراقی ہوتی ہے یہاں جنت کی اضافت ہٗ ضمیر کی طرف استغراقی ہے مطلب یہ ہے کہ اپنے تمام باغوں (دونوں باغوں) میں داخل ہوا اس کے تمام باغ دو ہی باغ تھے (روح المعانی وجمل)

❷ دونوں باغ متصل تھے اتصال کی وجہ سے ان دونوں کو ایک شمار کرکے جَنَّۃٌ کہدیا گیا (ابوالسعود)

❸ دونوں باغوں میں دخول چونکہ ایک وقت میں نہیں ہوسکتا بلکہ یکے بعد دیگرے ہی ہوسکتا ہے اس لئے صیغۂ مفرد استعمال کیا مطلب یہ ہے کہ پہلے ایک باغ دکھلایا پھر دوسرا یعنی دَخَلَ جَنَّۃً بَعْدَ جَنَّۃٍ - ایک کے ذکر پر اکتفا کرلیا گیا مراد دونوں ہیں (تفسیر ابوالسعود)

❹ باغوں کی تعداد بیان کرنا مقصود ہی نہیں ہے اس لئے صیغۂ تثنیہ کا استعمال ضروری نہیں سمجھا گیا صیغۂ مفرد کے ساتھ جَنَّۃٌ کہدیا (تفسیر ابوالسعود)

❺ جنت سے مراد باغ نہیں ہے بلکہ جنت دنیویہ مراد ہے کافر[1] کو جو مال ومتاع دنیا میں ملتا ہے بس وہی اسکی جنت ہوتی ہے آخرت کی جنت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے تو جَنَّتَہٗ کہکر اس طرف اشارہ کیا کہ اس کے پاس جو دو باغ اور دیگر اموال واسباب تھے بس یہی اس کی جنت تھی وہ اپنے مؤمن بھائی کو اپنی جنت دکھلانے لے گیا، (تفسیر کبیر)

❻ اس کو حق تعالیٰ نے ایک ہی باغ عطا فرمایا تھا پس آیت نمبر ۳۵ میں تو کوئی اشکال نہیں البتہ آیت نمبر ۳۲ میں جَنَّتَيْنِ اس لئے فرمایا کہ اس باغ کے درمیان ایک نہر جاری تھی نہر کے دونوں طرف باغ تھا اس لئے اس کو دو باغوں سے تعبیر کردیا گیا جیسا کہ ابن ابی حاتم نے امام سدی

---

[1] جس بھائی کو دو باغ دیئے گئے تھے وہ کافر تھا جس کا نام فرطوس یا قطفیر بتایا گیا ہے اور دوسرا بھائی مؤمن تھا جس کا نام بقول حضرت ابن عباسؓ یہودا اور بقول حضرت مقاتلؒ یملیخا تھا جس نے اپنا سارا اثاثہ اللہ کے راستہ میں خرچ کردیا تھا اور دنیاوی اعتبار سے فقیر ومحتاج ہوگیا تھا ۱۲ روح المعانی

سے نقل کیا ہے مگر یہ توجیہ ضعیف ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے وَفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا، جنتین کے ذکر کے بعد فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مستقل باغ تھے ان دونوں کے درمیان نہر جاری تھی اگر باغ ایک ہوتا اور درمیان میں نہر جاری ہوجانے کی وجہ سے دو باغ ہوگئے تھے تو اس صورت میں یوں کہا جاتا جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّةً وَفَجَّرْنَا خِلٰلَهَا نَهَرًا فَصَارَتَا جَنَّتَيْنِ (روح المعانی)

قیامت کے دن پہاڑوں کا کیا حال ہوگا؟

پارہ نمبر ۱۵، ۱۶، ۲۰، ۲۷، ۲۹، ۳۰

آیات (۱) وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً پارہ ۱۵ رکوع ۱۸ سورۂ الکہف جلالین ص ۲۴۶ (۲) وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ پارہ ۲۰ رکوع ۳ سورۂ نمل جلالین ص ۳۲۵ (۳) وَتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا پارہ ۲۷ رکوع ۳ سورۂ الطور جلالین ص ۴۳۵ (۴) وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا پارہ ۳۰ رکوع ۱ سورۂ النباء جلالین ص ۴۸۷ (۵) وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ پارہ ۳۰ رکوع ۶ سورۂ التکویر جلالین ص ۴۹۱ ◉ (۶) وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا پارہ ۱۶ رکوع ۱۵ سورۂ طٰہٰ جلالین ص ۲۶۷ (۷) وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ پارہ ۲۹ رکوع ۲۱ سورۂ المرسلات جلالین ص ۴۸۵ ◉ (۸) وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا پارہ ۲۷ رکوع ۱۴ سورۂ الواقعۃ جلالین ص ۴۴۶ ◉ (۹) وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً پارہ ۲۹ رکوع ۵ سورۂ الحاقۃ جلالین ص ۴۷۱ وص ۴۷۲ ◉ (۱۰) وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ پارہ ۲۹ رکوع ۷ سورۂ المعارج جلالین ص ۴۷۳ (۱۱) وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ پارہ ۳۰ رکوع ۲۶ سورۂ القارعۃ جلالین ص ۵۰۵ ◉ (۱۲) وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا پارہ ۲۹ رکوع ۱۳ سورۂ المزمل جلالین ص ۴۷۸

تشریح تعارض قیامت کے روز پہاڑوں کا کیا حال ہوگا اس بارے میں یہ آیات متعارض

ہیں، یہ آیات سات قسم کے مضامین پر مشتمل ہیں مرور (چلنا) تسییر (چلانا) نسف
اڑانا، بسّ (ریزہ ریزہ کرنا یا ہانکنا) دکّ (ٹکڑے ٹکڑے کر دینا) ھباءً منبثاً (بکھرا ہوا غبار)
عھن (روئی) کثیباً مھیلاً (بہنے والے ریت کا ٹیلہ) آیت نمبر ۱ تا ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ
پہاڑوں کو چلایا جائیگا جن میں سے آیت نمبر ۲ میں یہ ہے کہ بادلوں کی طرح چلتے ہوئے ہوں گے
اس کے بعد آیت نمبر ۶ و ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ اڑا دیا جائے گا اس کے بعد آیت نمبر ۸ میں
وَبُسَّتِ الْجِبَالُ کہا گیا ہے بُسَّتْ کی تفسیر حضرت ابن عباس و مجاہد نے فُتِّتَتْ (ریزہ ریزہ کر دیا
جائے گا) کے ساتھ کی ہے اور بعض نے سِیْقَتْ کے ساتھ کی ہے بمعنی ہانکنا چلانا اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائیگا یا ہانکا جائے گا بُسَّتْ کی دوسری تفسیر کی صورت میں
یہ پہلی پانچ آیات کے مضمون کے موافق ہو جائے گی نیز اس آیت میں اس کے ساتھ ساتھ ھَبَاءً
مُنْبَثًا کہا گیا ہے جس کے معنی بکھرے ہوئے غبار کے آتے ہیں پھر آیت نمبر ۹ میں ہے کہ ٹکڑے
ٹکڑے کر دئے جائیگا یہ بُسَّتْ کی تفسیر اول فُتِّتَتْ کے موافق ہے اس کے بعد آیت نمبر ۱۰
و ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ دھنی ہوئی ہلکے گالے کی طرح ہو جائیں گے اس کے بعد آیت نمبر
۱۲ میں ہے کہ بہنے والے ریت کے ٹیلہ کی طرح ہو جائیں گے پس اسطرح ان آیات میں بظاہر تعارض ہے

دفع تعارض قیامت کے دن پہاڑوں پر یکے بعد دیگرے یہ سب احوال مذکورہ طاری ہوں
گے جن کو ان آیات میں متفرق طور پر ذکر کر دیا گیا ہے اولاً تو پہاڑوں کو زمین سے اکھاڑ کر فضا
میں لیجایا جائے گا وہاں پر ہوائیں ان کو اڑاتی پھریں گی یہ بادلوں کیطرح چلتے ہوئے اور
اڑتے ہوئے ہوں گے اور روئی کے گالوں کی طرح دکھائی دیں گے جس طرح اڑتے ہوئے بادل
روئی کے گالوں کی طرح معلوم ہوا کرتے ہیں پھر ان کو زمین پر گرا کر ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ
کر دیا جائے گا ایسا محسوس ہو گا جیسے مجتمع ریت کا ٹیلہ بہنے لگا ہو اس کے بعد ان کو ھباءً
منثورًا بکھرے ہوئے غبار کی طرح بنا دیا جائے گا پس ان آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے
حضرت حسن اور دیگر محققین حضرات سے اسی طرح منقول ہے (روح المعانی)

قیامت کے دن کفار کے اعمال تولے جائینگے یا نہیں؟

پارہ نمبر ۱۶ و ۱۸

آیات (۱) اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا پارہ ۱۶ رکوع ۳ سورۂ الکہف جلالین صـ ۲۵۳

(۲) وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ پارہ ۱۸ رکوع ۶ سورۂ المؤمنون جلالین صـ ۲۹۳،

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ میں فرمایا کہ ہم کفار کیلئے وزن قائم نہیں کریں گے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کفار کے اعمال کو تولا نہیں جائیگا اور آیت نمبر ۲ میں ارشاد ہے کہ جن کے ترازو کے پلّے ہلکے ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈالدیا یہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال تولے جائیں گے آیتِ ثانیہ میں اعمال کفار کے وزن کا اثبات اور آیتِ اولیٰ میں وزن کی نفی ہے پس ظاہراً دونوں آیتوں میں تعارض ہے

دفع تعارض اس تعارض کے تین ۳ جواب ہیں،

(۱) آیتِ اولیٰ میں مطلق وزن کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ وزنِ نافع کی نفی مقصود ہے یعنی فلا نقیم لہم یوم القیٰمۃ وزنًا نافعًا مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال کا وزن تو کیا جائیگا مگر اس وزن سے ان کو کوئی نفع نہیں پہنچے گا کیونکہ کفار نے ثواب کی خاطر جو اعمالِ حسنہ دنیا میں کئے وہ قبولیت کی شرط یعنی ایمان نہ ہونے کی وجہ سے بیکار ہوجائیں گے کہ دیکھنے میں تو وہ اعمال بڑے بڑے نظر آئیں گے مگر اندر سے کھوکھلے اور خالی ہوں گے جب ترازو کے پلّہ میں ان کو رکھا جائیگا تو ان کی وجہ سے پلّہ بھاری نہیں ہوگا بلکہ ہلکا ہوجائیگا اور ظاہر ہے کہ اعمال کے وزن سے صاحبِ اعمال کو نفع اسی وقت ہوگا جب کہ اعمالِ حسنہ کا پلّہ بھاری ہو جیسا کہ ارشاد ہے فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور جب ان لوگوں کا پلّہ ہلکا رہیگا تو ان کو کوئی نفع نہیں پہنچے گا بلکہ یہ لوگ خسارہ اور نقصان میں رہیں گے اسی کو آیتِ ثانیہ میں فرمایا وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ

الَّذِیْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ خلاصہ یہ ہوا کہ نفی وزنِ نافع کی ہے اور اثبات وزن غیر نافع کا ہے جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں لہذا کوئی تعارض نہیں ہے (جلالین وغیرہ)

(۲) آیتِ اولیٰ میں وزن قائم نہ کرنے سے تولنے کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ کفار کی توہین اور تحقیر شان مراد ہے یعنی آیتِ شریفہ میں وزنِ اعمال یا عدم وزنِ اعمال کو بیان کرنا مقصود ہی نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ قیامت کے دن ہمارے نزدیک کفار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا ان کی کوئی قدر و منزلت اور کوئی حیثیت ہماری نظروں میں نہیں ہوگی کیونکہ قدر و منزلت تو اس دن اعمالِ حسنہ والے شخص کی ہوگی اور جب ان کفار کے اعمالِ حسنہ ضائع اور بیکار ہو چکے ہوں گے تو یہ لوگ گویا اعمالِ حسنہ سے بالکل کورے اور خالی ہو جائیں گے جس کی وجہ سے ان کی کوئی قدر و منزلت اور کوئی وقعت نہیں ہوگی یہ لوگ نہایت ذلیل و حقیر ہوں گے پس آیتِ اولیٰ میں وزن سے مراد اس کے حقیقی معنی تولنا مراد نہیں ہیں بلکہ وزن کے مجازی معنی یعنی اعتبار کرنا اور قدر و منزلت مراد ہے یعنی فَلَا نَجْعَلُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِعْتِبَارًا وزن کو اعتبار کے معنی میں لینا کثیر الاستعمال ہے جیسے کہا جاتا ہے فلاں نے وزن دار بات کہی ہے یعنی اس کی بات قابلِ قدر اور قابلِ اعتبار ہے اور فلاں کی بات کا کوئی وزن نہیں یعنی اس کی بات معتبر نہیں ہے اس کی کوئی حیثیت ہماری نظروں میں نہیں ہے پس جب آیتِ اولیٰ میں وزن کی نفی مقصود ہی نہیں ہے تو آیتِ ثانیہ سے اس کا کوئی تعارض نہیں رہا (روح المعانی)

(۳) اختلافِ اشخاص پر محمول ہے یعنی بعض کفار کے اعمال تولے جائیں گے اور بعض کے نہیں جس طرح مؤمنین دو قسم کے ہوں گے بعض تو وہ جو بلا حساب و کتاب و بلا وزنِ اعمال جنت میں چلے جائیں گے اور بعض حساب و کتاب اور وزنِ اعمال کے بعد جنت میں داخل ہوں گے ایسے ہی کفار کی دو قسمیں ہوں گی بعض وہ کفار جو بلا حساب و کتاب و بلا وزنِ اعمال جہنم میں داخل کر دئیے جائیں گے اور بعض کو حساب و کتاب اور وزنِ اعمال کے بعد جہنم میں بھیجا جائے گا پس وزن کی

نفی بعض کفار کیلئے اور وزن کا اثبات دوسرے بعض کفار کیلئے ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے علامہ سیوطی رہ نے اسی توجیہ کو پسند کیا ہے (قرطبی و مظہری)

مؤمنین صالحین جہنم میں داخل ہوں گے یا نہیں ؟

پارہ نمبر ۱۶ و ۱۷

آیات ① وَإِنْ مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا پارہ ۱۶ رکوع ۸ سورۂ مریم جلالین ص ۲۵۸ ◉ ② إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ پارہ ۱۷ رکوع ۷ سورۂ الانبیاء جلالین ص ۲۷۷

تشریح تعارض آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو جہنم میں ضرور داخل ہونا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص جہنم میں ضرور جائے گا مؤمن ہو یا کافر، متقی و صالح ہو یا فاسق و فاجر، نبی و ولی ہو یا غیر نبی و غیر ولی، سب جہنم میں ضرور داخل ہوں گے اور آیت ثانیہ میں ہے کہ ہم نے جن کیلئے بھلائی اور حسنِ عاقبت کا فیصلہ کر دیا ہے وہ جہنم سے دور رہیں گے پس بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کے چار جواب ہیں ،

① آیت اولیٰ میں ورود سے مراد حضور ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے الورود الحضور، عبد بن حمیدؒ نے بھی حضرت عبید بن عمیرؓ سے یہی تفسیر نقل کی ہے مطلب یہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو جہنم کے قریب مقام حساب و کتاب میں حاضر ہونا ہے وُرود بول کر قرب و حضور مراد لیا جاتا ہے جیسے وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ میں وُرود سے مراد قرب و حضور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنوئیں کے قریب حاضر ہوئے کنوئیں کے اندر داخل ہونا مراد نہیں ہے ، امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جب قافلہ شہر کے قریب آجائے ابھی شہر میں داخل نہ ہو تو کہدیا جاتا ہے وَرَدَتِ القافلةُ البلدةَ اور أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ

کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نفس جہنم سے مسافت کے اعتبار سے بعید ہوں گے کیونکہ بُعدِ مسافت تو قرب کے منافی ہے پس تعارض جوں کا توں باقی رہے گا بلکہ مُبْعَدُوْنَ عَنْ عَذَابِهَا مراد ہے اصحابِ حسنیٰ اگرچہ مسافت کے اعتبار سے تو جہنم کے قریب ہوں گے مگر اس کے عذاب سے دور رہیں گے قریب ہوتے ہوئے بھی ان کو جہنم کی حرارت وغیرہ کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوگا اور اگر بُعدِ مسافت ہی مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ اولاً جہنم کے قریب لایا جائے گا پھر دور کر دیا جائے گا پس کوئی تعارض نہیں (تفسیر کبیر و روح المعانی و مدارک)

(۲) ورود سے مراد دخول ہی ہے قدماء مفسرین اور جمہور اہلِ سنت والجماعت اسی کے قائل ہیں وُرود بمعنی دخول دیگر آیات میں بھی مستعمل ہے جیسے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ ای داخلون، اسی طرح فرعون اور اس کی قوم کے متعلق ارشاد ہے يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ای فادخلھم النار اور آیت ثانیہ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ کے معنی مبعدون عن عذابہا ہیں حق تعالیٰ ہر شخص کو جہنم میں داخل کریں گے مگر اس کے باوجود جہنم کی آگ مومنین صالحین پر اثر نہ کرے گی حق تعالیٰ نے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کو برداً وسلاماً بنا دیا تھا ایسے ہی مومنین صالحین کے حق میں جہنم کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی حضرت جابر رض کی مرفوع روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے،

عن ابی سمیة قال اختلفنا فی الورود فقال بعضنا لا یدخلها مؤمن وقال آخر یدخلونها جمیعا ثم ینجی الله الذین اتقوا فلقیت جابر بن عبد الله فذکرت له فقال واھوی باصبعیه الی اذنیه صمتا ان لم اکن سمعت رسول الله

حضرت ابو سمیہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں میں ورود کے بارے میں اختلاف ہوا بعض نے تو کہا کہ مومن جہنم میں داخل نہیں ہوگا دوسرے نے کہا جہنم میں سب لوگ داخل ہوں گے پھر حق تعالیٰ متقین کو نجات عطا فرما دیں گے پس میں نے حضرت جابر ابن عبد اللہ رض سے ملاقات کی تو ان سے اس بات کا

صلی اللہ علیہ وسلم یقول لایبقی بر ولا فاجر الا دخلھا فتکون علی المؤمن برداً وسلاماً کما کانت علی ابراھیم علیہ السلام حتی ان للنار ضجیجا من بردھم ثم ینجی اللہ الذین اتقوا (اخرجہ احمد والحکیم الترمذی وابن المنذر والحاکم وصححہ) روح المعانی

ذکر کیا انھوں نے اپنی دو انگلیاں کانوں کی طرف بڑھا کر فرمایا کہ یہ دونوں کان بہرے ہوجائیں اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو آپ فرماتے تھے کہ کوئی نیک و فاجر جہنم میں داخل ہوئے بغیر باقی نہیں رہے گا مومن پر آگ ٹھنڈی و سلامتی والی ہوجائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوگئی تھی یہاں تک کہ لوگوں کے ٹھنڈا ہوجانے کی وجہ سے آگ شور مچانے لگے گی پھر حق تعالیٰ اہلِ تقویٰ کو اس میں سے نکال دیں گے

بہرحال خلاصہ یہ ہوا کہ ہر شخص جہنم میں داخل ہوگا مگر مؤمنین صالحین اصحاب حسنیٰ اس کے عذاب سے دور اور محفوظ رہیں گے فلا تعارض بین الآیتین (روح المعانی)

(۲) وُرود سے مراد مُرور ہے حضرت حسن اور حضرت قتادہ نے یہی تفسیر کی ہے اور یہ گذرنا اس پُلصراط پر ہوگا جو جہنم کی پُشت پر بچھایا جائے گا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مؤمن جہنم کے اوپر پلصراط پر سے گذر جائے گا اور اس کو پتہ بھی نہ چلے گا جیسا کہ ایک روایت میں ہے

عن خالد بن معدان قال اذا دخل اھل الجنۃ الجنۃ قالوا ربنا الم تعدنا ان نرد النار قال بلی ولکنکم مررتم علیھا وھی خامدۃ (اخرجہ ابن ابی شیبہ وعبد بن حمید والحکیم وغیرہم) روح المعانی ص۱۲۲ ج۱۶

حضرت خالد بن معدان سے روایت ہے کہ جب اہلِ جنت جنت میں داخل ہوجائیں گے تو عرض کریں گے اے خدا کیا آپ نے ہم سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم جہنم پر وارد ہوں گے حق تعالیٰ فرمائیں گے ہاں وعدہ کیا تھا مگر تم لوگ تو اس پر سے گذر بھی گئے اس حال میں کہ اس کی آگ بجھی ہوئی تھی، اس تفسیر پر بھی دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں رہتا (روح المعانی و مدارک)

(۳) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ورود علی النار سے مراد دنیا میں بخار کا لاحق ہونا ہے جہنم میں داخل ہونا یا اس پر سے گذر نا مراد نہیں ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو دنیا میں بخار

لاحق ہوتا ہے انھوں نے غالباً یہ تفسیر حضرت عائشہ رضؓ کی ایک روایت کے پیش نظر کی ہے

عن عائشۃ رضؓ قالت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الحمّیٰ من فیح جھنم فابردوھا بالماء (رواہ البخاری ومسلم)	حضرت عائشہؓ سے مروی ہے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بخار جہنم کی حرارت سے ہوتا ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کیا کرو

مگر اس روایت سے مقصد پر استدلال غیر ظاہر ہے اس لئے کہ روایت میں ورود علی النار سے کوئی تعرض نہیں ہے (تفسیر خازن وروح المعانی)

حضرت موسیٰؑ کی زبان کی لکنت بالکل زائل ہوگئی تھی یا کچھ باقی تھی؟

پارہ نمبر ١٦ و ٢٠ و ٢٥

آیات (١) قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى پارہ ١٦ رکوع ١١ سورۂ طٰہٰ جلالین صـ ٢٦٢

(٢) وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ الخ پارہ ٢٠ رکوع ٧ سورۂ القصص جلالین صـ ٣٣٠

(٣) وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ پارہ ٢٥ رکوع ١١ سورۂ الزخرف جلالین صـ ٤٠٨

تشریح تعارض پہلی آیت میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے موسیٰ آپ کی درخواست پوری کر دی گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تھی

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي	اے پروردگار میرا سینہ کھولدے میری زبان کی گرہ (لکنت) دور کر دے تاکہ لوگ میری بات سمجھیں اور میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیرو

معین بنادے حق تعالیٰ نے دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى اے موسیٰ جو دعائیں آپ نے ہم سے مانگی ہیں ہم نے قبول کرلی ہیں یعنی ہم نے آپ کو شرح صدر سے بھی نوازدیا آپ کی زبان کی لکنت بھی دور کردی گئی اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو آپ کا وزیر و معین بنادیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان کی لکنت بالکل

دور ہوگئی تھی صاف بولنے لگے تھے اور آیت نمبر ۲ و ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ لکنت بالکلیہ زائل نہیں ہوئی تھی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ھارون علیہ السلام کو خود سے افصح اللسان فرمایا ہے کہ حضرت ہارون کی زبان میں مجھ سے زیادہ روانی ہے میں زیادہ صاف اور تیز بول نہیں پاتا معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں کچھ لکنت باقی تھی اور آیت نمبر ۳ میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس دعوت دینے کیلئے پہنچے تو اس نے کہا وَلَا یَکَادُ یُبِیْنُ کہ یہ تو اپنی بات اچھی طرح ظاہر نہیں کرپاتے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لکنت باقی تھی پس ان دونوں آیتوں کا پہلی آیت سے بظاہر تعارض ہورہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں جو تجزیہ کے بعد متعین ہوجاتے ہیں،

(۱) لکنت تو بالکلیہ زائل ہوگئی تھی جیساکہ آیت نمبر ۱ سے معلوم ہوتا ہے حضرت حسن بصریؒ اور اکثر حضرات اسی کے قائل ہیں البتہ آیت نمبر ۲ میں جو حضرت ہارون علیہ السلام کا افصح لساناً ہونا مذکور ہے اس کے دو جواب ہیں (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وقت حضرت ہارونؑ کو وزیر و معین بنانے کی درخواست کررہے تھے اس وقت تو لکنت موجود تھی اس لئے حضرت ہارون کو افصح منی لساناً فرمایا بعد میں حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمالی اور لکنت کو بالکلیہ زائل فرمادیا پس اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں بعد میں بھی لکنت باقی رہی

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ قبولیت دعاء کے بعد افصح اللسان فرمایا تو حضرت ہارون علیہ السلام کے افصح لساناً ہونے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فصاحت لسانی کی نفی نہیں ہوتی حضرت موسیٰ علیہ السلام فصیح اللسان تھے اور فصیح اللسان اس شخص کو کہتے ہیں جس کی زبان میں لکنت نہ ہو جیساکہ ابن ہلال نے کتاب الصناعتین میں تصریح کی ہے الفصاحۃ تمام آلۃ البیان کہ فصاحت آلۂ بیان یعنی زبان کے مکمل ہونے کو کہتے ہیں جس کی زبان میں نقص ہو اس کو فصیح نہیں کہا جاتا اسی وجہ سے اَلْتَغ (ہکلے شخص) اور تَمْتَام (جلدی جلدی بولنے والے شخص) کو فصیح نہیں کہا جاتا کیونکہ یہ لوگ حروف کی ادائیگی پر اچھی طرح قادر نہیں ہوتے بہر حال حضرت

موسیٰ علیہ السلام فصیح تھے زبان میں لکنت بالکل نہیں تھی البتہ حضرت ھارون علیہ السلام افصح تھے اور تیسری آیت وَلَا یَکَادُ یُبِیْنُ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حُجّت ودلیل مکمل پیش نہیں کرپاتے، فرعون لعین نے یہ بات تمویہًا کہی تھی تاکہ لوگوں کا میلان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نہ ہوپائے ورنہ تو وہ جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قویّ الحجۃ والدلیل ہیں پس اس آیت سے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صاحبِ لکنت ہونا ثابت نہیں ہوتا لہٰذا ان آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے (روح المعانی ومدارک)

۲ لکنت بالکلیہ زائل نہیں ہوئی تھی جیساکہ اخیر کی دو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے امام جبائی اسی کے قائل ہیں اور پہلی آیت کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوری لکنت کے زوال کی دُعا نہیں کی تھی بلکہ دُعا کا مقصد یہ تھا کہ اے رب میری زبان کی اتنی لکنت دور کردے جس سے لوگ میری بات سمجھنے لگیں اسی لئے عُقْدَۃً نکرہ اور مِنْ لِسَانِیْ میں مِنْ تبعیضیہ کا استعمال کیا کہ میری زبان کی تھوڑی سی لکنت دور کردے اسی دعا کو حق تعالیٰ نے قبول فرمالیا اور کچھ لکنت دور فرمادی تھی جس سے لوگ بات سمجھ جاتے تھے اگر بالکلیہ زوال کی دعا ہوتی تو وَاحْلُلْ عُقْدَۃً لِسَانِیْ اضافت کیساتھ کہا جاتا پس یہ آیت اخیر کی دونوں آیتوں کے معارض نہیں ہے،

مگر اکثر حضرات چونکہ بالکلیہ زوال کے قائل ہیں اس لئے انھوں نے عُقْدَۃً کے نکرہ اور مِنْ کے استعمال کا جواب یہ دیا ہے کہ عُقدۃً کو نکرہ تو اس لئے استعمال کیا کہ لکنت فی نفسہا قلیل تھی زیادہ نہیں تھی اور مِنْ فی کے معنیٰ میں ہے یعنی واحلل عقدۃ فی لسانی میری زبان میں جو یہ تھوڑی سی لکنت ہے اس کو دور کردے حق تعالیٰ نے دور فرمادی (روح المعانی)

یہ بظاہر تو دو جواب ہوئے مگر پہلا جواب چونکہ دو جوابوں پر مشتمل ہے اس لئے تجزیہ کے بعد تین جواب ہوجاتے ہیں،

حضرت سلیمانؑ کیلئے مسخر شدہ ہوا تیز تھی یا ہلکی ؟

پارہ نمبر ۱۷ و ۲۳

آیات (۱) وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖ الایۃ پارہ ۱۷ رکوع ۶ سورۂ الانبیاء جلالین ص ۲۷۵ ● (۲) فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ پارہ ۲۳ رکوع ۱۲ سورۂ صٓ جلالین ص ۳۸۳ ،

تشریح تعارض حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے حق تعالیٰ نے ہوا کو مسخر کر دیا تھا اس ہوا کو آیتِ اولیٰ میں عاصفة بمعنی تیز چلنے والی کہا گیا ہے اور دوسری آیت میں رُخَآءً نرم اور ہلکی بتایا گیا ہے پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں

(۱) شدت و رخوت کی جہت مختلف ہے یہ ہوا مسافت طے کرنے کے اعتبار سے تو عاصفہ یعنی تیز رفتار تھی مگر فی نفسہٖ خفیف و نرم تھی کہ اس سے راکبین کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی ورنہ تو تیز آندھی مسافر کیلئے وبال اور مصیبت بن جاتی ہے کہ اس کے کپڑے بھی اُڑنے لگتے ہیں اس کا ساز و سامان بھی منتشر و متفرق ہو جاتا ہے بلکہ خود اُس کے اُڑ جانے اور ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہو جاتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہوا ایسی نہیں تھی تیز رفتار ہونے کے باوجود نہایت اطمینان و استقلال کے ساتھ راکبین کو لیکر چلتی تھی اور تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ زمانِ قلیل میں مسافت بعیدہ طے کر لیتی تھی صبح سے زوال تک ایک ماہ کی مسافت اور زوال سے مغرب تک ایک ماہ کی مسافت کا سفر ہو جاتا تھا اسی کو حق تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ حضرتِ حسنؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ صبح صبح دمشق سے روانہ ہوتے اور اُصطخر میں جا کر قیلولہ کرتے دمشق اور اُصطخر کے درمیان ایک مہینہ کی مسافت کا فاصلہ ہے پھر زوال کے بعد اصطخر سے چلتے اور بابل میں رات گذارتے اور ان دونوں مقاموں میں ایک ماہ کی مسافت کا فاصلہ ہے بہرحال شدت و رخوت کی جہت بدل

جانے کی وجہ سے کوئی تعارض نہیں رہا (بیان القرآن وصاوی)

❷ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ارادہ کے اعتبار سے شدید وخفیف ہوتی رہتی تھی جب حضرت سلیمان علیہ السلام تیز رفتاری کا ارادہ فرماتے تو عاصفہ بن جاتی تھی اور جب ہلکی رفتار چاہتے تو رُخاء ہو جاتی تھی جیسے گاڑی کا ڈرائیور جب چاہتا ہے گاڑی کی رفتار تیز کر دیتا ہے جب چاہتا ہے ہلکی کر دیتا ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے (تفسیر خازن وروح المعانی)

❸ آمد ورفت کے اعتبار سے شدت ورخوت مختلف ہوتی تھی جب حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے وطن سے کسی جگہ تشریف لیجاتے تو خفیف ہوتی تھی اور جب وطن کی طرف واپس لوٹتے تو عاصفہ (تیز رفتار) بن جاتی تھی جیسے انسان کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی مقام سے اپنے وطن کی طرف واپس آتا ہے تو تیز رفتار گاڑی سے آتا ہے، (روح المعانی) جیسے ہمارے طلبۂ مدارس جب سالانہ تعطیل پر اپنے اپنے وطن جاتے ہیں تو ایکسپریس بلکہ راجدھانی کا ٹکٹ بنوانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ جلد از جلد گھر پہنچ سکیں اور جب شوال کے مہینہ میں گھروں سے مدرسہ آنا ہوتا ہے تو پیسنجر ٹرین سے بھی کام چل جاتا ہے،

حضرت ایوبؑ نے بیماری میں صبر کیا یا نہیں؟

پارہ نمبر ۱۷ و ۲۳

آیات ① وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ پارہ ۱۷ رکوع ۶ سورۂ الانبیاء جلالین ص ۲۷۶ ② إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ پارہ ۲۳ رکوع ۱۳ سورۂ ص جلالین ص ۳۸۳،

تشریح تعارض آیتِ اولیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری و مصیبت کا شکوہ کیا أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ کہ مجھے بہت شدت لاحق ہوگئی ہے میں پریشان ہوگیا ہوں اور شکوہ وشکایت کرنا صبر کے منافی ہے اس سے یہ لازم آیا کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے صبر نہ ہوسکا

کیونکہ صابر آدمی شکوہ وشکایت نہیں کرتا اپنے درد و مصیبت کا اظہار نہیں کیا کرتا بلکہ خاموشی اور سکون کے ساتھ اس کو برداشت کرتا رہتا ہے اور دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر پایا وہ بہت اچھے بندے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے صبر سے کام لیا کوئی شکوہ وشکایت نہیں کی پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ کہنا شکوہ شکایت نہیں ہے بلکہ یہ تو دعاء ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے فرمایا فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ، استجابت قبولیتِ دعاء کو کہتے ہیں معلوم ہوا کہ انھوں نے حق تعالیٰ سے دعاء کی تھی اسکو شکوہ شکایت کہنا غلط ہے شکوہ شکایت تو اس کو کہتے ہیں کہ آدمی مخلوق کے سامنے اپنے درد و مصیبت کا اظہار کرتا پھرے لوگوں کے سامنے ہائے ہائے کرتا پھرے یہ بے صبری اور گھبراہٹ کی علامت ہوتی ہے حق تعالیٰ کے سامنے اپنی پریشانی بیان کرنا اور رحم وکرم کی درخواست کرنا بے صبری نہیں کہلاتا، آخر حق تعالیٰ کے سامنے بندہ اپنی پریشانی بیان نہیں کرے گا اس سے رحم وکرم کی درخواست نہیں کرے گا تو اور کونسے دربار میں جاکر اپنی پریشانی کو ظاہر کرے گا کس سے رحم وکرم کی درخواست کرے گا، وہی تو ایک ایسی بارگاہ ہے جہاں سب کی حاجات پوری ہوتی ہیں اس لئے رَبِّ انی مسنی الضر کو صبر کے منافی قرار دینا غلط ہے پس ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، (تفسیر مظہری)

کفار کے معبودانِ باطلہ ان کے ساتھ جہنم میں حاضر رہیں گے یا اُن سے غائب؟

پارہ نمبر ۱۷ و ۲۴ و ۲۵ و ۲۶

آیات (۱) اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ اَنْتُمْ لَہَا وٰرِدُوْنَ

پارہ ۱۷ رکوع ۷ سورۂ الانبیاء جلالین ص ۲۷۷ ◉ (۲) ثُمَّ قِیْلَ لَہُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ تُشْرِکُوْنَ

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا پارہ ۲۴ رکوع ۱۳ سورۃ المؤمن (غافر) جلالین ص ۳۹۵ و ص ۳۹۶ (۳) وَضَلَّ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ الآیۃ پارہ ۲۵ رکوع ۱ سورۃ حٰمٓ سجدہ (فصلت) جلالین ص ۴۰۰ (۴) بَلْ ضَلُّوْا عَنْھُمْ وَذٰلِکَ اِفْکُھُمْ وَمَا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ پارہ ۲۶ رکوع ۴ سورۃ الاحقاف جلالین ص ۴۱۸،

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ میں کفار کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اور تمہارے معبود جہنم کا ایندھن ہیں تم سب جہنم میں جاؤ گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے معبودان باطلہ کفار کے سامنے ہوں گے جہنم میں ان کے ساتھ رہیں گے ان سے غائب اور پوشیدہ نہیں ہونگے اور آیت نمبر ۲ میں ارشاد ہے کہ اہل جہنم سے جہنم میں پوچھا جائیگا کہاں ہیں وہ بت جن کو تم اللہ کا شریک ٹھیراتے تھے تو وہ جواب دیں گے ضَلُّوْا عَنَّا کہ وہ تو ہماری نظروں سے غائب ہیں ہم کو نظر ہی نہیں آرہے ہیں (ضلال کے معنی غیبوبت کے ہیں ای غَابُوْا عَنَّا) اسی طرح آیت نمبر ۳ و ۴ میں وَضَلَّ عَنْھُمْ اور بَلْ ضَلُّوْا عَنْھُمْ سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے پس بظاہر ان آیات میں تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

(۱) اختلاف زمان پر محمول ہے یعنی اولاً تو کفار کے اصنام کو ان کی نظروں سے غائب کردیا جائے گا وہ کہیں گے ضَلُّوْا عَنَّا پھر ان کو حاضر کر دیا جائے گا اور اُن کو ان کے عابدین کے ساتھ جہنم میں داخل کر دیا جائے گا لہذا کوئی تعارض نہیں ہے (تفسیر ابو السعود، جلالین)

(۲) اختلاف مکان پر محمول ہے جہنم کے مختلف طبقات اور متعدد مواقف ہیں بعض مواقف و طبقات میں جدا اور غائب رہیں گے اور بعض میں ان کے ساتھ مقترن رہیں گے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے (روح المعانی)

(۳) غیبوبت سے مراد مجازاً اعدام نفع ہے غیر نافع شئے کا وجود و عدم، حضور و غیبوبت برابر ہے پس ضَلُّوْا عَنَّا کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہمارے معبود جہنم میں ہمارے ساتھ ہیں مگر ان سے ہمیں کوئی

نفع نہیں پہنچا پس حقیقۃً تو یہ بت ان کے ساتھ موجود ہوں گے مگر مجازاً ان سے غائب ہوں گے پہلی آیت حقیقت اور اخیر کی تین آیات مجاز پر محمول ہیں، فلا تعارض (روح المعانی)

قیامت کے دن آسمانوں کا کیا حال ہوگا؟

پارہ ۱۷ و ۱۹ و ۲۴ و ۲۷ و ۲۹ و ۳۰

آیات (۱) یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ پارہ ۱۷ رکوع ۷ سورۂ الانبیآء جلالین ص۲۷۷ (۲) وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِہٖ پارہ ۲۴ رکوع ۴ سورۂ الزمر جلالین ص۳۹۰ (۳) وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِکَۃُ تَنْزِیْلًا پارہ ۱۹ رکوع ۱ سورۂ الفرقان جلالین ص۳۰۵ (۴) فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَۃً کَالدِّھَانِ پارہ ۲۷ رکوع ۱۲ سورۂ الرحمٰن جلالین ص۴۴۴ (۵) فَیَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَھِیَ یَوْمَئِذٍ وَّاھِیَۃٌ پارہ ۲۹ رکوع ۵ سورۂ الحآقۃ جلالین ص۴۷۲ (۶) فَکَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ کَفَرْتُمْ یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِہٖ کَانَ وَعْدُہٗ مَفْعُوْلًا پارہ ۲۹ رکوع ۱۳ سورۂ المزمل جلالین ص۴۷۸

(۷) اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ پارہ ۳۰ رکوع ۷ سورۂ الانفطار جلالین ص۴۹۲

(۸) اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پارہ ۳۰ رکوع ۹ سورۂ الانشقاق جلالین ص۴۹۴

(۹) یَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا پارہ ۲۷ رکوع ۳ سورۂ الطور جلالین ص۴۳۵

(۱۰) یَوْمَ تَکُوْنُ السَّمَآءُ کَالْمُھْلِ پارہ ۲۹ رکوع ۷ سورۂ المعارج جلالین ص۴۷۳

(۱۱) وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ پارہ ۲۹ رکوع ۲۱ سورۂ المرسلٰت جلالین ص۴۸۵

(۱۲) وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ اَبْوَابًا پارہ ۳۰ رکوع ۱ سورۂ النبأ جلالین ص۴۸۷

(۱۳) وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتْ پارہ ۳۰ رکوع ۶ سورۂ التکویر جلالین ص۴۹۱

تشریح تعارض پہلی دو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن آسمانوں کو

لپیٹ دیا جائے گا اور آیت نمبر ۳ تا ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا انشقاق وانفطار کے معنی پھٹنے کے ہیں اور آیت نمبر ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان قیامت کے دن حرکت کرے گا تھرتھرائے گا (مَارَ یَمُوْرُ مَوْرًا تھرتھرانا، آگے پیچھے تیزی سے ہلنا حرکت کرنا) اور آیت نمبر ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان مُہْل (تیل کی تلچھٹ) کی طرح ہوجائے گا اور آیت نمبر ۱۱ و ۱۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کو کھول دیا جائے گا اس کے دروازے کھل جائیں گے اور آیت نمبر ۱۳ میں ہے کہ آسمانوں کو کھینچ لیا جائے گا جس طرح بکری کی کھال کھینچ لی جاتی ہے پھر آیت نمبر ۱۴ میں کالدِّھَان فرمایا کہ آسمان کا رنگ سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا دِھَان کے معنی حضرت ابن عباسؓ نے اَدِیْم اَحْمَر کے بیان کئے ہیں جیساکہ روح المعانی میں مذکور ہے اور آیت نمبر ۱۰ میں کالمُہْل فرمایا کہ تیل کی تلچھٹ کی طرح سیاہ ہوجائے گا اس طرح ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس سلسلہ میں مختلف تفاسیر دیکھنے سے جو تطبیق سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ قیامت کے روز آسمان پر مختلف احوال وتغیرات طاری ہوں گے اولاً تو آسمان جہنم کی حرارت سے سُرخ ہوجائے گا یا حق تعالیٰ کے غضب[۲] کے اثر سے سرخ ہوگا کیونکہ غضب میں چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اس کو فرمایا فَکَانَتْ وَرْدَۃً کَالدِّھَان اور شدتِ حمرت سے سواد[۳] کے مشابہ رنگ پیدا ہوجاتا ہے اس لئے فرمایا یوم تکون السماء کالمھل کہ تیل کی تلچھٹ کی طرح سیاہ ہوجائے گا یا یکے بعد دیگرے رنگ بدلے گا جیساکہ ابن کثیر نے حضرت حسنؒ سے نقل کیا ہے تَتَلَوَّنُ اَلْوَانًا مطلب یہ ہے کہ اولاً جہنم کی حرارت سے وہ سُرخ ہوگا پھر حرارت کی شدت سے پگھلے ہوئے تیل کی تلچھٹ کی طرح سیاہ رنگ ہوجائے گا

بہرحال اولاً آسمان سرخ وسیاہ ہوگا اس کے بعد حرکت کرے گا تھرتھرائے گا جس کو فرمایا یَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا اس کے بعد پھٹ جائے گا اس کو فرمایا اذا السماء انشقت، اذا السماء انفطرت وغیرہ اور آسمانوں کا پھٹنا ان کو فنا[۴] کرنے کیلئے ہوگا یعنی آسمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے

---

[۱] کمافی روح المعانی ص۱۱۴ ج۲۷ وابن کثیر ص۲۷۴ ج۴ [۲] بیان القرآن [۳] بیان القرآن [۴] بیان القرآن پ۱۹

کر کے فنا کردیا جائے گا پہلی دو آیتوں میں آسمانوں کو لپیٹنے سے مراد بھی فنا کرنا ہی ہے حضرت حسن[1] سے طی کی تفسیر افنار، وازالہ کے ساتھ منقول ہے محاورہ میں کہا جاتا ہے اِطْوِعَنِّیْ ہٰذَا الْحَدِیْثَ مجھ سے اس بات کو لپیٹ دے یعنی بات ختم کردے یہ سب کچھ نفخۂ اولیٰ کے وقت ہوگا اس کے بعد تمام آسمانوں اور زمینوں کو پھر درست[2] کردیا جائے گا اس کے بعد آسمان کو کھول دیا جائے گا جیسے پردہ ہٹا دیا جاتا ہے اس کو فرمایا واذا السمار فُرِجَتْ اور فُتِحَتِ السمار اور اِذَا السَّمَار کُشِطَتْ کہ جسطرح بکری کی کھال اتار دی جاتی ہے اندر کا گوشت وغیرہ نظر آجاتا ہے اسی طرح آسمان کو کھول دیا جائے گا اس سے اوپر کی اشیار نظر آنے لگیں گی اس سے ملائکہ کا نزول ہوگا پھر غَمَام یعنی سفید بادل نازل ہوگا جس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی جس کو آیت نمبر۳ یوم تشقق السمار بالغمام ونزل الملٰئکۃ تنزیلاً میں بیان کیا گیا ہے اس آیت میں تشقق سے مراد کھلنا ہے ٹکڑے ٹکڑے ہونا مراد نہیں ہے اس تقریر کے بعد تمام آیات میں تطبیق ہو جاتی ہے ۔ طیّ سمٰوات اور کالدہان کی اور بھی تفسیریں کی گئی ہیں مگر تمام تفاسیر کا احاطہ کرنا ہمارے موضوعِ سخن سے خارج ہے فاخذنا منہا مایفیدنا لدفع التعارض وحصول التطبیق واللہ اعلم ،

زلزلۂ قیامت کے وقت لوگوں پر نشہ طاری ہوگا یا نہیں؟

پارہ نمبر ۱۷

آیت ① وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی ◉ وَمَا ھُمْ بِسُکٰرٰی پارہ ۱۷ رکوع ۸ سورۂ الحج جلالین ص۲۷۸

تشریح تعارض اس آیت میں ارشاد ہے کہ جب قیامت کے زلزلہ آئے گا تو لوگوں کو تو اُس وقت نشہ کی حالت میں دیکھے گا اور وہ نشہ کی حالت میں نہیں ہوں گے پس اس

---

[1] روح المعانی ص ۱۷/۹۹ [2] بیان القرآن پ ۱۹

آیت کے جزاول میں سُکر (نشہ) کا اثبات اور جزثانی میں سُکر کی نفی ہے پس آیت کے جزاول اور جزثانی میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اثبات ونفی کی جہت مختلف ہے سُکر کا اثبات علی سبیل التشبیہ ہے اور نفی علی سبیل الحقیقۃ ہے یعنی لوگوں پر اللہ کے عذاب کی دہشت اسقدر طاری ہوگی کہ ان کے ہوش اڑجائیں گے عقلیں خراب ہوجائیں گی ایسا محسوس ہوگا کہ ان پر نشہ طاری ہوگیا ہے حالانکہ وہ لوگ کسی مُسکر (نشہ آور) چیز شراب وغیرہ کے پینے کی وجہ سے حقیقۃً نشہ میں نہیں ہوں گے حضرتِ حسنؓ سے مروی ہے تری الناس سکاریٰ من الخوف و ماھم بسکاریٰ من الشراب اور اختلافِ جہت کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا، (مدارک وخازن)

قیامت کے دن کی مقدار ایک ہزار سال ہے یا پچاس ہزار سال؟

پارہ نمبر ۱۷ و ۲۱ و ۲۹

آیات (۱) وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ پارہ ۱۷ رکوع ۱۳ سورۂ الحج جلالین ص۲۸۳ (۲) یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ پارہ ۲۱ رکوع ۱۴ سورۂ السجدۃ جلالین ص۳۴۹ (۳) تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ پارہ ۲۹ رکوع ۷ سورۂ المعارج جلالین ص۴۷۳

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ و ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا اور آیت نمبر ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم قیامت کی مقدار پچاس ہزار سال ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے چار جوابات ہیں

① اختلافِ اشخاص پر محمول ہے یعنی کفر و معاصی اور اعمال کے شدت و ضعف اور قلت و کثرت کے اعتبار سے وہ دن طول و قصر اور شدت و خفت میں مختلف ہوگا کفار میں سے جو لوگ بڑے مجرم ہوں گے ان کو پچاس ہزار سال کا اور اس سے کم درجہ کے مجرمین کو ایک ہزار سال کا محسوس ہوگا ، حتی کہ مؤمنین کو یہ دن نہایت مختصر اور خفیف محسوس ہوگا پھر مؤمنین کے حق میں بھی مختلف ہوگا بعض کو تو جتنے وقت میں ایک فرض نماز ادا کی جاتی ہے اس سے بھی کم اور خفیف معلوم ہوگا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے ،

عن ابی سعید الخدری قال سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ ما اطول ھذا الیوم فقال والذی نفسی بیدہ انہ لیخفف علی المؤمن حتی یکون اھون من الصلوۃ المکتوبۃ یصلیھا فی الدنیا رواہ احمد وابن حبان والبویعلیٰ وابن جریر والبیہقی (روح المعانی وتفسیر مظہری)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق سوال کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی کہ یہ دن کس قدر طویل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ دن مؤمن پر ہلکا ہوگا یہاں تک کہ (جتنے وقت میں) آدمی دنیا میں ایک فرض نماز پڑھتا ہے اس سے بھی زیادہ ہلکا اور آسان ہوگا ، اور بعض کو مابین الظہر والعصر کے بقدر محسوس ہوگا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے

عن ابی ھریرۃ مرفوعًا وموقوفًا یکون علی المؤمنین کمقدار ما بین الظھر والعصر (اخرجہ الحاکم والبیہقی) مظہری

حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعًا وموقوفًا روایت ہے کہ وہ دن مؤمنین پر اتنا ہوگا جتنا وقت ظہر وعصر کے درمیان ہوتا ہے

بہر حال یہ تفاوت اختلافِ اشخاص پر محمول ہے ولا تعارض بعد اختلاف الاشخاص (مظہری و روح المعانی وغیرہ)

② اختلافِ مکان پر محمول ہے کہ جس طرح دنیا میں بعض علاقوں میں دن بڑا اور بعض

مقامات میں چھوٹا ہوتا ہے اختلافِ آفاق سے تفاوت ہوتا رہتا ہے اسی طرح قیامت کا دن میدانِ محشر کے بعض حصوں میں طویل یعنی پچاس ہزار سال کا اور بعض مقامات میں ایک ہزار سال کا ہوگا آیات میں اقل واکثر کو بیان کردیا گیا درمیان کے تفاوت کو اسی پر قیاس کرتے ہوئے سمجھ لیا جائے (بیان القرآن)

۳ یوم آخرت ایام کثیرہ پر مشتمل ہوگا ان ایام میں کوئی دن پچاس ہزار سال کا اور کوئی ایک ہزار سال کا ہوگا لہذا کوئی تعارض نہیں، (حاشیہ جلالین)

۴ ان آیات میں یوم سے مراد یوم قیامت نہیں ہے بلکہ آیت نمبر ۱ میں تو مطلق یوم عذاب مراد ہے کہ آخرت میں عذابِ جہنم کے ایام میں سے ایک ایک دن اہلِ جہنم کو شدید وطویل محسوس ہوگا ایک ایک دن کو وہ لوگ ایسا سمجھیں گے کہ ایک ہزار سال کا زمانہ گذر گیا ہے کیونکہ ایام راحت مختصر اور ایامِ مصیبت طویل محسوس ہوا کرتے ہیں (روح المعانی)

ایامِ مصیبت کے کاٹے نہیں کٹتے
دن عیش کے گھڑیوں میں گذر جاتے ہیں کیسے

اور دوسری آیت میں آسمان سے زمین تک حضراتِ ملائکہ کی آمدورفت کا دن مراد ہے یعنی حضرات ملائکہ کائنات کے انتظامی امور کو لیکر آسمان سے زمین تک تشریف لاتے ہیں پھر زمین سے آسمانوں پر واپس چلے جاتے ہیں اور یہ آمدورفت ایک دن میں ہوجاتی ہے ورنہ تو آسمان و زمین کے مابین پانچسو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے اگر فرشتہ کے علاوہ بنی آدم میں سے کوئی یہ مسافت طے کرنا چاہے تو ایک ہزار سال کے عرصہ میں طے ہوگی اور تیسری آیت میں زمین سے لیکر سدرۃ المنتہیٰ تک کی مسافت کا بیان ہے، زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک آمد ورفت کا زمانہ پچاس ہزار سال ہے مگر فرشتے ایک دن میں آمدورفت کرلیتے ہیں یہ تفسیر حضرت مجاہد، قتادہ، ضحاک سے منقول ہے تینوں آیات کی مذکورہ تفاسیر پر ان میں کوئی تعارض نہیں ہے کما لایخفیٰ (حاشیہ جلالین، تفسیر خازن، روح المعانی)

تمام ملائکہ کو رسول بنایا گیا ہے یا بعض کو ؟

پارہ نمبر ۱۷ و ۲۲

آیات (۱) اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا پارہ ۱۷ رکوع ۱۷ سورۂ الحج جلالین صفحہ ۲۸۶ ◉ (۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا پارہ ۲۲ رکوع ۱۳ سورۂ فاطر جلالین صفحہ ۳۶۴

تشریح تعارض پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ ملائکہ میں سے رسولوں کو منتخب کر لیتے ہیں مِنْ تبعیضیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ملائکہ کو رسول بنایا گیا ہے تمام کو نہیں اور دوسری آیت میں مِنْ تبعیضیہ نہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو رسول بنایا ہے پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں ،

(۱) آیتِ اولیٰ میں رُسُلًا الیٰ بنی آدم مراد ہیں اور دوسری آیت میں ملائکہ کو آپس میں ایک کو دوسرے کی طرف رسول بنانا مراد ہے یعنی حق تعالیٰ نے انسانوں کی طرف تو بعض ملائکہ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور وہ اکابر ملائکہ ہیں جیسے حضرت جبرئیل ، میکائیل ، اسرافیل ، عزرائیل اور حفظۂ کرام علیہم السلام اور خود آپس میں تمام ملائکہ کو ایک دوسرے کی طرف رسول بنائے گئے ہیں کہ ہر ایک فرشتہ دوسرے کو اللہ کا کوئی نہ کوئی پیغام پہنچاتا رہتا ہے فلا تعارض بینہما ، (تفسیر کبیر وصاوی)

(۲) دوسری آیت میں رسلاً سے مراد رسلاً الی الانبیاء ہے اور ملائکہ سے مراد بعض ملائکہ ہیں ، اس لئے کہ انبیاء کی طرف تمام ملائکہ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے بعض ملائکہ مراد لینے کی صورت میں یہ آیت آیتِ اولیٰ کے معارض نہیں رہی (جمل)

قومِ عاد پر کونسا عذاب آیا؟

پارہ ۱۸ و ۲۴ و ۲۶ و ۲۷ و ۲۹

آیات (۱) فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ پارہ ۱۸ رکوع ۳ سورۂ المومنون جلالین ص ۲۸۹ ◉ (۲) فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ پارہ ۲۴ رکوع ۱۶ سورۂ حٰمٓ سجدۃ (فُصِّلَتْ) جلالین ص ۳۹۷ (۳) فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ پارہ ۲۴ رکوع ۱۶ سورۂ حٰمٓ سجدۃ (فُصِّلَتْ) جلالین ص ۳۹۸ (۴) بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ پارہ ۲۶ رکوع ۳ سورۂ الاحقاف جلالین ص ۴۱۸ (۵) وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ پارہ ۲۷ رکوع ۱ سورۂ الذاریات جلالین ص ۴۳۴ (۶) اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ پارہ ۲۷ رکوع ۸ سورۂ القمر جلالین ص ۴۴۱ (۷) وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ پارہ ۲۹ رکوع ۵ سورۂ الحآقۃ جلالین ص ۴۷۱

تشریح تعارض یہ آیات قومِ عاد پر آنیوالے عذاب سے متعلق ہیں پہلی آیت کے سیاق و سباق میں اگرچہ قومِ عاد کی تصریح نہیں ہے بلکہ صرف ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ کہا گیا ہے مگر حضرت ابن عباسؓ اور اکثر حضرات نے قرنِ آخرین کی تفسیر قومِ عاد کے ساتھ کی ہے تائید اس کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قرنِ آخرین کا ذکر حضرت نوح ع کے بعد ہوا ہے اور سورۂ اعراف، سورۂ ہود، سورۂ شعراء میں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سورۂ مومنون میں بھی قرنِ آخرین کا مصداق حضرت ہود علیہ السلام کی قوم یعنی قومِ عاد ہے اور بعد کی چھ آیات میں تو قومِ عاد کی تصریح ہے اس طرح یہ سب آیات قومِ عاد سے متعلق ہیں مگر قومِ عاد کو جس عذاب سے ہلاک کیا گیا اس کے بیان میں آیات بظاہر متعارض ہیں چنانچہ پہلی آیت

سے معلوم ہوتا ہے کہ صیحہ یعنی چیخ سے ہلاک کیا گیا اور دوسری آیت میں صاعقہ یعنی بجلی کا ذکر ہے اور اس کے بعد کی پانچ آیات میں ہے کہ ریح (ہوا اور آندھی) سے ہلاک کیا گیا کسی آیت میں مطلق ریح اور کسی میں بریحٍ صَرصَر (تیز آندھی) کسی میں ریحِ عقیم (بانجھ ہوا) یعنی خیر و برکت سے خالی ہوا کسی میں ریحِ عاتیہ (حد سے تجاوز کرنے والی آندھی) کا ذکر ہے اس طرح ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

دفعِ تعارض | اس تعارض کے دو جواب ہیں

(۱) اصل عذاب تو آندھی کا آیا تھا مگر اس کو پہلی دو آیتوں میں صَیحَہ اور صاعقہ سے تعبیر کر دیا گیا اس اعتبار سے کہ صَیحَہ سے مطلق عقوبتِ ہالکہ مراد ہے اور صاعقہ کے معنی بھی لغت میں مطلق عذاب کے آتے ہیں جیسا کہ قومِ ثمود کے عذاب کے متعلق دفعِ تعارض کے ذیل میں گذر چکا ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے (حاشیہ جلالین)

(۲) حضرتِ جبریل علیہ السلام کی چیخ اور تیز آندھی دونوں سے ہلاک کیا گیا اور صاعقہ بمعنی عذاب ہے فلا تعارض (حاشیہ جلالین)

قیامت کے دن لوگ آپس میں ایک دوسرے سے سوالات کرینگے یا نہیں؟

پارہ ۱۸ و ۲۳ و ۲۷

آیات | (۱) فَلَآ اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوۡنَ پارہ ۱۸ رکوع ۶ سورۃ المؤمنون جلالین ص ۲۹۳ (۲) وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ پارہ ۲۳ رکوع ۶ سورۂ صٰفّٰت جلالین ص ۳۷۴ (۳) فَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ پارہ ۲۳ رکوع ۱۰ سورۂ صٰفّٰت جلالین ص ۳۷۵ (۴) وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ پارہ ۲۷ رکوع ۳ سورۂ الطور جلالین ص ۴۳۶

تشریحِ تعارض | پہلی آیت میں تساؤل کی نفی ہے کہ قیامت کے روز لوگ آپس میں

ایک دوسرے سے کوئی سوال نہیں کریں گے اور اخیر کی تین آیات میں تساؤل کا اثبات ہے
کہ سوال کریں گے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

(۱) اختلافِ احوال و امکنہ پر محمول ہے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ قیامت کے مختلف احوال و متعدد مواضع ہوں گے بعض مواضع میں لوگوں پر خوف اور گھبراہٹ طاری ہوگی ہر شخص کو اپنی اپنی پڑی ہوگی نفسی نفسی کا عالم ہوگا کوئی شخص کسی دوسرے سے کوئی سوال اور بات چیت نہیں کرے گا پھر دوسرے بعض مواضع میں لوگوں کو کچھ افاقہ ہوگا گھبراہٹ دور ہوگی تو ایک دوسرے سے بات چیت اور سوالات کریں گے ولا تعارض بعد اختلاف الاحوال والامکنۃ (حاشیۂ جلالین)

(۲) اختلافِ زمان پر محمول ہے کہ نفیِ تساؤل نفخۂ اولیٰ کے وقت ہے جس وقت زمین پر کوئی باقی نہیں رہے گا اور اثبات نفخۂ ثانیہ میں ہے کہ جب لوگ زندہ ہو کر میدانِ محشر میں جمع ہوں گے تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ تاچھ کریں گے یہ توجیہ بھی ایک جماعت نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے (روح المعانی)

(۳) نفی تساؤل عن الانساب کی ہے اور اثبات دوسری چیزوں کے متعلق تساؤل کا ہے یعنی یہ کفار قیامت کے دن آپس میں ایک دوسرے سے نسب کے متعلق تو کوئی سوال نہیں کریں گے کہ تو کس خاندان اور کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے اور تو کس قبیلہ سے؟ اس لئے کہ انساب سے اس دن کوئی نفع نہیں پہنچے گا البتہ دیگر امور کے متعلق ایک دوسرے سے پوچھ تاچھ کریں گے پس جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں ہے جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، (روح المعانی)

مذکورہ تینوں جوابات پہلی دو آیتوں کے تعارض کے ہیں جو کفار سے متعلق ہیں اور اخیر کی دونوں آیتیں چونکہ اہلِ جنت سے متعلق ہیں جیسا کہ ان کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے

اس لئے پہلی آیت اور ان دونوں آیتوں کا تعارض اختلاف اشخاص کیوجہ سے مرتفع ہوجائے گا کہ کفار تو سوال نہیں کریں گے البتہ اہلِ جنت سوال کریں گے ،

زوانی سے عفائف کا نکاح حلال ہے یا حرام؟

پارہ ۱۸

آیات (۱) اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ پارہ ۱۸ رکوع ۷ سورۂ النور جلالین ۲۹۴

(۲) وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ پارہ ۱۸ رکوع ۱ سورۂ النور جلالین ۲۹۸

تشریح تعارض پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ زانی نہیں نکاح کرتا ہے مگر زانیہ یا مشرکہ سے اور زانیہ سے نہیں نکاح کرتا ہے مگر زانی یا مشرک اور زوانی سے نکاح کرنا مؤمنین پر حرام کر دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک صالح اور عفیف مرد و عورت کا نکاح زانی اور زانیہ سے حرام ہے اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ ایامیٰ[1] (یعنی بے نکاحوں) کا نکاح کرا دو یہ حکم مطلق ہے اس میں زوانی و عفائف کی کوئی قید نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زانی کا عفیفہ سے اور عفیف کا زانیہ سے نکاح درست ہے پس ان دونوں میں بظاہر تعارض ہے

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں

(۱) پہلی آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے ابتداءً عفائف کا نکاح زوانی سے حرام تھا پھر یہ حرمت منسوخ ہوگئی اور مطلق حکم نازل فرمادیا وانکحوا الایامیٰ منکم ولا تعارض بعد النسخ (جلالین وغیرہ)

(۲) آیتِ اولیٰ کا مطلب یہ ہے کہ زوانی عفائف کا کفو نہیں ہیں، زوانی سے عفائف

---

[1] ایامیٰ اَیِّم کی جمع ہے بمعنی بے نکاح مرد و عورت، کنوارا کنواری، رانڈ بیوہ ۱۲

کا نکاح درست تو ہو جائے گا مگر غیر کفو میں ہونے کی وجہ سے غیر مناسب رہے گا اور حُرِّمَ ذٰلِکَ علی المومنین ہیں ذٰلِکَ سے اشارہ زنا اور شرک کی طرف ہے نہ کہ نکاح زوانی کیطرف مطلب یہ ہے کہ زنا کرنا اور شرک کرنا مؤمنین پر حرام کر دیا گیا ہے پس یہ آیت حُرمتِ نکاحِ زوانی پر دال ہی نہیں ہے لہذا یہ دوسری آیت کے معارض نہیں ہے، (الفوز الکبیر)

(۳) آیتِ اولیٰ میں نکاحِ زوانی کی حُرمت سب کے حق میں عام نہیں ہے بلکہ یہ اُن فقراءِ مہاجرین کے لئے مخصوص ہے جنہوں نے مکہ میں رہنے والی مالدار مشرکہ رنڈیوں سے نکاح کرنے کی خواہش کی تھی حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کیلئے خاص طور سے ان رنڈیوں سے نکاح کرنا حرام کر دیا تھا حضرت سعید بن جبیر سے یہی منقول ہے یہی حضرت مجاہدؒ عطاءؒ زہریؒ شعبی اور قتادہ کا قول ہے جب یہ آیت ان کے حق میں مخصوص ہوگئی اور دوسری آیت ان کے علاوہ دیگر تمام لوگوں کے متعلق ہے تو اختلاف اشخاص کی وجہ سے تعارض نہیں رہا (کمالین بحوالہ حاشیہ جلالین)

شیاطین ملائکہ کا کلام سُن لیتے ہیں یا نہیں؟

پارہ ۱۹

آیات (۱) اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ پارہ ۱۹ رکوع ۱۵ سورۂ الشعرآء جلالین ص ۳۱۶ ● (۲) یُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ پارہ ۱۹ رکوع ۱۵ سورۂ الشعرآء جلالین ص ۳۱۶،

تشریح تعارض پہلی آیت میں اِنَّهُمْ کی ضمیر شیاطین کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ یہ شیاطین ملائکہ کا کلام سننے سے محروم کر دئے گئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین ملائکہ کا کلام نہیں سنتے ہیں اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ یہ شیاطین ملائکہ سے سُنی ہوئی باتوں کو کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین کلامِ ملائکہ سنتے ہیں پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا بعثت سے قبل شیاطین آسمانوں تک چلے جاتے تھے اور ملائکہ ان امور و حوادث کے بارے میں جو مستقبل میں رونما ہونیوالے ہیں جو کچھ گفتگو آپس میں کرتے ہوتے تھے یہ شیاطین ان کی گفتگو کو سن لیتے اور اس میں بہت سی باتیں اپنی طرف سے جھوٹ ملاکر کاہنوں اور نجومیوں کے کانوں میں ڈال دیا کرتے تھے پھر وہ کاہن لوگ اُن امور کے متعلق لوگوں کو خبر دیتے تھے مثلاً فلاں دن بارش آئے گی زلزلہ آئے گا وغیرہ وغیرہ ان میں سے بعض باتیں صادق آجاتی تھیں اور بہت سی جھوٹی ثابت ہوتی تھیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا بعثت کے بعد شیاطین کو آسمان پر جانے اور ملائکہ کا کلام سننے سے روکدیا گیا جب کوئی شیطان اوپر جاتا ہے تو شہاب ثاقب اس کے مار دیا جاتا ہے جس سے وہ یا تو ہلاک ہوجاتا ہے یا زخمی اور پاگل ہوجاتا ہے پس دوسری آیت جس میں سماع کا اثبات ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا بعثت سے قبل پر محمول ہے اور پہلی آیت جس میں سماع کی نفی ہے وہ آپ کی ولادت یا بعثت کے بعد پر محمول ہے وَلَا تعارض بعد اختلاف الزمان (جلالین وصاوی)

(۲) پہلی آیت میں سمع سے مراد ملائکہ کی پوری گفتگو کو مکمل اچھی طرح اطمینان سے سننا ہے کہ شیاطین ملائکہ کا پورا کلام اچھی طرح اطمینان سے نہیں سن پاتے ہیں اور دوسری آیت میں سمع سے مراد جلدی سے چوری چھپے کسی بات کو اُچکتے ہوئے سن لیتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے سورۂ حجر میں فرمایا اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ استراق سمع کے معنی چوری چھپے سن لینا اور سورۂ صافات میں ارشاد ہے اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ خطف کے معنی جلدی سے اُچک لینا چھین لینا، یعنی یہ شیاطین آسمانوں پر جاتے ہیں تو ان کو شہاب ثاقب (ستارہ) کے ذریعہ بھگا دیا جاتا ہے وہ اتنی دیر میں چوری چھپے کچھ گفتگو اُچکتے ہوئے سن لیتے ہیں اسی کو کاہنوں کے کانوں میں ڈال دیتے

ہیں پس پہلی آیت میں نفی ادراکِ کامل کی ہے اور دوسری آیت میں اثبات سماعِ ناقص کا ہے
لہٰذا کوئی تعارض نہیں (تفسیر خازن وغیرہ)

(۳) حضرتِ تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیتِ اولیٰ میں سماعِ علوم کلیہ متعلقہ باصلاح الخلق
کی نفی ہے اور دوسری آیت میں اخبارِ جزئیہ غیر متعلقہ بالاصلاح کے ادراک کا اثبات ہے
یعنی یہ شیاطین ان معلومات کلیہ کو سننے سے محجوب و محروم ہیں جو مخلوق کی اصلاح سے متعلق ہیں
البتہ امورِ جزئیہ کی خبریں جن کا مخلوق کی اصلاح سے کوئی تعلق نہیں ہے ان کو معلوم ہو جاتی
ہیں جس کی نفی اس کا اثبات نہیں اور جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں فلا تعارض (بیان القرآن)

حضرت سلیمانؑ پرندوں کی بولی سمجھتے تھے یا غیر پرندوں کی بھی؟

پارہ نمبر ۱۹

آیات (۱) وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ
پارہ ۱۹ رکوع ۱۷ سورہ النمل جلالین ص ۳۱۸ (۲) قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ
ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ فَتَبَسَّمَ
ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا پارہ ۱۹ رکوع ۱۷ سورہ النمل جلالین ص ۳۱۸

تشریح تعارض آیتِ اولیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام
کو پرندوں کی بولی سکھادی تھی حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی سمجھ لیتے تھے اور دوسری
آیت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کی بات سنکر ہنسی آگئی تھی جب حضرت
سلیمان علیہ السلام کا عظیم لشکر طائف یا شام میں چیونٹیوں کی وادی پر سے گذرا تو ایک چیونٹی
نے جو تمام چیونٹیوں کی ملکہ اور رانی تھی اپنی رعایا کو خطاب کرتے ہوئے تنبیہ کیا یَا أَيُّهَا
النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ
کہ اے چیونٹیو تم سب اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر چلا

آرہا ہے کہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر لاعلمی کی حالت میں تم کو اپنے پاؤں سے کچل نہ ڈالیں حضرت سلیمانؑ نے چیونٹی کی یہ بات سنی اور اس کی عقل و دانش پر تعجب کرتے ہوئے مسکرانے لگے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ غیر پرندوں کی بولی بھی سمجھ جاتے تھے کیونکہ چیونٹی پرندہ نہیں ہے پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کے چار جواب ہیں ،

(۱) یہ چیونٹی ذات جناحین (دو پروں والی) تھی جیساکہ امام شعبی اور حضرت قتادہ سے منقول ہے اس اعتبار سے اس کا شمار بھی پرندوں میں ہوجائے گا بہت سی چیونٹیوں کے پر نکل آتے ہیں جن سے وہ اڑتی ہیں اب یہ آیت پہلی آیت کے معارض نہیں رہی (روح المعانی)

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام اکثر و بیشتر تو پرندوں کی بولی سمجھتے تھے لیکن کبھی کبھی غیر پرندہ کی بولی بھی سمجھ جاتے تھے پہلی آیت میں غیر پرندہ کی بولی سمجھ جانے کی نفی نہیں ہے کسی شئے کا اثبات ماعدا کی نفی پر دلالت نہیں کرتا ہے پس عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر طیر کی بولی کبھی سمجھتے نہیں تھے لہٰذا اس آیت کا آیتِ اولیٰ سے کوئی تعارض نہیں (روح المعانی)

(۳) چیونٹی کو حق تعالیٰ نے انسانی گویائی عطا فرمادی تھی اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے معجزہ تھا جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک گوہ کو حق تعالیٰ نے تکلم عطا فرمادیا تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دی تھی ، پس آیت ثانیہ میں یہ مراد نہیں ہے کہ چیونٹی اپنی بولی بول رہی تھی اور حضرت سلیمانؑ اس کو سمجھ گئے بلکہ انسانی بولی بولنے کی وجہ سے اس کی بات سمجھ میں آگئی تھی (روح المعانی)

(۴) حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی کوئی آواز نہیں سنی تھی بلکہ حق تعالیٰ نے چیونٹی کی بات کا علم ان کو یا تو بطور الہام کے یا بقول علامہ کلبی فرشتہ کے ذریعہ عطا فرمادیا تھا لہٰذا آیت ثانیہ سے نملہ کی بولی کا سمجھنا لازم نہیں آتا ، فلا تعارض بینہما (روح المعانی)

نفخۂ اولیٰ کے وقت لوگوں پر گھبراہٹ طاری ہوگی یا موت؟

پارہ نمبر ۲۰ و ۲۴

آیات (۱) وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ پارہ ۲۰ رکوع ۳ سورۂ النمل جلالین ص ۳۲۵ (۲) وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ پارہ ۲۴ رکوع ۴ سورۂ الزمر جلالین ص ۳۹۰

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ میں فَفَزِعَ فرمایا فزع کے معنی خوف اور گھبراہٹ کے آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخۂ اولیٰ کے وقت تمام مخلوق پر گھبراہٹ اور خوف طاری ہو جائے گا اور دوسری آیت میں فَصَعِقَ ہے صعق کے معنی بیہوشی اور موت کے آتے ہیں صاحب جلالین نے اس کی تفسیر مَاتَ کے ساتھ کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخۂ اولیٰ کے وقت تمام مخلوق پر موت طاری ہو جائے گی پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے ۔

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ ابتداءً خوف طاری ہوگا پھر یہ خوف موت تک مفضی ہو جائے گا اور سب مر جائیں گے آیت اولیٰ میں اول حالت اور دوسری آیت میں آخر حالت کو بیان کیا گیا ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ، (جلالین)

حضرت موسیٰ کو دریا میں ڈالتے وقت ان کی والدہ پر خوف کا اثبات ونفی؟

پارہ نمبر ۲۰

آیت (۱) فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ پارہ ۲۰ رکوع ۴ سورۂ القصص جلالین ص ۳۲۶

تشریح تعارض اس آیت کے اول و آخر میں بظاہر تعارض ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اس زمانہ میں فرعون بنی اسرائیل کے نومولود بچوں کو قتل کرا رہا تھا تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو خوف ہوا تو حق تعالیٰ نے ان کو الہام کیا کہ تم اس بچہ کو دودھ پلاتی رہو جب تم کو اس

بچہ پر خوف ہو تو اس کو (تابوت میں بند کر کے) دریائے نیل میں ڈال دینا اور خوف وغم نہ کرنا اس آیت کے حصہ اولی یعنی فَاِذَا خِفْتِ میں خوف کا اثبات اور دوسرے حصہ میں وَلَا تَخَافِی کہہ کر خوف کی نفی ہے پس آیت کے اول وآخر میں بظاہر تعارض ہے ،

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ اثبات قتل کے خوف کا ہے اور نفی غرق کے خوف کی ہے کہ اگر تم کو فرعون کی جانب سے اس بچہ کے قتل کا خوف ہو تو دریائے نیل میں ڈالدینا اور اس کے غرق ہونے کا خوف نہ کرنا ہم اس کی حفاظت کریں گے لہذا کوئی تعارض نہیں (جمل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ہدایت دے سکتے ہیں یا نہیں ؟

پارہ ۲۰ ، ۲۱ ، ۲۵

آیات (۱) اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ پارہ ۲۰ رکوع ۹ سورۂ القصص جلالین ص ۳۳۲ (۲) وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ پارہ ۲۱ رکوع ۸ سورۂ الروم جلالین ص ۳۴۵ (۳) وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ پارہ ۲۵ رکوع ۶ سورۂ الشوریٰ جلالین ص ۴۰۵

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ و ۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت دینے کی نفی کی گئی ہے کہ آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے نیز آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت نہیں دے سکتے اور آیت نمبر ۳ میں ہدایت دینے کا اثبات ہے کہ آپ صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہیں پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے ،

دفع تعارض ہدایت کے دو معنی آتے ہیں ایک ایصال الی المطلوب مقصود تک پہنچا دینا جس کو خلق اہتداء (ہدایت پیدا کر دینا) سے تعبیر کیا جاتا ہے دوسرے اراءۃ الطریق صرف راستہ دکھا دینا خواہ مطلوب تک رسائی ہو یا نہ ہو پہلی دو آیتوں میں نفی ہدایت بمعنی اول (خلق اہتداء) کی ہے اور آیت نمبر ۳ میں اثبات ہدایت بالمعنی الثانی (اراءۃ الطریق) کا ہے

مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں کے قلوب میں ہدایت پیدا نہیں کر سکتے ان کو مطلوب تک نہیں پہنچا سکتے بلکہ آپ تو صرف سیدھا راستہ دکھا سکتے ہیں ہدایت پیدا کرنا ہمارا کام ہے لہذا کوئی تعارض نہیں (صاوی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ازواج مطہرہ تسعہ کے علاوہ مزید عورتوں سے نکاح کرنا حلال تھا یا نہیں؟

پارہ ۲۲

آیات (۱) یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ الآیۃ پارہ ۲۲ رکوع ۳ سورۃ الاحزاب جلالین ص ۳۵۶ ◉ (۲) لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِھِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ پارہ ۲۲ رکوع ۳ سورۃ الاحزاب جلالین ص ۳۵۶

تشریح تعارض آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ اے نبی ہم نے آپ کیلئے وہ عورتیں حلال کر دی ہیں جن کو ان کے مہر دے کر اپنے نکاح میں لائیں اس میں کوئی تعداد مذکور نہیں ہے کہ کتنی عورتیں حلال ہیں بلکہ جتنی عورتوں سے چاہیں آپ شادی کر سکتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نکاح میں جو نو ازواج مطہرات[1] تھیں ان کے علاوہ اور دیگر عورتوں سے نکاح کرنا بھی آپ کیلئے حلال تھا اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ آپ کیلئے موجودہ نو ازواج مطہرات کے بعد کسی عورت سے نکاح حلال نہیں اور نہ ان میں سے کسی کو طلاق دیکر اس کے بدلہ میں دوسری عورت سے نکاح کرنا حلال ہے پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

(۱) آیت اولیٰ ناسخ اور آیت ثانیہ منسوخ ہے ابتداءً آپ کیلئے ازواج مطہرہ تسعہ کے علاوہ کسی عورت سے نکاح حلال نہیں تھا اور نہ تبدیلی حلال تھی پھر حق تعالیٰ نے یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ ا۔

---

[1] حضرت عائشہ بنت ابی بکر الصدیق، حضرت حفصہ بنت عمر، حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان، حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیۃ المخزومیہ، حضرت سودہ بنت زمعۃ العامریہ، حضرت زینب بنت جحش الاسدیہ، حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ، حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب الخیبریہ الہارونیہ، حضرت جویریہ بنت الحارث الخزاعیہ المصطلقیہ ۱۲

نازل فرماکر یہ ممانعت منسوخ فرمادی اور جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کرنے کی اجازت دیدی،
حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ام سلمہؓ اور امام ضحاکؒ نسخ ہی کے قائل ہیں حضرت عائشہؓ سے بھی یہی مروی ہے
البتہ ناسخ کی تعیین میں اختلاف ہے یا تو ناسخ یہی آیت اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الخ ہے یا تُرْجِیْ
مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْ اِلَیْکَ مَنْ تَشَآءُ الخ ہے یعنی تطلق من تشاء منهن وتمسك من تشاء یہ تفسیر حضرت
ابن عباس اور حضرت حسن سے مروی ہے قولِ اخیر کی تائید حضرت عائشہؓ کی ایک روایت صحیحہ سے ہوتی ہے

عن عائشة رضؓ قالت لم یمت رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی احل الله تعالیٰ له ان یتزوج من النساء ما شاء الا ذات محرم لقوله سبحانه ترجی من تشاء منهن وتؤوی الیك من تشاء (رواه ابوداؤد فی ناسخه والترمذی وصححه والنسائی والحاکم وصححه ایضا وابن المنذر وغیرهم (روح المعانی ص $\frac{66}{22}$)

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے آپ کیلئے حلال کردیا کہ محرم عورتوں کے علاوہ جتنی عورتوں سے چاہیں شادی کرلیں حق تعالیٰ کے ارشاد ترجی من تشاء منهن وتووی الیك من تشاء الخ کی وجہ سے،

اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ناسخ کا منسوخ سے مؤخر ہونا ضروری ہے اور یہاں ناسخ (خواہ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ الآیۃ ہو یا تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ الآیۃ ہو) مقدم ہے منسوخ پر اس لئے کہ ناسخ کا نزول کے اعتبار سے منسوخ سے مؤخر ہونا ضروری ہے تلاوت کے اعتبار سے ناسخ مقدم ہوسکتا ہے قرآن پاک میں ترتیب تلاوت کے اعتبار سے اگرچہ ناسخ مقدم ہے مگر نزول کے اعتبار سے مؤخر ہے بہرحال نسخ کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا (مدارک، روح المعانی، الفوز الکبیر)

(۲) حضرت ابن عباسؓ، قتادہ، مجاہد، ابن جبیر سے اس کے برعکس بھی مروی ہے کہ ابتداءً علی العموم جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کرنا حلال تھا پھر لایحل لک النساء من بعد الخ نازل فرماکر عموم کو منسوخ کردیا گیا کہ ان نو ۹ عورتوں کے علاوہ کسی سے نکاح حلال نہیں اور نہ تبدیلی جائز ہے اس صورت میں پہلی آیت منسوخ اور دوسری آیت ناسخ ہے جو نزول و تلاوت دونوں اعتبار سے

مؤخر ہے، بہرحال اس صورت میں بھی نسخ کی وجہ سے تعارض مرتفع ہوگیا (روح المعانی)

(۳) آیت نمبر ۲ لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ کا مطلب بعد الاصناف المذکورۃ ہے یعنی اوپر جو آپ کیلئے عورتوں کی اصنافِ اربعہ حلال کی ہیں (۱) مہر دیکر نکاح کیگئی عورتیں (۲) مملوکہ باندیاں (۳) مہاجرات میں بناتِ اعمام، بناتِ عمات، بناتِ اخوال، بناتِ خالات۔ (۴) بغیر مہر کے اپنے کو آپ کیلئے ہبہ کردینے والی عورتیں) ان اصنافِ اربعہ کے علاوہ اور کسی عورت سے نکاح کرنا آپ کیلئے حلال نہیں مثلاً غیر مہاجرہ، غیر مملوکہ، اور بغیر مہر اور بغیر ہبہ کے کوئی عورت آپ کیلئے حلال نہیں ہے اس تفسیر پر نہ تو یہ آیت منسوخ ہوگی اور نہ پہلی آیت کے معارض ہوگی حضرت ابی بن کعب، حضرت حسن، ابن سیرین، طبری، ابوحیان اس آیت کے محکم ہونے ہی کے قائل ہیں (روح المعانی، حاشیۂ جلالین)

قیامت کے دن کفار کی نگاہیں تیز ہونگی یا ضعیف و سُست؟

پارہ ۲۵، ۲۶

آیات (۱) وَتَرٰىهُمْ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا خٰشِعِیْنَ مِنَ الذُّلِّ یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ پارہ ۲۵ رکوع ۶ سورۂ الشوریٰ جلالین ص۴۰۴ ◉ (۲) لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ پارہ ۲۶ رکوع ۱۶ سورۂ قٓ جلالین ص۴۳۰،

تشریح تعارض پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ آپ کفار کو دیکھیں گے کہ ان کو جہنم کے سامنے لایا جائے گا تو اس کی نگاہیں ذلت کے مارے جھکی ہوئی ہوں گی وہ جہنم کو ضعیف نگاہوں سے (نظریں چراتے ہوئے) دیکھتے ہوں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں کفار کی نظریں ضعیف اور سست ہوں گی اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ (کافر کو قیامت کے دن حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ) تو دنیا میں اس چیز سے غفلت میں پڑا ہوا تھا آج ہم نے تیری غفلت کا پردہ

دور کر دیا پس تیری نگاہ آج بڑی تیز ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کفار کی نگاہیں شدید اور تیز ہوں گی پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے کیونکہ شدّت اور ضعف متعارض امور میں سے ہیں،

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں،

(۱) آیتِ ثانیہ میں بصر سے مراد نگاہ نہیں بلکہ علم و معرفت مراد ہے دلیل اس کی فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَاءَکَ ہے کیونکہ اس میں پردہ سے مراد نگاہوں کا پردہ نہیں بلکہ غفلت کا پردہ ہے جیسا کہ اس سے قبل لَقَدْ کُنْتَ فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ہٰذَا فرمایا اور غفلت کا پردہ قلب پر ہوتا ہے نہ کہ نگاہوں پر اور قلب محل ہے علم و معرفت کا، جب قلب پر سے غفلت کا پردہ دور کر دیا جائے تو علم و معرفت میں شدّت اور تیزی آجاتی ہے مطلب یہ ہے کہ تو دنیا میں امور آخرت کی معرفت اور یقین سے عاری تھا ان امور کا منکر تھا کیونکہ تیرے قلب پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا تھا آج ہم نے پردہ ہٹا دیا تو تیرا علم تیری معرفت آج اس قدر تیز ہوگئی ہے کہ تو ہر شئے کو جان اور پہچان رہا ہے تجھ کو آج ہر اس چیز کا یقین ہو گیا ہے جس کا تو دنیا میں منکر تھا پس پہلی آیت میں جو ضعف مذکور ہے وہ ضعفِ بصری ہے اور دوسری آیت میں شدّت و حدّت علم اور معرفت کی مراد ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے، (الاتقان مع التوضیح)

(۲) بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آیتِ ثانیہ لقد کُنْتَ فی غفلۃٍ من ہٰذا میں خطاب کافر کو نہیں ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان امور مذکورہ بالا (نفخ، بعث وغیرہ) سے غافل تھے ہم نے آپ پر وحی نازل کر کے اور قرآن کریم کی تعلیم دیکر آپ کے پردۂ غفلت کو دور کر دیا ہے پس آج آپ کی نگاہ و بصیرت تیز ہو گئی ہے آپ ان چیزوں کو دیکھتے ہیں جن کو دوسرے لوگ نہیں دیکھتے ان چیزوں کو جانتے ہیں جن کا دوسروں کو علم نہیں اس صورت میں اختلافِ اشخاص کی وجہ سے تعارض مرتفع ہو جاتا ہے کیونکہ آیت اولیٰ کفار سے متعلق ہے اور یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے مگر یہ تفسیر سیاق وسباق

کے مناسب نہیں ہے اس لئے یہ ساقط الاعتبار ہے (روح المعانی)

اللہ نے شہر مکہ کی قسم کھائی یا نہیں؟

پارہ نمبر ۳۰

آیات ① لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ پارہ ۳۰ رکوع ۱۵ سورۃ البلد جلالین ص ۴۹۹

② وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ پارہ ۳۰ رکوع ۲۰ سورۃ التین جلالین ص ۵۰۲،

تشریح تعارض آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ میں اس شہر مکہ کی قسم نہیں کھاتا ہوں اور دوسری آیت میں حق سبحانہ نے وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ کہکر شہر مکہ کی قسم کھائی ہے کیونکہ اسے پہلے وَالتِّیْنِ پر واؤ قسمیہ داخل ہے اور اس کے بعد کے تینوں کلمے وَالزّیتون وطور سینین وھٰذا البلد الامین اسی پر معطوف ہیں لہٰذا پہلی آیت میں شہر مکہ کی قسم کھانے کی نفی اور دوسری آیت میں اثبات ہے اس طرح یہ دونوں آیتیں بظاہر متعارض ہیں،

دفع تعارض اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① لَآ اُقْسِمُ میں لا زائدہ ہے، تحسینِ کلام کیلئے لا کا اضافہ کر دیا جاتا ہے اس سے قسم کی نفی نہیں ہوگی اصل عبارت اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ ہے پس یہ آیت دوسری آیت کے معارض نہیں ہے (جلالین وغیرہ)

② یہ لا نہیں ہے بلکہ لام ہے اصل لَاُقْسِمُ تھا لام کے فتح میں اشباع کرکے اس کو کھینچ کر پڑھا گیا جس سے الف ظاہر ہو گیا ہے حضرت حسنؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے لَاُقْسِمُ پڑھا ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے مصحف شریف میں لَاُقْسِمُ بغیر الف کے لکھا ہوا ہے، قاری قنبل کی قرأت بھی یہی ہے،۔

پھر یہ لام کیسا ہے اس میں تین احتمال ہیں ① یہ لام ابتداء ہے اور اُقْسِمُ مبتدا محذوف

کی خبر ہے یعنی لَاَنَا اُقْسِمُ ، (۲) اس کو لامِ تاکید مانا جائے جو فعل مضارع پر داخل ہے ،
جیسا کہ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ میں لامِ تاکید فعلِ مضارع پر داخل ہے (۳) یہ لامِ قسم
ہے مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ لامِ قسم کے تحت فعل کو اہلِ عرب نونِ تاکید کے ساتھ مؤکد کرتے
ہیں چنانچہ اہلِ عرب لافعل کذا نہیں کہتے بلکہ لافعلنّ کذا کہا کرتے ہیں اس بناء پر
یہاں بھی لاقسمنّ ہونا چاہیئے تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں نونِ تاکید کا لانا
ضروری ولازمی نہیں ہے بلکہ یہ حکم اکثری ہے اکثر وبیشتر نونِ تاکید کا استعمال ہوتا ہے ورنہ
تو بغیر نون کے بھی جائز ہے امام واحدیؒ نے علامہ سیبویہؒ اور امام فراءؒ سے اس کا جواز نقل
کیا ہے ، یہ تفصیل روح المعانی اور تفسیر کبیر میں لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ کے تحت مذکور
ہے جس کو ہم نے لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ کے تحت ذکر کر دیا ہے لتوافق الجملتین ،
(۴) لَآ اُقْسِمُ میں لائے نافیہ نہیں ہے بلکہ اہلِ عرب تاکیدِ قسم کے لئے لا کا اضافہ کر دیتے
ہیں اس سے قسم میں مزید تاکید پیدا ہو جاتی ہے[۱] ، وجہ اس کی یہ ہے کہ قسم کسی قابلِ عظمت
شئے کی کھائی جاتی ہے قسم کھا کر اس شئے کی عظمت اور اس کے احترام کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے
لا اقسم بہذا البلد میں شہر مکہ کی قسم کھا کر اس کی عظمت کو ظاہر کرنا مقصود ہے اس عظمت و
منقبت کو مزید مؤکد کرنے کیلئے لا کا اضافہ کر دیا گیا کہ شہر مکہ کی عظمت فی نفسہ اس قدر ظاہر
وعیاں اور مشہور ومسلم ہے کہ قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے مگر میں قسم کھا کر اس کی عظمت کو مزید
مؤکد کرتا ہوں یعنی لَاحاجۃ الی القسم لاثبات عظمۃ ھذا البلد لانہ معظم و
محترم فی نفسہ لکن اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ لتاکید عظمتہ
اس تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ لَا سے مقصود قسم کی نفی نہیں ہے لہٰذا یہ آیت
آیتِ ثانیہ کے معارض نہیں ہے ، کیونکہ دونوں آیتوں میں قسم کا اثبات بلکہ تاکید اور مکہ معظمہ
کی عظمت وشرافت کا اظہار مقصود ہے کہ شہرِ مکہ بہت سی عظمتوں کا حامل ہے ایک تو وہ

---

[۱] تفسیر کبیر وخازن وروح المعانی وغیرہ

فی نفسہ معظم و مکرم ہے دوسرے قسم کھانے کی وجہ سے مزید شرافت وعظمت آگئی تیسرے یہ کہ اللہ سبحانہ کا سب سے پہلا مشرف و مکرم امن وسلامتی اور برکت وہدایت والا گھر اسی شہر مکہ میں موجود ہے قال تعالیٰ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا چوتھے یہ کہ مدارِ کائنات فخر الانبیاء والرسل نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن و مولد ہے، آفتاب ختمِ نبوت اسی شہر میں طلوع ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا اکثر حصہ اسی شہر میں گذرا ہے اسی کو حق تعالیٰ نے آگے فرمایا وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِھٰذَا الْبَلَدِ ای حَالٌّ ای نازلٌ مقیمٌ بھذا البلد کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں سکونت پذیر ہونے کی وجہ سے مکہ مکرمہ کی عظمت و مرتبت میں مزید اضافہ ہوگیا ہے فتلک مکۃ مکرمۃ مبارکۃ لھا مناقبُ وفضائلُ بعضھا فوقَ بعضٍ زادھا اللہ تعالی حُرمۃً وشرفًا کلَّ ساعۃٍ من الساعات وصانھا عن جمیع الشرور والآفات، ورزقنا حضورھا وزیارتَھا مرۃً بعد اخریٰ بالخیر والطاعات، آمین یا کاشفَ الضَّرّات ویا قاضی الحاجات ؎

وقد وقع الفراغ من تسوید ھذہ الاوراق بحمد اللہ وفضلہ بعد صلوۃ الظھر من یوم الخمیس فی الثامن من شھر جُمادی الاُخریٰ سنۃ احدی عشرۃ بعد الف واربعمائۃ من الھجرۃ النبویۃ علی صاحبھا اَلْفُ اَلْفُ تسلیمٍ وتحیۃ الموافق السابع والعشرین من شھر دسمبر سنۃ تسعین بعد الف وتسعمائۃ من المسیحیۃ

وقد شرعتُ فیہ یوم الاحد فی التاسع والعشرین من شھر ربیع الآخر سنۃ احدیٰ عشرۃ بعد الف واربعمائۃ من الھجرۃ النبویۃ الموافق

الثامن عشر من شهر نوفمبر سنة تسعين بعد الف وتسعمائة
من المسيحية
فتمّ وكمُل هذا المجموع فی مدة قدر میعاد الکلیم
ای اربعین یومًا بعون الله وتوفیقه جعله الله سبحانه
وتعالیٰ نافعًا للناظرین من الطلبة والمدرسین وغیرهم
من علماء الدین الطالبین دفع التعارض بین ایات
القراٰن المبین۔
یارب تقبّله منّی بقبولٍ حسنٍ واجعله لی وسیلةً الی
النجاة والمغفرة وسببًا لرضوانك ورحمتك یا ارحمَ
الراحمین۔ اٰمین یارب العلمین

احقر العباد

محمد انور گنگوہی مظاہری

خادم حدیث وتفسیر جامعہ اشرف العلوم گنگوہ ضلع سہارنپور (یوپی)
۸ ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۱ھ یوم پنجشنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ

انوار الدرایات

لدفع التعارض بین الآیات

کتاب کی اشاعت کے بعد چند آیات ایسی اور نظر آئیں
جن میں بظاہر تعارض ہے اس لئے ان کے تعارضات
اور تطبیقات کو دوسرے ایڈیشن میں ضمیمہ کی شکل میں
کتاب کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہے

مؤلف کتاب — محمد انور غفرلہ گنگوہی

(نوٹ) ضمیمہ کی فہرست صـ ۲۷۹ پر
ملاحظہ فرمائیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ

بنی اسرائیل نے بقرہ ذبح کیا یا نہیں؟

پارہ ع۱

آیت (۱) فَذَبَحُوْهَا ۞ وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ پارہ ع۱ رکوع ۸ سورۃ البقرہ

جلالین ص۱۲

تشریح تعارض اس آیت کے جزء اول وجزء ثانی میں بظاہر تعارض ہے بایں طور کہ اس سے اوپر بنی اسرائیل کا ایک قصہ بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے دو بھائیوں نے اپنے ایک چچازاد بھائی کو قتل کر ڈالا تا کہ اس کے مال کے وارث و مالک بن جائیں اور قتل کر کے اس کی لاش محل کے دروازے پر ڈال دی اور خود ہی دونوں اس کے خون کا بدلہ طلب کرنے کے لئے آگئے کہ ہمارے چچازاد بھائی کو کس نے قتل کیا ہے ہمیں اس کے خون کا بدلہ لینا ہے، لوگوں کو قاتل کا کچھ علم نہ تھا، قاتل کا پتہ لگانے کے لئے پریشان تھے اور جھگڑا کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے قاتل کے پتہ لگانے کا ایک طریقہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بذریعہ وحی نازل فرمایا کہ ان لوگوں سے کہو ایک بیل ذبح کر کے اس کو مقتول کے بدن سے مس کردو یعنی چھوادو وہ مقتول زندہ ہو کر بول اٹھے گا اور قاتل کا نام خود بتلا دے گا اتنی خبر سن کر یہ لوگ اگر کوئی سا بیل بھی ذبح کر دیتے تو کافی ہو جاتا مگر انھوں نے

اس طریقہ کو عجیب تصور کرتے ہوئے سوچا کہ اس عجیب کام کیلئے بیل بھی کوئی عجیب وغریب قسم کا لینا پڑے گا جس میں تحقیق قاتل کا خاص اثر ہو چنانچہ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اللہ سے یہ معلوم کر لیجئے کہ اس بیل کے اوصاف کیا ہوں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ جواب میں یوں فرماتے ہیں کہ وہ بیل نہ تو بوڑھا ہونا چاہیئے اور نہ بچہ، بلکہ ادھیڑ عمر کا ہونا چاہیئے اور اس کام کو کر گذرو زیادہ حجتیں مت نکالنا، بنی اسرائیل بولے اچھا یہ اور معلوم کر لیجئے کہ اس کا رنگ کیسا ہونا چاہئے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ یوں فرماتے ہیں کہ اس کا رنگ تیز زرد ہونا چاہیئے جو دیکھنے والوں کو خوش کر دے بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اچھا اس بیل کے اوصاف ذرا اور زیادہ واضح کر کے بتا دیجئے حضرت موسیٰ ؑ نے فرمایا کہ اللہ یوں فرماتے ہیں کہ وہ بیل کوئی زیادہ عجیب و غریب ہونا ضروری نہیں البتہ عمدہ ہونا چاہیئے کہ نہ تو وہ ہل میں چلا ہوا ہو جس سے زمین جوتی جائے اور نہ کنویں میں جوڑا گیا ہو کہ اس سے کھیتی کو سیراب کیا جائے بنی اسرائیل بولے اب آپ نے پوری بات صاف بتا دی ہے چنانچہ انھوں نے اس طرح کا بیل تلاش کیا تو ان کو ایک نوجوان کے پاس مل گیا انھوں نے اس سے اس بیل کی کھال بھر کر سونے کے بدلہ میں اس کو خریدا اور ذبح کر کے مقتول کے بدن سے چھوا دیا تو مقتول نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتلا دیا کہ مجھ کو فلاں فلاں نے قتل کیا ہے نام بتلاتے ہی وہ مقتول مر گیا،

اس واقعہ کے جاننے کے بعد اب تشریح تعارض سنئے کہ حق تعالیٰ نے اولاً فرمایا فَذَبَحُوهَا کہ بنی اسرائیل نے اس بقرہ کو ذبح کر دیا آیت کے اس جز میں ذبح بقرہ کا اثبات ہے اور آگے فرمایا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ کہ وہ ذبح کرنے کے قریب بھی نہیں ہوئے کیونکہ كَادَ افعال مقاربہ میں سے ہے اس کے متعلق نحاۃ کا اختلاف

ہے حق مذہب اس بارے میں یہ ہے جیسا کہ روح المعانی صفحہ ۲۹۲/۱ پر مصرح ہے کہ کَادَ نفی اور اثبات دونوں میں دیگر افعال کی طرح ہے کہ اگر کَادَ مثبت ہو تو اثباتِ قُرب کا فائدہ دیتا ہے اور اگر منفی ہو تو نفیِ قُرب کے لئے مفید ہوتا ہے اور چونکہ آیت شریفہ میں کَادَ منفی ہے اس لئے نفیِ قُرب کا فائدہ دیگا کہ وہ ذبح کرنے کے قریب نہیں ہوئے یعنی ذبح کرنا تو درکنار وہ تو ذبح کرنے کے قریب بھی نہیں گئے اس سے ذبح کرنے کی نفی معلوم ہوتی ہے پس فَذَبَحُوْھَا میں ذبح کا اثبات اور وَمَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ میں ذبح کی نفی ہے اور نفی و اثبات میں تعارض و تناقض ہوتا ہے پس آیت کا جزءِ اول جزءِ ثانی کے بظاہر معارض ہے

دفعِ تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں۔

(۱) یہ نفی اور اثبات اختلافِ اوقات پر محمول ہے مطلب یہ ہے کہ اولاً تو وہ ذبح کرنے کے قریب بھی نہیں تھے طرح طرح کی حجتیں اور بہانے کر رہے تھے گویا کہہ رہے تھے کہ ہم کیسے ذبح کر دیں ہمیں یہ تو معلوم ہی نہیں ہوا کہ کس رنگ کا بقرہ ہونا چاہئے کیا کیا اس کے اوصاف ہونے چاہئیں (مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی طرح یہ فرمادیں کہ بس رہنے دو زیادہ پریشان کیوں ہوتے ہو ہم بغیر ذبح بقرہ کے ہی تم کو قاتل کی خبر دیدیں گے یا مقصد یہ تھا کہ بقرہ میں زیادہ قیودات لگنے کی وجہ سے اس خاص قسم کا بقرہ کہیں مل نہیں پائے گا تو ہم کہدیں گے کہ اس قسم کا بقرہ تو مل نہیں رہا ہے تو اللہ ہم کو بغیر ذبح بقرہ کے قاتل کی خبر دیدیں گے) لیکن جب اللہ نے تمام اوصاف صاف صاف بیان فرما دیئے اور ان کی حجتیں اور بہانے سب ختم ہو گئے اور تلاش کرنے سے اس قسم کا بقرہ مل بھی گیا تو پھر تو ان کو ذبح کرنا ہی پڑا پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ فذبحوھا فی الزمان الثانی وما کادوا یفعلون فی الزمان الاول اور اختلافِ ازمان و اوقات کے بعد تعارض نہیں

رہتا کیونکہ تعارض کے لیے اتحادِ زمان شرط ہے (روح المعانی ص۲۹۲/۱ وبیان القرآن ص۳۹ وص۱۴ پارہ ۱)

۲ نفی اور اثبات اختلافِ اعتبارَین پر محمول ہے مطلب یہ ہے کہ ایک اعتبار سے ذبح کرنے کے قریب نہیں تھے دوسرے اعتبار سے ذبح کر ڈالا۔

اب یا تو یوں کہا جائے کہ رسوائی کے خوف سے ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے کہ نام معلوم ہوجائے گا تو قاتل کی رسوائی ہوگی یا قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے ذبح کرنے کے قریب نہیں تھے خریدنا مشکل تھا کیونکہ اس کی قیمت جیساکہ اوپر مذکور ہوئی اس کی کھال کے بھراؤ کے برابر سونا تھی، پس رسوائی کے خوف یا زیادتیٔ ثمن کے اعتبار سے ذبح کرنے کے قریب نہیں تھے مگر تعمیل حکم کے اعتبار سے انھوں نے ذبح کر ہی دیا کہ جب اللہ کی طرف سے حکم ہو ہی رہا ہے تو اب قیمت زیادہ ہو یا کم، رسوائی ہو یا نہ ہو، ذبح کرنا ہی پڑے گا، اور جب نفی اور اثبات دو مختلف اعتباروں پر محمول ہیں تو کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ تعارض کے لئے اتحادِ اعتبار شرط ہے (روح المعانی ص۲۹۲/۱)

یہود جادو کا اتباع کرنے کی قباحت جانتے تھے یا نہیں؟

پارہ ۱

(۱)

آیت وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ پارہ ۱ رکوع ۱۲ سورۃ البقرۃ جلالین ص۱۶

تشریح تعارض اس آیت کے جزءِ اوّل اور جزءِ آخر میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہودی لوگ کتاب اللہ کا اتباع کرنے کے بجائے جادو کا اتباع کرتے تھے، شہر بابل میں ہاروت ماروت نامی دو فرشتے جو اللہ نے لوگوں کی آزمائش کیلئے بھیجے تھے (جن کا قصہ اس سے پہلی آیات میں مجملاً اور کتب تفاسیر

یں مفصلاً مذکور ہے) ان سے یہ یہودی لوگ جادو سیکھتے اور اس کا اتباع کرتے تھے اور یہ لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ جو شخص کتاب اللہ کے بجائے جادو کا اتباع کرے گا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اسی کو آیت کے جزر اول میں ذکر کیا گیا ہے وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ الخ کہ یہودی اس بات کو جانتے ہیں کہ جو کتاب اللہ کے عوض جادو کو اختیار کرے اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کو جادو کے اتباع کرنے کی قباحت اور برائی معلوم تھی اور آیت کے اخیر میں فرمایا لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کاش یہ لوگ جان لیتے اس جملہ کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یہ لوگ سحر کی قباحت وشناعت جانتے نہیں تھے کیونکہ کلمۂ لو انتفاء شئی لانتفاء غیرہ (ایک شئے کی نفی دوسری شئے کی نفی کی وجہ سے) کیلئے آتا ہے، پس آیت کے جزر اول میں یہود کے قباحتِ سحر کے علم کا اثبات ہے اور جزر ثانی میں اس علم کی نفی ہے اس لئے آیت کے اول وآخر میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

دفعِ تعارض اس تعارض کے آٹھ جوابات ہیں۔

(۱) آیت کے جزر اول میں جس علم کا اثبات ہے اس سے مراد غور وفکر کی صلاحیت اور قدرت ہے کہ ان لوگوں کے اندر اس بات کو جاننے اور سمجھنے کی صلاحیت موجود ہے کہ جو شخص کتاب اللہ کے بجائے جادو کا اتباع کرے اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے لیکن صلاحیتِ علم وتفکر کو تحقق علم سے تعبیر کر دیا گیا ہے صلاحیت کی قوت اور اس کمال کی وجہ سے، کیونکہ جب کسی شخص کے اندر کسی وصف کی صلاحیت وقدرت کامل درجہ کی ہوتی ہے تو اس کے اندر اس وصف کے متحقق ہونے کا اعتبار کر لیا جاتا ہے اور اس شخص کو اس وصف کے ساتھ بالفعل موصوف کر دیا جاتا ہے بہرحال آیت کے جزر اول میں صلاحیتِ علم وتفکر کا اثبات ہے اور جزر ثانی میں علم کی نفی سے مراد اس صلاحیت کو استعمال میں نہ لانا اور غور وفکر نہ کرنا مراد ہے آیت کا مطلب اس وقت یہ ہوگا کہ ان لوگوں میں جادو کی

قباحت اور شناعت جاننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہے مگر یہ لوگ اس صلاحیت کو عمل میں نہیں لائے اور انھوں نے اس کی قباحت کو جانا اور سمجھا نہیں کاش یہ لوگ اس بارے میں غور وفکر کر لیتے اور اس کی قباحت جان لیتے پس اثبات صلاحیتِ علم و تفکر کا ہے اور نفی استعمالِ علم و تفکر کی ہے یا یوں کہا جائے کہ اثبات علم بالقوۃ کا ہے اور نفی علم بالفعل کی ہے جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں ہے فلا تعارض بینہما (شیخ زادہ ص۳۷۶/۱ ، روح المعانی ص۳۴۶/۱ بزیادۃ توضیح و تشریح)

(۲) امام راغب رح فرماتے ہیں کہ جزء اول میں اثبات علمِ اجمالی کا ہے اور جزء ثانی میں نفی علمِ تفصیلی کی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اجمالی طور پر تو جانتے تھے کہ جادو کا اتباع کرنا قبیح اور مذموم چیز ہے مگر انھوں نے یہ نہیں جانا کہ جس کام کو ہم کر رہے ہیں وہ بھی منجملہ اسی قبیح کے ہے، لبسا اوقات انسان ایک شئ کی قباحت کو اجمالی طور پر جانتا ہے مگر تفصیلی طور پر نہیں جانتا کہ اس کی یہ صورت بھی قبیح ہے اور یہ صورت بھی قبیح ہے، پس مثبت علمِ اجمالی ہوا اور منفی علمِ تفصیلی ہوا فلا تعارض (روح المعانی ص۳۴۶/۱ ، شیخ زادہ ص۳۷۶/۱)

(۳) آیت کے جزء اول میں جو اثبات ہے وہ سحر کی قباحت اور اس پر عقاب کے مرتب ہونے کا علم ہے اور جزء ثانی میں جو نفی ہے وہ حقیقتِ عقاب اور شدتِ عقاب کے علم کی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اتباع سحر پر مرتب ہونے والے عقاب اور سزا کو تو جانتے ہیں مگر اس عقاب کی حقیقت اور اس کی شدت کو نہیں جانتے۔ کاش یہ لوگ عذاب کی شدت کو جان لیتے تو ایسا نہ کرتے پس اثبات علمِ عقاب کا ہے اور نفی علمِ شدتِ عقاب و حقیقتِ عقاب کی ہے فلا تعارض بینہما (شیخ زادہ ص۳۷۷/۱ ، روح المعانی ص۳۴۶/۱)

(۴) صاحب کشاف علامہ زمخشری رح فرماتے ہیں کہ آیت کے جزء اول میں اثبات علم کا ہے اور جزء اخیر میں نفی اس علم پر عمل کرنے کی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جادو کی قباحت اور اس پر اخروی عقاب کے مرتب ہونے کو جانتے ہیں مگر اس علم پر عمل نہیں

کرتے اور جو شخص علم پر عمل نہیں کرتا اس کو جاہل کے درجہ میں اتار لیا جاتا ہے اس کے علم کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا ہے اس لئے جزء ثانی میں علم ہی کی نفی کردی گئی ہے اب لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ کا مطلب لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ بِمُوْجَبِ عِلْمِهِمْ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنے علم کے مقتضیٰ پر عمل کر لیتے تو جادو کو اختیار کرنے اور سیکھنے سے احتراز کرتے بہرحال اثبات علم کا ہے اور نفی عمل کی ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے اولیٰ جواب یہی ہے ۔ حضرت تھانویؒ نے بھی بیان القرآن میں اسی کو اختیار کیا ہے (کشاف ص ۸۶/۱ شیخ زادہ ص ۳۷۷/۱، روح المعانی ص ۳۴۷/۱ بیان القرآن ص ۵۷/۱ پارہ ۱)

⑤ یہ اختلافِ اشخاص پر محمول ہے چنانچہ علامہ قطرب اور امام اخفش فرماتے ہیں کہ آیت کے جزء اول میں جاننے والوں سے مراد شیاطین ہیں اور جزء اخیر میں نہ جاننے والوں سے مراد انسان یعنی یہود ہیں مطلب یہ ہے کہ شیاطین تو جانتے ہیں کہ جو شخص کتاب اللہ کے بدلہ میں جادو کو اختیار کرے گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے مگر یہ یہود اس بات کو نہیں جانتے اس لئے یہ لوگ جادو سیکھتے ہیں اور اس کو اختیار کرتے ہیں کاش یہ لوگ بھی اس کی قباحت و شناعت کو جان لیتے ، اس صورت میں وَلَقَدْ عَلِمُوْا کی ضمیر شیاطین کی طرف راجع ہوگی اور شَرَوْا اور یَعْلَمُوْنَ کی ضمیریں انسانوں کی طرف راجع ہوں گی اور جب عالمین اور غیر عالمین کا مصداق علیحدہ علیحدہ اشخاص ہیں تو کوئی تعارض نہیں (قرطبی ص ۵۶/۲)

⑥ امام زجاج فرماتے ہیں کہ علی بن سلیمان نے یوں کہا ہے کہ میرے نزدیک سب سے عمدہ جواب یہ ہے کہ وَلَقَدْ عَلِمُوْا کی ضمیر مَلَکَیْن کی طرف راجع ہے کہ وہ دونوں فرشتے سحر کی قباحت اور اس پر اخروی عقاب کے ترتب کو جانتے تھے ظاہر بھی یہی ہے نیز اس بات کو جاننے کے زیادہ لائق و مستحق وہ دونوں فرشتے ہی ہو سکتے ہیں اور مَلَکَیْن

تثنیہ کی طرف ضمیر جمع کا لوٹانا قابل اشکال نہیں اس لئے کہ تثنیہ کے لئے ضمیر جمع کا استعمال کرنا شائع ہے کہا جاتا ہے الزیدان قاموا اس صورت میں بھی لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کی ضمیر یہود کی طرف راجع ہوگی مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ وہ دونوں فرشتے تو سحر کی قباحت و مذمت کو جانتے تھے مگر یہود نہیں جانتے تھے اس لئے یہ لوگ سحر کا اتباع کرتے اور اسکو اختیار کرتے تھے کاش یہ لوگ اس کی قباحت اور مذمت کو جان لیتے بہر حال اس صورت میں بھی اختلافِ اشخاص کی وجہ سے کوئی تعارض نہیں ہوگا (قرطبی ص ۵۶ ج ۲)

مگر صاحبِ روح المعانی نے اختلافِ ضمائر والی توجیہ کو پسند نہیں کیا ہے فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بلا ضرورت انتشارِ ضمائر کا ارتکاب لازم آتا ہے اور اس پر کوئی قرینۂ واضحہ بھی موجود نہیں ہے (روح المعانی ص ۳۴۷ ج ۱)

۷ آیت کے جزء اول میں عَلِمُوْا کا مفعول انه لا نصيب لهم فى الآخرة ہے اور جزء اخیر میں يَعْلَمُوْنَ کا مفعول مَذْمُوْمِيَّةَ الشِّرَاءِ ہے جو بِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ سے سمجھ میں آرہا ہے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اس بات کو تو جانتے ہیں کہ جو کتابُ اللہ کے بدلہ میں جادو کو اختیار کرے اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے مگر یہ لوگ کتابُ اللہ کے بدلہ میں جادو اختیار کرنے کی مذمت اور قباحت کو نہیں جانتے بلکہ اپنے اعتقاد میں یہ لوگ اس چیز کو مباح سمجھتے ہیں پس علم مثبت اور علم منفی کے مفعول علیحدہ علیحدہ ہونیکی وجہ سے کوئی تعارض نہیں کیونکہ جس چیز کے علم کا اثبات ہے اس کے علم کی نفی نہیں ہے اور جس چیز کے علم کی نفی ہے اس کے علم کا اثبات نہیں مگر یہ جواب درست نہیں ہے کیونکہ جب یہ لوگ جادو کو مذموم اور قبیح نہیں جانتے تھے تو پھر آخرت میں اس کے موجب حرمان ہونیکے قائل کیسے ہوسکتے تھے یہ بات تو عقل کے خلاف ہے کہ ایک شخص کسی فعل کے مذموم اور قبیح ہونے کو نہیں جانتا بلکہ اس کو مباح اور جائز و حسن سمجھتا ہے اس کے باوجود اس کا اعتقاد یہ ہو کہ آخرت

میں اس فعل پر عقاب ہوگا اور یہ فعل آخرت میں ثواب سے محرومی کا باعث ہوگا۔
(روح المعانی ص ۳۴۶/۱ و ص ۳۴۷/۱)

۸ آیت کے جزء اول میں اثبات مذمومیت فی الآخرۃ کے علم کا ہے اور جزء ثانی میں نفی مذمومیت مطلقہ یعنی فی الدنیا و الآخرۃ کی ہے مطلب یہ ہوگا کہ یہود یہ تو جانتے ہیں کہ جادو اختیار کرنا آخرت کے اعتبار سے مذموم اور قبیح ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ دنیا و آخرت دونوں ہی اعتبار سے مطلقاً مذموم اور قبیح ہے بلکہ وہ تو اس دھوکے میں پڑے ہوئے تھے کہ دنیا میں یہ چیز نافع اور مفید ہے اور ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ انسان جانتا ہے کہ یہ فعل آخرت میں موجب عقاب ہے مگر دنیاوی نفع کے لالچ میں اس فعل کا ارتکاب کرتا رہتا ہے اسی طرح یہود دنیاوی نفع کے توہم پر کتاب اللہ کے بدلہ میں جادو کو اختیار کرتے تھے کاش وہ لوگ یہ جان لیتے کہ یہ چیز دنیا و آخرت دونوں اعتبار سے مضر اور نقصان دہ ہے، پس اثبات مذمومیت فی الآخرۃ کے علم کا ہے اور نفی مطلق مذمومیت و قباحت کے علم کی ہے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اثبات مذمومیت خاصہ کے علم کا ہے اور نفی مذمومیتِ عامہ کے علم کی ہے جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

آیت کے جزء ثانی میں مذمومیت کو جو عام کہا گیا ہے کہ خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں، اس عموم کی دلیل یہ ہے کہ اس میں کلمۂ بِئْسَ لایا گیا ہے جو مذمومیتِ عامہ کے لئے آتا ہے،

مگر صاحب روح المعانی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ بِئْسَ سے جو عموم مستفاد ہوتا ہے وہ افرادِ فاعل کے اعتبار سے ہے نہ کہ زمان و مکان کے اعتبار سے جب یہ کہا جائے بِئْسَ مَا فَعَلُوْا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کام

کو کرنے والے سبھی لوگ بُرے ہیں اور قبیح کا ارتکاب کر رہے ہیں اس میں اس
بات سے کوئی تعرض نہیں ہوتا ہے کہ یہ فعل ہر زمان اور ہر مکان میں قبیح اور
مذموم ہے جیساکہ آپ نے اس کو زمانِ آخرت و زمانِ دنیا یا مکان آخرت و
مکانِ دنیا دونوں اعتبار سے مذمت پر دلالت کرنے والا سمجھ لیا ہے۔
(روح المعانی ص۳۴۷/۱)

افعالِ عباد، اللہ کی مشیت سے صادر ہوتے ہیں یا بندوں کی؟

پارہ ۲، ۳، ۷، ۸، ۹، ۱۱، ۱۴، ۱۵، ۱۸، ۱۹، ۲۰
۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۹، ۳۰

آیات (۱) یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ پارہ ۲ رکوع ۱ سورۃ البقرۃ جلالین ص۲۱ (۲) وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ پارہ ۲ رکوع ۱۰ سورۃ البقرۃ جلالین ص۳۱ (۳) وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ پارہ ۳ رکوع ۵ سورۃ البقرۃ جلالین ص۴۳ (۴) مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضْلِلْهُ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ پارہ ۷ رکوع ۱۰ سورۃ الانعام جلالین ص۱۱۵ (۵) مَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ پارہ ۸ رکوع ۱ سورۃ الانعام جلالین ص۱۲۳ (۶) فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا الآیۃ پارہ ۸ رکوع ۲ سورۃ الانعام جلالین ص۱۲۴ (۷) وَمَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ پارہ ۹ رکوع ۱ سورۃ الاعراف جلالین ص۱۳۷ (۸) تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ بِهَا مَنْ تَشَآءُ پارہ ۹ رکوع ۹ سورۃ الاعراف جلالین ص۱۴۲ (۹) وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ پارہ ۱۱ رکوع ۸ سورۃ یونس جلالین ص۱۷۲

(۱۰) وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلٰکِنْ یُّضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ
پارہ ۱۴ رکوع ۱۹ سورۃ النحل جلالین ص۲۲۵ (۱۱) وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ
غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ پارہ ۱۵ رکوع ۱۶ سورۃ الکہف جلالین ص۲۴۳ (۱۲)
وَلَوْلَا اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَکَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰہُ پارہ ۱۵ رکوع ۱۷ سورۃ الکہف
جلالین ص۲۴۵ (۱۳) سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا پارہ ۱۵ رکوع ۲۱ سورۃ الکہف
جلالین ص۲۴۹ (۱۴) وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ پارہ ۱۸ رکوع ۱۲
سورۃ النور جلالین ص۳۰۰ (۱۵) سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ پارہ ۲۰
رکوع ۶ سورۃ القصص جلالین ص۳۲۹ (۱۶) فَاِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ
مَنْ یَّشَآءُ پارہ ۲۲ رکوع ۱۴ سورۃ فاطر جلالین ص۳۶۴ (۱۷) سَتَجِدُنِیْ اِنْ
شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ پارہ ۲۳ رکوع ۷ سورۃ الصّٰفّٰت جلالین ص۳۷۷ (۱۸)
ذٰلِکَ ھُدَی اللّٰہِ یَھْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ پارہ ۲۳ رکوع ۱۷ سورۃ الزمر جلالین ص۳۸۷
(۱۹) وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا پارہ ۲۵ رکوع ۷ سورۃ
الشوریٰ جلالین ص۴۰۵ (۲۰) لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ
پارہ ۲۶ رکوع ۱۲ سورۃ الفتح جلالین ص۴۲۶ (۲۱) کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰہُ مَنْ
یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ پارہ ۲۹ رکوع ۱۵ سورۃ المدثر جلالین ص۴۸۱ (۲۲)
وَمَا یَذْکُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ پارہ ۲۹ رکوع ۱۶ سورۃ المدثر جلالین ص۴۸۱ (۲۳)
وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ پارہ ۲۹ رکوع ۲۰ سورۃ الدھر جلالین ص۴۸۵
(۲۴) یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ پارہ ۲۹ رکوع ۲۰ سورۃ الدھر جلالین ص۴۸۵
(۲۵) وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ پارہ ۳۰ رکوع ۶ سورۃ التکویر جلالین ص۴۹۲
(۲۶) فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ پارہ ۱۵ رکوع ۱۶ سورۃ الکہف
جلالین ص۲۴۴ (۲۷) قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّہٖ

سَبِیْلًا پارہ ۱۹ رکوع ۳ سورۃ الفرقان جلالین صہ ۳۰۷ (۲۸) اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ پارہ ۲۴ رکوع ۱۹ سورۃ حٰمٓ سجدۃ جلالین صہ ۴۰۰ (۲۹) فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا پارہ ۲۹ رکوع ۱۳ سورۃ المزمل جلالین صہ ۴۷۹ (۳۰) لِمَنْ شَآءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ پارہ ۲۹ رکوع ۱۶ سورۃ المدثر جلالین صہ ۴۸۱ (۳۱) فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ پارہ ۲۹ رکوع ۱۶ سورۃ المدثر جلالین صہ ۴۸۱ (۳۲) فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا پارہ ۲۹ رکوع ۲۰ سورۃ الدھر جلالین صہ ۴۸۵ (۳۳) لِمَنْ شَآءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ پارہ ۳۰ رکوع ۶ التکویر جلالین صہ ۴۹۲

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ تا ۲۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کے افعال حق تعالیٰ کی مشیت وارادہ سے متعلق ہوتے ہیں بندہ گمراہی پر ہوتا ہے یا ہدایت پر نیکی کرتا ہے یا برائی اور ان کے علاوہ دیگر افعال جو بھی بندہ کرتا ہے وہ سب اللہ کی مشیت اور اس کے چاہنے سے کرتا ہے بندہ کی مشیت وارادہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ ان آیات میں مشیت کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کیگئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ مجبور محض ہے اور آیت نمبر ۲۶ تا ۳۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کے افعال خود بندوں کی مشیت وارادہ سے صادر ہوتے ہیں کیونکہ ان آیات میں مشیت کی نسبت بندوں کی طرف کیگئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ خود مختار ہے جو چاہے کرے پس ان آیات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ افعال عباد حق تعالیٰ کی مشیت اور بندوں کی مشیت دونوں سے صادر ہوتے ہیں مگر دونوں مشیتوں کی جہت مختلف ہے اللہ کی مشیت باعتبار خلق کے ہے اور بندہ کی مشیت باعتبار کسب کے ہے یعنی بندہ اپنے اختیار سے افعال کا کسب کرتا ہے مگر ان افعال کو پیدا کرنیوالے حق تعالیٰ ہیں، حق تعالیٰ کی یہ عادت جاری ہے کہ جب بندہ اپنے اختیار سے کسی فعل کا کسب کرتا ہے

تو حق تعالیٰ اس بندہ کے اندر اس فعل کا خَلق فرما دیتے ہیں مثلاً بندہ نے اپنے اختیار سے چلنے کا ارادہ کیا تو حق تعالیٰ اس کے اندر چلنا پیدا فرما دیتے ہیں اسی طرح تمام افعال میں سمجھ لینا چاہیے بس بندہ کا نہ تو مجبور محض ہونا لازم آیا کیونکہ بندہ کاسب بالاختیار رہے اور نہ خود مختار و قادر ہونا لازم آیا کیونکہ افعال کے خالق حق تعالیٰ ہیں اور مشیّتوں کی جہت کَسب اور خَلق کے اعتبار سے مختلف ہونے کی وجہ سے کوئی تعارض لازم نہیں آتا (شرح عقائد)

حق تعالیٰ قیامت کے دن کفار سے گفتگو کریں گے یا نہیں؟

پارہ ۲، ۳، ۴، ۷، ۸، ۱۱، ۱۴، ۱۵، ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۵، ۲۶

آیات (۱) وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ پارہ ۲ رکوع ۵ سورۃ البقرۃ جلالین ص ۲۵ (۲) وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ پارہ ۳ رکوع ۱۶ سورۃ آل عمران جلالین ص ۵۵ (۳) وَنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ پارہ ۴ رکوع ۱۰ سورۃ آل عمران جلالین ص ۶۶ (۴) وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الاٰية پارہ ۷ رکوع ۹ سورۃ الانعام جلالین ص ۱۱۳ (۵) وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ پارہ ۷ رکوع ۹ سورۃ الانعام جلالین ص ۱۱۴ (۶) قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ پارہ ۸ رکوع ۱۱ سورۃ الاعراف جلالین ص ۱۳۲ (۷) يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ الاٰية پارہ ۱۱ رکوع ۸ سورۃ یونس جلالین ص ۱۷۳ (۸) فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ پارہ ۱۴ رکوع ۶ سورۃ الحجر جلالین ص ۲۱۵ (۹) ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ

پارہ ۱۴ رکوع ۱۰ سورۃ النحل جلالین ص ۲۱۷ (۱۰) وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ پارہ ۱۵ رکوع ۱۹ سورۃ الکہف جلالین ص ۲۴۷ (۱۱) قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ پارہ ۱۸ رکوع ۶ سورۃ المؤمنون جلالین ص ۲۹۳ (۱۲) قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ پارہ ۱۸ رکوع ۶ سورۃ المؤمنون جلالین ص ۲۹۳ (۱۳) قَالَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ پارہ ۱۸ رکوع ۶ سورۃ المؤمنون جلالین ص ۲۹۳ (۱۴) حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا الآیۃ پارہ ۲۰ رکوع ۳ سورۃ النمل جلالین ص ۳۲۴ (۱۵) وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ پارہ ۲۰ رکوع ۱۰ سورۃ القصص جلالین ص ۳۳۲ (۱۶) وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ پارہ ۲۰ رکوع ۱۰ سورۃ القصص جلالین ص ۳۳۳ (۱۷) وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ پارہ ۲۱ رکوع ۲ سورۃ العنکبوت جلالین ص ۳۳۹ (۱۸) وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الآیۃ پارہ ۲۲ رکوع ۱۱ سورۃ سبا جلالین ص ۳۶۳ (۱۹) وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي قَالُوا آذَنَّاكَ الآیۃ پارہ ۲۵ رکوع ۱ سورۃ حٰم سجدہ جلالین ص ۴۰۰ (۲۰) قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ پارہ ۲۶ رکوع ۴ سورۃ الاحقاف جلالین ص ۴۱۹ (۲۱) قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ پارہ ۲۶ رکوع ۱۶ سورۃ قٓ جلالین ص ۴۳۰ و ص ۴۳۱

تشریح تعارض آیت ۱ و ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن کفار کے ساتھ کلام نہیں فرمائیں گے اور باقی تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام کریں گے کیونکہ ان تمام آیات میں کفار کے ساتھ گفتگو کرنا اور سوال کرنا مذکور ہے جیسا کہ ان کے تراجم سے ظاہر ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں

(۱) آیت نمبر ۱ و ۲ میں بقول حضرت حسنؒ کلام رحمت و شفقت کی نفی ہے کہ حق تعالیٰ

قیامت کے دن کفار کے ساتھ شفقت و مہربانی کے طور پر کلام نہیں کریں گے اور باقی تمام آیات میں کلام غضبی کا اثبات ہے کہ ان کے ساتھ گفتگو اور سوال کرنا قہر و غضب کے انداز میں ہوگا پس جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں اور جس کا اثبات ہے اسکی نفی نہیں فلا تعارض۔

(روح المعانی ص۴۴/۲ و بیان القرآن پارہ ۲)

(۲) یا یوں کہا جائے کہ پہلی دونوں آیتوں میں مطلق کلام ہی کی نفی ہے خواہ کلام رحمت ہو یا کلام غضب کسی طرح کا بھی کلام نہیں فرمائیں گے مگر یہ نفی کلام بلا واسطہ کی ہے کہ حق تعالیٰ بلا واسطہ اور براہِ راست کفار کیساتھ کلام نہیں کریں گے اور باقی آیات میں اثبات کلام بواسطۂ ملائکہ کا ہے کہ حق تعالیٰ ملائکہ کے واسطہ سے کفار سے گفتگو اور سوال فرمائیں گے پس اثبات کلام بالواسطہ کا ہوا اور نفی کلام بلا واسطہ کی، فلا تعارض (روح المعانی ص۴۴/۲)

زمانۂ ماضی میں لوگ متحد فی الدین تھے یا مختلف؟

پارہ ۲، ۱۲، ۱۴

آیات (۱) كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ پارہ ۲ رکوع ۱۰ سورۃ البقرۃ جلالین ص۳۱ ● (۲) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ پارہ ۱۲ رکوع ۱۰ سورۃ ھود جلالین ص۱۸۹ (۳) وَلَوْ شَآءَ اللهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ پارہ ۱۴ رکوع ۱۹ سورۃ النحل جلالین ص۲۲۵

تشریح تعارض پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ گذشتہ میں سب لوگ ایک ہی دین پر تھے ان میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور آیت ۲ و ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں زمانۂ ماضی میں اختلاف رہا کیونکہ ان دونوں آیتوں میں کلمۂ لَوْ آیا ہے جو تعلیق فی الماضی مع القطع بانتفاء الشرط کیلئے آتا ہے یعنی لَوْ کے ذریعہ زمانۂ ماضی میں ایک شئے کو دوسری شئے پر معلق

کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شرط کے انتفاء کا یقین ہوتا ہے جو جزاء کے انتفاء کو مستلزم ہوتا ہے جیسے یوں کہا جائے لَوْ جِئْتَنِیْ لَاَکْرَمْتُکَ اگر تو زمانۂ گذشتہ میں میرے پاس آتا تو میں تیرا اکرام کرتا مگر تو نہیں آیا پس میں نے تیرا اکرام نہیں کیا اس بنا پر آیت شریفہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو زمانۂ ماضی میں ایک ہی دین پر متحد کر دیتا لیکن اللہ نے نہیں چاہا پس اس نے تم کو متحد بھی نہیں کیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زمانۂ ماضی میں لوگوں میں اختلاف رہا ہے پس آیتِ اولیٰ سے زمانہ ماضی میں لوگوں کا متحد ہونا اور اخیر کی دونوں آیتوں سے زمانۂ ماضی میں لوگوں کا مختلف ہونا معلوم ہوتا ہے لہذا ان آیات میں بظاہر تعارض ہے

دفع تعارض زمانۂ ماضی چونکہ طویل اور ممتد ہے اس لئے اس کے دو حصے کر لئے جائیں زمانۂ ماضی کے جزءِ اول میں تو سب لوگ ایک ہی دین یعنی دینِ توحید پر قائم تھے جب حضرت آدمؑ مبعوث ہوئے تو انھوں نے اپنی اولاد کو دینِ حق کی تعلیم دی تھی وہ لوگ ایک عرصہ تک دینِ حق پر قائم اور متحد رہے پھر جزءِ ثانی میں رفتہ رفتہ لوگوں کے طبائع مختلف ہوتے گئے اور ان میں اختلاف ہوتا چلا گیا، اتحاد کے بعد جو اختلاف ہوا ہے اس کے متعلق حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اتحاد کے بعد یہ اختلاف نہ ہونے دیتا بلکہ ہمیشہ لوگ متحد ہی رہتے مگر اللہ نے نہیں چاہا اس لئے اتحاد قائم نہ رہا بلکہ لوگ مختلف ہوگئے اور فرمایا وَلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اور آئندہ بھی لوگ اختلاف کرتے رہیں گے پس آیتِ اولیٰ میں جو اتحاد مذکور ہے وہ زمانۂ ماضی کے جزءِ اول میں تھا اور آیتِ ثانیہ وثالثہ میں جو اختلاف مذکور ہے وہ زمانۂ ماضی کے جزءِ ثانی میں ہے اور جب اتحاد و اختلاف کا زمانہ علیحدہ علیحدہ ہے تو کوئی تعارض نہیں لانہ لاتعارض بعد اختلاف الازمان (بیان القرآن پ۱۱ ص۶۷ مع زیادۃ توضیح)

لوگوں میں اختلاف بعثتِ انبیاء سے پہلے ہوا یا بعد میں؟

پارہ ۲ ع ۲

آیت ① کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ

وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ پارہ ۲ رکوع ۱۰ سورۃ البقرۃ جلالین ص ۳۱

تشریح تعارض آیت کے جزر اول میں ارشاد ہے کہ زمانۂ اول میں سب لوگ ایک ہی طریقہ پر یعنی دین حق پر تھے (کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی اولاد کو دینِ حق کی تعلیم فرماتے رہے اور وہ ان کی تعلیم پر عمل کرتے رہے ایک زمانہ اسی حالت میں گذر گیا پھر بعد میں لوگوں میں اختلاف ہونا شروع ہوا) تو اللہ نے پیغمبروں کو بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان امورِ اختلافیہ میں فیصلہ کرکے اختلاف کو دور کریں پس اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں اختلاف انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور نزولِ کتاب سے پہلے ہوا اور آیت کے جزر ثانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف بعثتِ انبیاء اور نزولِ کتاب کے بعد ہوا کیونکہ اس میں ارشاد ہے کہ اختلاف کرنے والے وہی لوگ تھے جن کو کتاب دی گئی اور انھوں نے اختلاف دلائلِ واضحہ کے آنے کے بعد کیا پس آیت کے جزر اول اور جزر ثانی میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ جزر اول میں جو اختلاف مذکور ہے اس سے مراد ان کے اپنے بعض امور میں اختلاف ہے کہ وہ لوگ اپنے اغراض و مقاصد حتی کہ اپنے اعمال و عقائد میں اختلاف کرنے لگے یہ اختلاف حضرت آدم علیہ السلام کے تشریف لانے کے ایک عرصہ بعد شروع ہوگیا تھا اس وقت تک دیگر انبیاء علیہم السلام مبعوث نہیں ہوئے تھے یعنی بعثتِ انبیاء سے قبل ہی یہ اختلاف ہوگیا تھا اسی اختلاف کو دور کرنے کیلئے انبیاء مبعوث ہوئے اور جزر ثانی میں جو اختلاف مذکور ہے وہ کتاب کے بارے میں اختلاف ہے کہ جب انبیاء مبعوث ہوگئے اور کتاب نازل ہوگئی دلائلِ واضحہ آگئے تو لوگوں کو چاہیئے تھا کہ اس کتاب کو قبول کرتے اور اس پر مدار رکھ کر اپنے سب اختلافات

مٹا دیتے مگر بعضوں نے خود اس کتاب ہی کو نہ مانا اور خود اسی میں اختلاف کر بیٹھے پس بعثتِ انبیاء سے قبل والا اختلاف ان کے اپنے امور کے اندر تھا اور بعثتِ انبیاء کے بعد والا اختلاف کتاب کے بارے میں تھا اور جب دونوں اختلافوں کی نوعیت جدا جدا ہے تو کوئی تعارض نہیں (بیان القرآن وحاشیتہ پارہ ۲ صفحہ ۱۲۰)

حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے نبی تھے یا دوسروں کے بھی؟

پارہ ۳

آیات (۱) وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ پارہ ۳ رکوع ۱۳ سورۂ آل عمران جلالین صفحہ ۵۱

(۲) قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ الآیۃ پارہ ۳ رکوع ۱۳ سورۂ آل عمران جلالین صفحہ ۵۲

تشریح تعارض: پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اور اخیر کی آیتوں کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے حواریین[1] کو بھی دعوت دی ہے اور انھوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا، ایمان لائے اور آپکی اتباع کی جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ حواریین کی طرف بھی مبعوث ہوئے تھے پس ان آیات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں

(۱) حواریین بھی بنی اسرائیل میں سے تھے اس کی تائید ایک روایت سے ہوتی ہے جو روح المعانی

---

[1] حواریین حضرت عیسیٰؑ کے مخلص صحابہ تھے جو تعداد میں ۱۲ یا ۲۹ تھے جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں، فطرس، یعقوبس، یحنس، اندرانیس، فیلس، درنابوطا، سرجس۔ حواریین حور سے ماخوذ ہے بمعنی بیاض خالص، بقولِ سعید بن جبیر یہ سفید کپڑے پہنتے تھے اور بقولِ مقاتل یہ لوگ دھوبی تھے کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے اور بقولِ قتادہ ان کے قلوب صاف اور پاکیزہ تھے اس لئے ان کو حواریین کہا جاتا ہے (الاتقان صفحہ ۱۸۹ ج ۲ و روح المعانی صفحہ ۱۷۶ ج ۳)

میں صفحہ ۵۸ پر موجود ہے جسکو ابوالشیخ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے مضمون اسکا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تیس روزے رکھ کر اللہ سے جو درخواست کروگے قبول ہوگی انھوں نے روزے رکھ کر نزولِ مائدہ کی درخواست کی تھی اور قرآن پاک میں مصرح ہے کہ درخواست کرنے والے حواریین تھے ارشاد باری ہے اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ اس سے معلوم ہوا کہ حواریین بنی اسرائیل میں سے تھے فلا تعارض۔[۱]

(۲) اگر حواریین کو بنی اسرائیل میں سے نہ مانا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس نبی کی بعثت عام نہیں ہے اس کے زمانہ میں اسکی قوم کے علاوہ دوسرے لوگوں پر اصولِ دین میں تو اس نبی کا اتباع ہر حال میں واجب ہے خواہ ان دوسروں کیلئے کوئی نبی مبعوث ہوا ہو یا نہ ہوا ہو کیونکہ تمام انبیاء اصولِ دین میں متحد ہوتے ہیں اور فروعِ دین میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کیلئے دوسرا نبی مبعوث ہوچکا ہے تو وہ اپنے نبی کا اتباع کریں گے ورنہ اسی پہلے نبی کا اتباع کرینگے پس حواریین کی طرف چونکہ کوئی خاص نبی مبعوث نہیں ہوا تھا اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کا اتباع ان پر واجب تھا اور اسی لئے حضرت عیسیٰؑ نے ان کو دعوتِ دین فرمائی ورنہ وہ ان کیطرف مبعوث نہیں ہوئے تھے فلا تعارض (بیان القرآن صفحہ ۲۲ پ ۳)

حضرت عیسیٰؑ کی قوم بنی اسرائیل سب کافر تھے یا بعض مؤمن بھی تھے؟

پارہ ۳ و ۲۸

آیات (۱) فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ پارہ ۳ رکوع ۱۳ سورۂ آل عمران جلالین صفحہ ۵۲ ⊙ (۲) فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ پارہ ۲۸ رکوع ۱۰ سورہ الصف جلالین صفحہ ۴۶۰

تشریح تعارض پہلی آیت میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کیطرف سے جب کفر محسوس کیا یعنی یہ دیکھا کہ یہ لوگ معجزات کا انکار کر رہے ہیں اور ایذا رسانی کے درپے ہیں تو کچھ لوگ ایسے ملے جنکو حواریین کہا جاتا تھا حضرت عیسیٰؑ نے ان سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کے لئے میری مدد کرے انھوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے دین کی مدد کرنیوالے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سب کافر تھے صرف حواریین مؤمن تھے اور دوسری آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت مؤمن اور ایک کافر تھی پس ان میں بظاہر تعارض ہے[۲]

[۱] بیان القرآن صفحہ ۲۲ پ ۷۔ [۲] بیان القرآن میں اس کی یہی تفسیر کی گئی ہے ۱۲

دفع تعارض جب حضرت عیسیٰ نے حواریین سے مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ کہا تھا اس وقت تمام بنی اسرائیل کافر تھے ایذارسانی کے درپے تھے مگر اس کے ایک زمانہ بعد بعض ایمان لے آئے اور بعض کافر رہے پس دونوں باتوں کا زمانہ علیحدہ علیحدہ ہے ولاتعارض بعد اختلاف الازمان (بیان القرآن وحاشیۃ مع زیادۃ تشریح ص۲۱ ج۲ پ۳)

دعوت وتبلیغ پوری امت پر واجب ہے یا بعض پر؟

پارہ ۴

آیات (۱) وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ الآیۃ پارہ ۴ رکوع ۲ سورۂ آل عمران جلالین ص۵۷ ◉ (۲) کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ پارہ ۴ رکوع ۳ سورۂ آل عمران جلالین ص۵۸۔

تشریح تعارض آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ تم میں سے بعض لوگوں کی جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتی رہے چونکہ آیت میں مِنْ تبعیضیہ لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام پوری امتِ محمدیہ کے ذمہ واجب نہیں بلکہ بعض لوگوں کا اس ذمہ داری کو انجام دیدینا کافی ہے اور دوسری آیت میں پوری اُمّت کو[1] خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم بہترین اُمت ہو جسکو لوگوں کیلئے ظاہر کیا گیا ہے تم سب امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو اس آیت میں مِنْ تبعیضیہ نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امت کے تمام افراد پر تبلیغ ودعوت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کام کو انجام دینا واجب اور ضروری ہے پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بیان القرآن پارہ ۴ ص۴۷ میں فرماتے ہیں کہ یہ خطاب تمام اُمتِ محمدیہ کو عام ہے جیسا کہ کمالین میں حضرت علیؓ کی روایت مرفوعًا بسند احمد بن حنبلؒ منقول ہے ۱۲

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت دوسری آیت کے ابہام کی تفسیر ہے کیونکہ دوسری آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پوری امت پر فرض ہے لیکن فرض کی دو قسمیں ہیں ایک فرضِ کفایہ دوسرے فرضِ عین، فرضِ کفایہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فرض تو سب پر ہے مگر اس فرض کی ادائیگی بعض افراد کے عمل کرنے سے ہو جائے گی اگر بعض لوگوں نے یہ فریضہ انجام دیدیا تو تمام افراد کے ذمہ سے سقوط ہو جائے گا اور اگر کسی نے بھی یہ کام نہ کیا تو سب کے سب ترکِ فرض کی وجہ سے گنہگار اور قابلِ مؤاخذہ ہوں گے، اور فرضِ عین کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص پر مستقلاً فرض ہے جس کی ادائیگی ہر ہر فرد کو مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ کرنی ہوگی بعض کے ادا کرنے سے سب کے ذمہ سے سقوط نہ ہوگا جیسا کہ صلوٰۃ و صوم وغیرہ احکام فرضِ عین ہوتے ہیں،

اب سنئے کہ آیتِ ثانیہ اس بارے میں مبہم ہے اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سب پر فرضِ عین ہے یا فرضِ کفایہ ہے آیتِ اولیٰ میں وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ الخ کہکر اس ابہام کو دور کر دیا گیا ہے اور بتلا دیا گیا کہ سب پر فرضِ عین نہیں ہے بلکہ فرضِ کفایہ ہے تم میں سے ایک جماعت بھی اگر اس وظیفہ کو انجام دیدیگی تو سب کی طرف سے ادائیگی ہو جائے گی، علماء اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرضِ کفایہ ہے فرضِ عین نہیں ہے علامہ قرطبی نے بھی اسی کو اصح کہا ہے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فرضِ عین کہنے والا صرف فرقہ نزاریہ[۱] ہے جو شیعوں کا ایک فرقہ ہے جن میں سے شیخ ابو جعفر بھی ہے اس کا مسلک یہی ہے کہ یہ فرضِ عین ہے بہرحال تقریر مذکور سے معلوم ہوگیا کہ آیتِ اولیٰ آیتِ ثانیہ کے ابہام کی تفسیر ہے اور تفسیر بعد الابہام کو تعارض و تناقض نہیں کہا جاتا فلا تعارض بینہما (روح المعانی ص۲۱ و ۲۲ ج۴ بزیادۃ توضیح)

---

[۱] فرقہ نزاریہ شیعوں کے فرقہ امامیہ کے ۳۹ فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جو ابو منصور نزار بن معد عزیز باللہ کی طرف منسوب ہے اس فرقہ کو صباحیہ، خبریہ، مسقطیہ، اسقطیہ بھی کہتے ہیں (تحفۂ اثنا عشریہ فارسی ص۳۷ و ۳۸ مطبوعہ ترکی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف نذیر تھے یا بشیر و نذیر ؟

پارہ ۶، ۹، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۵، ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۶، ۲۹

آیات (۱) فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ پارہ ۶ رکوع ۷ سورہ المائدہ جلالین ص ۹۷ (۲) اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ پارہ ۹ رکوع ۱۳ سورہ الاعراف جلالین ص ۱۴۶ (۳) اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ پارہ ۱۱ رکوع ۱۷ سورہ ھود جلالین ص ۱۷۹ (۴) وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا پارہ ۱۵ رکوع ۱۲ جلالین ص ۲۳۹ (۵) وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا پارہ ۱۹ رکوع ۳ سورۃ الفرقان جلالین ص ۳۰۷ (۶) اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا پارہ ۲۲ رکوع ۳ سورہ الاحزاب جلالین ص ۳۵۵ (۷) وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا پارہ ۲۲ رکوع ۹ سورہ سبأ جلالین ص ۳۶۲ (۸) اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا پارہ ۲۲ رکوع ۱۵ سورۃ فاطر جلالین ص ۳۶۶ (۹) اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا پارہ ۲۶ رکوع ۹ سورۃ الفتح جلالین ص ۴۲۳ ◉ (۱۰) اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ پارہ ۹ رکوع ۱۳ سورۃ الاعراف جلالین ص ۱۴۵ (۱۱) اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ پارہ ۱۲ رکوع ۲ سورہ ھود جلالین ص ۱۸۰ (۱۲) اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ پارہ ۱۳ رکوع ۷ سورہ الرعد جلالین ص ۲۰۱ (۱۳) وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ پارہ ۲۱ رکوع ۱ سورۃ العنکبوت جلالین ص ۳۳۹ (۱۴) اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ پارہ ۲۲ رکوع ۱۲ سورہ سبأ جلالین ص ۳۶۳ (۱۵) اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ پارہ ۲۲ رکوع ۱۵ سورۃ فاطر جلالین ص ۳۶۶ (۱۶) قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ پارہ ۲۳ رکوع ۱۴ سورہ صٓ جلالین ص ۳۸۴ (۱۷) اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ پارہ ۲۳ رکوع ۱۴ سورہ صٓ جلالین ص ۳۸۴ (۱۸) وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ پارہ ۲۶ رکوع ۱ سورہ الاحقاف جلالین ص ۴۱۶ (۱۹) قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ

عِنْدَ اللّٰہِ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ پارہ ۲۹ رکوع ۲ سورہ الملک جلالین ص ۴۶۸

تشریح تعارض آیت نمبر ۱ تا ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے بشیر ونذیر (جنت اور ثواب کی خوشخبری دینے والا اور جہنم وعذاب سے ڈرانیوالا) بناکر مبعوث فرمایا اور اخیر کی دس آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف نذیر بن کر تشریف لائے اس لئے کہ ان آیات میں نفی اور استثناء یا کلمہ اِنَّمَا کے ذریعہ نذیر ہونے میں حصر کیا گیا ہے جس سے بشیر کی نفی ہوجاتی ہے پس ان دونوں قسم کی آیتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں

(۱) پہلی نو آیات میں بشیر ونذیر ہونا کفار ومؤمنین دونوں کے حق میں ہے کہ مسلمانوں کے لئے آپ بشیر بن کر اور کفار کے لئے نذیر بن کر تشریف لائے اور اخیر کی دس آیتوں میں نذیر کا حصر اور بشیر کی نفی کفار کے حق میں ہے کہ آپ کفار کے حق میں فقط نذیر بن کر مبعوث ہوئے نہ کہ بشیر بن کر اور جب دونوں قسم کی آیتوں کا محمل جدا جدا ہے تو کوئی تعارض نہیں (بیان القرآن ص ۹۷ ج ۹۷ پ ۲۲)

(۲) اخیر کی آیات میں حصر کرنے سے بشیر کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ دیگر امور کی نفی مقصود ہے مثلاً آیت ۱۵ میں آپ کے مسؤل عنہ ہونے کی نفی مقصود ہے کہ آپ تو صرف نذیر بن کر تشریف لائے ہیں آپ سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ یہ کافر لوگ ایمان کیوں نہیں لائے؟ اسی طرح آیت ۱۹ میں تعیینِ وقتِ قیامت کے علم کی نفی مقصود ہے یعنی میں تو صرف ڈرانیوالا ہوں مجھے یہ معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی اس کا متعین وقت تو حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں علیٰ ہذا القیاس دیگر آیات میں سے بعض یا سب آیات میں سیاق وسباق پر نظر کرکے امر منفی کو متعین کیا جاسکتا ہے (بیان القرآن ص ۹۷ ج ۹۷ پ ۲۲ مع زیادہ توضیح وتشریح)

کفار دلائل کو دیکھ کر ایمان لائینگے یا نہیں؟

پارہ ۷، ۱۹

آیات (۱) وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا پارہ ۷ رکوع ۹ سورہ الانعام جلالین ص۱۱۳ (۲) اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ پارہ ۱۹ رکوع ۵ سورہ الشعرآء جلالین ص۳۰۹

تشریح تعارض پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ اگر یہ کفار (آپ کی نبوت کے) تمام دلائل کو بھی دیکھ لیں تو ان پر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کردیں تو ان کی گردنیں اس نشانی کے سامنے پست ہو جائیں (اور یہ لوگ ایمان لے آئیں) پس پہلی آیت سے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ کسی بھی دلیل پر ایمان نہیں لائیں گے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض نشانیوں پر ایمان ضرور لائیں گے لہذا ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

دفع تعارض پہلی آیت میں نفی ایمانِ اختیاری کی ہے اور دوسری آیت میں اثبات ایمانِ اضطراری کا ہے یعنی یہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ کر بھی اپنے اختیار سے ایمان نہیں لائیں گے حالانکہ شریعت میں ایمانِ اختیاری ہی مطلوب ہوتا ہے لیکن اگر ہم چاہیں تو ایسی نشانی نازل کردیں کہ ان کو اضطراراً اور مجبوراً ایمان لانا پڑے گا مگر ایمانِ اضطراری شریعت میں معتبر نہیں ہے اس لئے ایسی نشانی نازل نہیں کی جاتی پس جس چیز کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں اور جس چیز کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں ہے اور ایسی صورت میں کوئی تعارض نہیں ہوتا ہے ــــــ

(بیان القرآن ص۸۶ ج۳ پ۷)۔

حضرت آدم علیہ السلام سے اکل الشجرۃ کا صدور عمداً ہوا یا نسیاناً؟

پارہ ۸ و ۱۶

آیات (۱) وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ پارہ ۸ رکوع ۹ سورۃ الاعراف جلالین ص ۱۳۰

(۲) وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا پارہ ۱۶ رکوع ۱۵ سورۃ طٰہٰ جلالین ص ۲۶۸

تشریح تعارض آیتِ اولیٰ میں ہے کہ ابلیس نے اکل من الشجرۃ سے متعلق حق تعالیٰ کی طرف سے کی جانیوالی ممانعت اور نہی حضرت آدم علیہ السلام کو یاد دلادی تھی اور اس نہی کی ایک جھوٹی حکمت اپنی جانب سے گھڑ کر بیان کردی تھی چنانچہ اس نے یہ کہا تھا کہ حق تعالیٰ نے جو تم کو اکل من الشجرۃ سے منع فرمایا ہے وہ صرف اس لئے کہ کہیں تم اس کو کھا کر فرشتہ صفت نہ بن جاؤ یا کہیں تم کو خلود فی الجنۃ نصیب نہ ہو جائے کیونکہ اس درخت کا خاصہ یہ ہے کہ جو اس کا پھل کھالیتا ہے وہ فرشتہ صفت بن جاتا ہے اور ہمیشہ جنت میں رہنا اس کو نصیب ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس نہی کے یاد ہوتے ہوئے قصداً وعمداً اس درخت کا پھل کھایا تھا نسیاناً نہیں اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل کا صدور اُن سے نسیاناً ہوا تھا عمداً نہیں کیونکہ آیتِ ثانیہ میں فَنَسِيَ فرمایا گیا ہے، اس لئے بظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

دفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ جس وقت ابلیس نے حضرت آدمؑ کو بہکایا اور نہی یاد دلا کر اپنی طرف سے اس کی حکمت بیان کی اس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی بات کی بالکل تصدیق نہیں کی اور اس فعل کا قطعاً ارتکاب نہیں کیا کیونکہ اسوقت تو ان کو نہی یاد تھی اللہ کی طرف سے صریح ممانعت کے ذہن

نہیں ہوتے ہوئے شیطان کے بہکانے سے حضرت آدم علیہ السلام اس فعل کا ارتکاب کیسے کرسکتے تھے ہاں ایک مدت گذر جانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اس نہی کو بھول گئے قطعاً یاد نہیں رہا کہ اللہ نے اکل من الشجرۃ سے منع فرمایا ہے البتہ شیطان کی وہ بیان کردہ حکمت یاد رہی کہ اس کے کھانے سے آدمی فرشتہ صفت بن جاتا ہے اور ہمیشہ جنت میں رہنا نصیب ہوجاتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتہ صفت بن جانے اور خلود فی الجنۃ کے شوق میں نسیاناً اس درخت سے تناول فرمالیا پس تذکرا ور نسیان کا زمانہ مختلف ہے تذکر تو صدورِ فعل سے بہت پہلے تھا اور نسیان ایک مدت کے بعد صدورِ فعل کے وقت ہوا ولا تعارض بعد اختلاف الازمنۃ (ملخص من شیخ زادہ ص ۲۷۵ ج ۱)

انسان و جنات کو عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے یا ترکِ عبادت کیلئے؟

پارہ ۹ و ۲۷

آیات (۱) وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ پارہ ۹ رکوع ۱۲ سورۃ الاعراف جلالین ص ۱۴۵ (۲) وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ پارہ ۲۷ رکوع ۲ سورۃ الذٰریٰت جلالین ص ۴۳۴

تشریح تعارض پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ ہم نے بہت سے جن و انسان کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے اور دخولِ جہنم کا سبب ترکِ عبادت ہے پس اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے بہت سوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ عبادت نہ کریں اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کو عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے پس دونوں میں بظاہر تعارض ہے۔

دفع تعارض آیتِ اولیٰ میں تخلیق کے مقصدِ تکوینی کا بیان ہے اور آیت ثانیہ میں مقصدِ تشریعی کا ذکر ہے یعنی تمام جن و انس کی تخلیق کا تشریعی مقصد تو یہی ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں لیکن اُن حکمتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے جن کو حق تعالیٰ ہی جانتے

ہیں بہت سے جن وانس کی پیدائش کی تکوینی غایت یہ ہے کہ وہ عبادت نہ کریں اور جہنم میں داخل ہوں پس جب دونوں مقصدوں کی نوعیت جدا جدا ہے تو کوئی تعارض نہیں (بیان القرآن صہ ۵۴ پ ۹ مع تشریح)

صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں نہ جانیکی اجازت طلب کرتے تھے یا نہیں؟

پارہ ۱۰، ۱۸

آیات ① لَا یَسْتَأْذِنُكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ پارہ ۱۰ رکوع ۱۳ سورۃ التوبۃ جلالین ص ۱۶۰

② وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ پارہ ۱۸ رکوع ۱۵ سورۃ النور جلالین ص ۳۰۲

تشریح تعارض آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ لوگ اپنی جان ومال کے ساتھ جہاد کرنیکے بارے میں (جہاد میں شریک نہ ہونیکے بارے میں) کبھی آپ سے اجازت طلب نہیں کرتے اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ یہ لوگ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جسکے لئے ان کو جمع کیا گیا ہے (جیسے جہاد، صلوۃ جمعہ، صلوۃ عیدین وغیرہ عہ) تو وہاں سے نہیں جاتے یہاں تک کہ آپ سے اجازت لے لیتے ہیں اجازت لیکر چلے جاتے ہیں پس آیت اولیٰ میں تو جہاد میں عدم شرکت کی اجازت طلب کرنے کی نفی کیگئی ہے اور آیت ثانیہ میں اجازت کا اثبات ہے پس ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں۔

(ا) آیت اولیٰ میں جو استیذان کی نفی ہے وہ استیذان بلا عذر ہے اور آیت ۲ میں جو استیذان کا اثبات ہے وہ بالعذر کا ہے مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہؓ بلا عذر تو کبھی جہاد میں عدم شرکت کی اجازت

عہ ابن زیدؒ نے امر جامع کی تفسیر جہاد کیساتھ اور ابن جبیرؒ نے جہاد صلوۃ جمعہ اور عیدین کیساتھ کی ہے ۱۲ روح المعانی صہ ۲۲۳ پ ۱۸

نہیں لیتے ہیں البتہ اگر کوئی عذر ہوتا ہے تو اجازت لیکر جہاد وغیرہ کی مجلس سے چلے جاتے ہیں جس کی نفی ہے اسکا اثبات نہیں جسکا اثبات ہے اسکی نفی نہیں فلا تعارض (بیان القرآن صـ ۱۱۴ ج ۴ پ ۱۱)

۲ پہلی آیت میں جو استیذان کی نفی ہے وہ جہاد میں بالکل نہ جانے کے بارے میں ہے کہ صحابہ رضؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسطرح کی اجازت کبھی نہیں لیتے تھے کہ ہم جہاد میں بالکل نہ جاویں اور آیت ثانیہ میں جو استیذان کا اثبات ہے دراصل اسکی صورت یہ ہے کہ جہاد وغیرہ کیلئے مشورہ کی مجلس سے کبھی اتفاقاً کسی ضرورت کی وجہ سے اجازت لیکر چلے جاتے تھے یہ مطلب نہیں کہ جہاد میں بالکل عدم شرکت کی اجازت لے لیا کرتے تھے پس استیذانِ منفی اور استیذانِ مثبت دونوں کی نوعیت الگ الگ ہے فلا تعارض (بیان القرآن صـ ۳۶ ج ۸ پ ۱۸)

مشاہدۂ عذاب کے بعد ایمان لانا نافع ہوتا ہے یا نہیں؟

پارہ ۱۱ و ۲۴

آیات (۱) فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ الآية پارہ ۱۱ رکوع ۱۵ سورۂ یونس جلالین صـ ۱۷۸

(۲) فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ پارہ ۲۴ رکوع ۱۴ سورۂ مؤمن جلالین صـ ۳۹۶

تشریح تعارض آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ عذابِ الٰہی کے مشاہدہ کے بعد ایمان لانا کسی بستی کے لئے نافع نہیں ہوا سوائے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے کہ عذاب کے آثار دیکھ کر وہ لوگ ایمان لائے تھے اور ان کا ایمان معتبر اور نافع ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو مشاہدۂ عذاب کے بعد بھی ایمان لانے سے نفع ہو جاتا ہے اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو ان کو ان کا یہ ایمان لانا نافع نہیں ہوا اللہ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا

چلا آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشاہدۂ عذاب کے بعد ایمان لانا کسی کو بھی نافع نہیں ہوتا پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں

(۱) پہلی آیت میں جو ایمان کے نافع ہونے کا ذکر ہے وہ عذاب کے آثار ابتدائیہ کا مشاہدہ کرنیکی حالت میں ہے کہ اگر کوئی شخص ملائکہ عذاب اور آخرت کی ہولناکی کا مشاہدہ کرنیسے قبل محض عذاب کے آثار ابتدائیہ کو دیکھ کر ایمان لے آئے تو اس کا ایمان معتبر اور نافع ہوجاتا ہے اور دوسری آیت میں جو ایمان کے نافع ہونے کی نفی ہے وہ ملائکہ عذاب اور احوال آخرت کے مشاہدہ کے بعد ہے کہ ایسی صورت میں ایمان لانا مقبول اور نافع نہیں ہوتا حضرت یونسؑ کی قوم عذاب کے ابتدائی آثار کو دیکھ کر ہی ایمان لے آئی تھی اس لئے اس قوم کا ایمان نافع اور معتبر ہوا تھا پس جب دونوں آیتیں علیحدہ علیحدہ حالت پر محمول ہیں تو کوئی تعارض نہیں (ماخوذ من بیان القرآن ص۳۰ و ص۳۱ ج ۵ پ۱۱)

(۲) اللہ تعالیٰ کا قانون تو یہی ہے کہ مشاہدۂ عذاب کے بعد کسی کا ایمان نافع نہیں ہوتا مگر بعض لوگ قانون سے مستثنیٰ ہوتے ہیں حضرت یونس علیہ السلام کی قوم اس قانون سے مستثنیٰ اور مخصوص تھی اس لئے ان کا ایمان لانا مشاہدۂ عذاب کے بعد بھی نافع اور معتبر ہوگیا پس اس چیز کو حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی خصوصیات میں سے شمار کیا جائے گا ولا تعارض بعد الاستثناء والخصوصیۃ۔ (ماخوذ من بیان القرآن ص۳۱ ج۵ پ۱۱)

وحی سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کو اقوام سابقہ کے واقعات کا علم تھا یا نہیں؟

پارہ ۱۲ و ۱۳

آیات (۱) تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ

مِنْ قَبْلِ هٰذَا پارہ ۱۲ رکوع ۴ سورۂ ھود جلالین ص ۱۸۴ (۲) لَا یَعْلَمُھُمْ اِلَّا اللّٰہُ پارہ ۱۳ رکوع ۱۴ سورۂ ابراھیم جلالین ص ۲۰۶ ◉ (۳) اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِھِمْ پارہ ۱۳ رکوع ۱۴ سورۂ ابراھیم جلالین ص ۲۰۶

تشریح تعارض پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ یہ واقعہ (حضرت نوحؑ کا جو اوپر مذکور ہوا ہے) غیب کی خبروں میں سے ہے جس کو ہم وحی کے ذریعہ آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ وحی سے قبل نہ تو آپ کو اس کا علم تھا اور نہ آپکی قوم کو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل الوحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپکی قوم یعنی کفار مکہ کو اقوام سابقہ کے واقعات کا علم نہیں تھا اسی طرح دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ ان لوگوں کے حالات و واقعات کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اور آپکی قوم کے لوگ اقوام سابقہ کے واقعات سے بیخبر تھے اور تیسری آیت میں ارشاد ہے کہ کیا تمھارے پاس (اے کفار مکہ) ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے گذرے ہیں یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان لوگوں کی خبر جو اُن کے بعد ہوئے ہیں۔ آیت میں استفہام انکاری ہے جسکا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اقوام سابقہ کی خبریں تمھارے پاس آئی ہیں تم کو ان کے واقعات کا علم ہے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی سے پہلے ہی کفار مکہ اقوام سابقہ کے واقعات کو جانتے تھے پس یہ آیت پہلی دونوں آیتوں کے بظاہر معارض ہے کہ پہلی دو آیتوں میں علم کی نفی اور تیسری آیت میں علم کا اثبات ہے۔

دفع تعارض پہلی دو آیتوں میں جو علم کی نفی ہے اس سے مراد علم تفصیلی ہے اور تیسری آیت میں جو اثبات ہے وہ علم اجمالی کا ہے مطلب یہ ہے کہ اقوام سابقہ کے حالات و واقعات اجمالی طور پر تو تم کو وحی سے قبل بھی معلوم تھے مگر واقعات کی تفصیل وحی سے قبل تم نہیں جانتے تھے۔ تفصیلی واقعات حق تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا، اللہ ہی نے تم کو وحی کے ذریعہ ان واقعات سے باخبر کیا ہے پس اثبات علم اجمالی کا ہے اور نفی علم تفصیلی کی۔ لہذا کوئی تعارض نہیں (ماخوذ من بیان القرآن ص ۴۴ پ ۱۲ و امداد الفتاوی ص ۲۹/۵)

ہر امت کے لئے رسول آیا ہے یا نہیں؟

پارہ ۱۴، ۲۰، ۲۱، ۲۲

آیات (۱) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ پارہ ۱۴ رکوع ۱۱ سورۃ النحل جلالین ص ۲۱۸ (۲) وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ پارہ ۲۲ رکوع ۱۵ سورۃ فاطر جلالین ص ۳۶۶ (۳) لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِکَ پارہ ۲۰ رکوع ۸ سورہ القصص جلالین ص ۳۳۱ (۴) لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِکَ پارہ ۲۱ رکوع ۱۴ سورہ الم سجدہ جلالین ص ۳۴۹ (۵) وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ قَبْلَکَ مِنْ نَّذِیْرٍ پارہ ۲۲ رکوع ۱۱ سورۂ سبا جلالین ص ۳۶۳

تشریح تعارض پہلی دو آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر امت میں ایک رسول مبعوث فرمایا ہے اور آیت ۳، ۴، ۵ میں ارشاد ہے کہ آپ ایسی قوم کو ڈرانیوالے ہیں جن میں آپ سے قبل کوئی ڈرانیوالا رسول نہیں آیا ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اقوام ایسی بھی ہیں جنہیں کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا پس دونوں قسم کی آیات میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں (۱) آیت اولیٰ میں لفظ کُل تکثیر کے لئے ہے یعنی ہم نے اکثر امتوں میں اپنے رسولوں کو بھیجا ہے پس بعض اقوام و امم میں رسول کا مبعوث نہ ہونا اس کے معارض نہیں ہے عہ۔ (بیان القرآن ص ۴۴ ج ۶ پ ۱۴)

(۲) پہلی دو آیتوں سے ہر امت میں رسول کا مبعوث ہونا جو سمجھ میں آرہا ہے وہ اوائل زمانہ کے اعتبار سے ہے اور اخیر کی تین آیات سے جو بعض اقوام میں رسول کا نہ آنا معلوم ہوتا ہے وہ اواخر کے اعتبار سے ہے یعنی ہر امت کے ابتدائی زمانہ میں کوئی نہ کوئی رسول ضرور آیا ہے البتہ بعض اوقات اس کی شریعت کا سلسلہ اخیر تک باقی نہیں رہا جیسے قوم عرب کے ابتدائی دور میں حضرت اسمٰعیلؑ مبعوث ہوئے مگر ان کی شریعت عرب میں اخیر تک باقی نہیں رہی یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے (بیان القرآن ص ۴۵ ج ۶ پ ۱۴ مع زیادۃ توضیح)

عہ آیت ثانیہ کو بھی اکثر و اغلب پر محمول کرلیا جائے گا ۱۲

جنت کی حوروں کا رنگ سفید مائل بزردی ہے یا سرخ مائل بسفیدی؟

پارہ ۲۳ و ۲۷

(۹۱،۳۶)

آیات ① کَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ پارہ ۲۳ رکوع ۶ سورۃ الصّٰفّٰت جلالین ۳۷۵

② کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ پارہ ۲۷ رکوع ۱۳ سورۃ الرحمٰن جلالین ۴۴۵

تشریح تعارض آیت اولیٰ میں جنت کی حوروں کو رنگت اور صفائی نیز شفافیت میں، چھپے ہوئے انڈوں کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح انڈوں کا رنگ سفید مائل بزردی و چمکدار اور پرندے کے پروں میں چھپے ہوئے ہونیکی وجہ سے صاف شفاف ہوتا ہے کہ نہ تو گرد و غبار اُن تک پہنچتا ہے اور نہ کسی کا ہاتھ ان پر لگتا ہے جس سے کچھ میلا پن آجائے ایسے ہی جنت کی حوروں کا رنگ سفید مائل بزردی چمکدار اور صاف شفاف ہے بہت زیادہ خالص سفید رنگ جیساکہ دودھ یا چونے کا رنگ ہوتا ہے مرغوب اور جاذب نظر نہیں ہوتا بلکہ سفید رنگ کے ساتھ ہلکے زرد رنگ کی ملاوٹ والا رنگ عورتوں میں بڑا مرغوب اور پسندیدہ نظر ہوتا ہے بہرحال اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت کی حوروں کا رنگ سفید مائل بزردی ہے اور آیتِ ثانیہ میں حوروں کو یاقوت اور مرجان کے ساتھ تشبیہ دیگئی ہے یاقوت سرخ رنگ کا قیمتی موتی ہوتا ہے اور مرجان سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے موتیوں کو کہا جاتا ہے یاقوت و مرجان دونوں کیساتھ تشبیہ دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ حوروں کا رنگ سرخ و سفید ہے پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں حوروں کا رنگ زرد و سفید اور دوسری آیت میں سرخ و سفید بتایا گیا ہے۔

دفع تعارض اس تعارض کے پانچ جوابات ہیں۔

① آیتِ اولیٰ میں انڈوں کیساتھ تشبیہ رنگ میں نہیں ہے بلکہ نعومت و طراوت یعنی ملائم اور تر و تازہ ہونے میں ہے اور انڈے سے مراد پکایا ہوا اور اُبالا ہوا انڈا ہے اُبلے جانے کے بعد چھلکے کے اندر جو چھپا ہوا انڈا ہوتا ہے بڑا نرم و نازک ملائم اور تر و تازہ

ہوتا ہے جس کا مشاہدہ چھلکا اتارنے کے بعد ہوتا ہے (اسی لئے عوام الناس عورت کی تعریف کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ فلاں عورت چھلے ہوئے انڈے کی مانند ہے) ایسے ہی جنت کی حوروں کے ابدان واجسام نہایت ہی نرم ونازک ملائم اور شاداب ہوں گے اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کے قول سے ہوتی ہے عن ابن عباسؓ قال ان البیض المکنون ماتحت القشر الصلب بینہ وبین اللباب الاصفر[1] کہ بیض مکنون سے مراد انڈے کا وہ حصہ ہے جو سخت چھلکے کے نیچے اور زردی کے درمیان ہے اب کوئی تعارض نہیں کیونکہ آیت اولیٰ میں تشبیہ نعومت وطراوت میں ہے نہ کہ رنگت میں اور آیت ثانیہ میں رنگ میں تشبیہ ہے جس سے معلوم یہ ہوا کہ حوریں جسم کے اعتبار سے تو نہایت نرم ونازک اور تر وتازہ وشاداب ہوں گی اور رنگ کے اعتبار سے سفید مائل بسرخی ہوں گی یعنی گلابی رنگ ہوگا عورتوں میں گلابی رنگ بھی بڑا مرغوب وپسندیدہ ہوتا ہے (روح المعانی ص ۹۰/۲۳)

(۲) پہلی آیت میں انڈوں کے ساتھ تشبیہ تناسب اعضاء میں ہے نہ کہ رنگت میں، انڈا تناسب اجزاء میں مشہور اور ضرب المثل ہوتا ہے، تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انڈا متناسب الاجزاء ہوتا ہے اسی طرح جنت کی حوریں بھی متناسب الاعضاء ہیں اور تناسب اعضاء نہایت ممدوح اور مرغوب چیز ہے حتیٰ کہ حسن کا مدار ہی تناسب اعضاء پر ہے پس جب آیت اولیٰ میں تشبیہ رنگت کے اعتبار سے ہے ہی نہیں تو اس کا دوسری آیت سے کوئی تعارض نہیں کیونکہ دونوں آیتوں کے مجموعہ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حوروں کا جسم متناسب[2] الاعضاء اور رنگ سفید مائل بسرخی ہے فلا تعارض بینہما (روح المعانی ص ۹۰/۲۳)

(۳) یا یوں کہا جائے کہ آیت ثانیہ میں یاقوت ومرجان کے ساتھ تشبیہ رنگت میں نہیں ہے

---

[1] رواہ ابن المنذر عن ابن عباسؓ وابن ابی حاتم وابن جریر عن الامام السدی ۱۲ روح المعانی ص ۹۰/۲۳

[2] مگر تناسب اعضاء والی تشبیہ کی صورت میں مکنون کی قید بے فائدہ ہو کر رہ جاتی ہے اس قید کو تشبیہ میں کوئی دخل نہیں رہتا کیونکہ انڈا تو ہر حال میں متناسب الاجزاء ہے خواہ مکنون ہو یا غیر مکنون۔ اس لئے یہ توجیہ کمزور ہے ۱۲ ماخوذ من روح المعانی ص ۹۰/۲۳۔

بلکہ یاقوت کے ساتھ تو تشبیہ صفائی کے اعتبار سے ہے اور مرجان کے ساتھ چکناہٹ اور خوبصورتی کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح یاقوت موتی صاف وشفاف اور مرجان موتی چکنا اور خوبصورت ہوتا ہے اسی طرح حوریں صاف شفاف چکنی اور خوبصورت ہیں پس کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ آیت اولیٰ میں تشبیہ بیضِ مکنون کے ساتھ رنگت میں ہوئی اور دوسری آیت میں یاقوت ومرجان کیساتھ تشبیہ صفائی وشفافیت اور ملاست وجمال میں ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ جنت کی حوریں سفید مائل بزردی صاف وشفاف چکنی اور خوبصورت ہیں (روح المعانی ص۹۰ ج۲۲)

۴ تشبیہ تو دونوں آیتوں میں رنگ ہی میں ہے مگر یہ اختلافِ اشخاص پر محمول ہے مطلب یہ ہے کہ بعض حوروں کا رنگ تو سفید مائل بزردی ہے ان کو بیضِ مکنون کے ساتھ تشبیہ دیگئی اور بعض کا رنگ سفید مائل بسرخی ہے ان کو یاقوت ومرجان کے ساتھ تشبیہ دیگئی اور عورتوں کے دونوں قسم کے رنگ ہی مرغوب اور حسین ہوتے ہیں یہ کہنا کہ سب سے اچھا رنگ سفید مائل بزردی ہی ہوتا ہے درست نہیں ہے کیونکہ احسنیت تو لوگوں کی طبیعتوں اور مزاجوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے کسی کو سفید مائل بزردی رنگ پسند ہوتا ہے کسی کو سفید مائل بسرخی، غرض کہ جنت میں اہل جنت کو ان کی پسند اور خواہش کے مطابق حوریں ملیں گی کما قال اللہ تعالیٰ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ بہرحال جب دونوں آیتوں میں حوروں کا مصداق جُدا جُدا ہے تو تعارض نہیں ہے (روح المعانی ص۹۰ ج۲۲)

۵ یا یوں کہا جائے کہ چہروں کا رنگ تو یاقوت ومرجان کی طرح سفید مائل بسرخی یعنی گلابی ہے اور باقی بدن کا رنگ بیضِ مکنون کی طرح سفید مائل بزردی ہے پس دوسری آیت تو چہرہ کی رنگت کے بیان پر محمول ہے اور پہلی آیت میں باقی بدن کی رنگت کا بیان ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں۔ روح المعانی ص۹۰ ج۲۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ضلال کی نفی اور اثبات

پارہ ۲۷ و ۲۹

آیات (۱) مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَاغَوٰی پارہ ۲۷ رکوع ۵ سورۃ النجم جلالین ص ۴۳۷ ● (۲) وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَھَدٰی پارہ ۳۰ رکوع ۱۸ سورۃ والضحیٰ جلالین ص ۵۰۲

تشریح تعارض آیتِ اولیٰ میں ارشاد ہے کہ تمھارے ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تو ضلال کے ساتھ متصف ہیں اور نہ غوایت[۱] کے ساتھ، یعنی نہ تو راہ حق سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ پر چلدیے اور آیتِ ثانیہ میں ارشاد ہے کہ اللہ نے آپ کو ضال پایا پس آپ کی رہنمائی فرمائی یعنی آپ ضلال کے ساتھ متصف تھے اللہ نے آپ کو ہدایت عطا فرمائی پس پہلی آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضلال کی نفی ہے اور آیتِ ثانیہ میں اس کا اثبات ہے اس لئے ان دونوں میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے

دفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں

(۱) ضلال کی دو قسمیں ہیں ایک عدول عن الطریق بعد العلم یعنی جاننے کے بعد راستہ سے ہٹ جانا جس کو گمراہی اور کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے دوسرے عدول عن الطریق قبل العلم یعنی جاننے سے قبل راستہ سے ہٹا ہوا ہونا جس کو ناواقفیت اور بے خبری سے تعبیر کیا جاتا ہے آیتِ اولیٰ میں جو نفی ہے وہ قسمِ اول کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علم اور وحی کے آجانے کے بعد پھر راہِ حق سے ہٹ گئے ہوں (العیاذ باللہ) ہرگز کبھی ایسا نہیں ہوا اور آیتِ ثانیہ میں جو ضلال کا اثبات ہے وہ قسمِ ثانی کا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے قبل شرائع واحکام سے ناواقف اور بے خبر تھے حق تعالیٰ

---

[۱] ضلال اور غوایت میں فرق یہ ہے کہ ضلال تو اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص بالکل راستہ بھول کر کھڑا رہ جائے اور غوایت یہ ہے کہ غیر راہ کو راہ سمجھ کر چلتا رہے کذا فی الخازن ۱۲ بیان القرآن ج ۱۱/۲ پارہ ۲۷

نے وحی کے ذریعہ آپ کو باخبر کیا جیساکہ حق تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے
مَاكُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ[ك] اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ وحی سے
قبل نہ تو کتاب (قرآن) کو جانتے تھے کہ وہ کیا چیز ہے اور نہ ہی ایمان کی تفاصیل اور
اس کے شرائع واحکام سے واقف تھے ایک اور جگہ ارشاد ہے وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ
لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ وحی سے قبل شرائع دین سے بےخبر
اور ناواقف تھے اور وحی سے قبل شرائع واحکام سے ناواقف ہونا یہ کوئی نقص اور
عیب نہیں ہے،[ك] بہرحال جب دونوں آیتوں میں ضلال کی علیحدہ علیحدہ قسم مراد ہے تو
کوئی تعارض نہیں (ماخوذ من امداد الفتاویٰ ص ۶۹/ج۵ و روح المعانی ص ۱۶۲/ج۳۰)

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت ثانیہ میں ضلال سے مراد راہِ حق سے گمراہ ہوجانا نہیں
بلکہ کہیں سفر وغیرہ میں جاتے ہوئے راستہ بھول جانا ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ایک
بار سفر میں راستہ بھول گئے تھے گم ہوگئے تھے تو حق تعالیٰ نے آپ کو راستہ بتادیا تھا،
چنانچہ حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنے چچا حضرت ابوطالب کے ساتھ ملکِ شام کا سفر کیا آپ ایک اونٹنی پر سوار تھے
اندھیری رات تھی آپ کو نیند آرہی تھی ابلیس لعین آیا اور آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر
اس کو صحیح راستہ سے ہٹاکر دوسرے راستہ پر کردیا اس طرح آپ قافلہ سے بچھڑ گئے
فوراً حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور ابلیس پر ایک زور کی پھونک ماری جس
سے وہ کمبخت حبشہ میں جاکر گرا اور حضرت جبریلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح راستہ

ك ایمان سے مراد نفس ایمان نہیں ہے کیونکہ ہر نبی وحی سے قبل بھی نفس ایمان سے واقف اور اس کے ساتھ متصف ہوتا ہے بلکہ مراد شرائع ایمان ہے جن کا علم بغیر وحی کے محض عقل کے ذریعہ نہیں ہوسکتا ہے کما قال الامام محی السنۃ البغوی ۱۲ روح المعانی ص ۵۸/ج۲۵)

ك ضال کی جو یہ تفسیر کی گئی ہے کہ وحی سے قبل شرائع ایمان سے ناواقف مراد ہے بقول امام واحدی اکثر مفسرین نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، امام زجاج بھی اسی تفسیر کو اختیار کرتے ہیں ۱۲ روح المعانی ص ۱۶۲/ج۳۰

سے قافلہ تک پہنچا دیا، ایک روایت حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں مکہ کی گھاٹیوں میں راستہ بھول جانے کی وجہ سے گم ہو گئے اور دادا جان سے جدا ہو گئے ابو جہل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ راستہ بھول گئے اور بکریوں سے علیحدہ ہو گئے ہیں، اس نے آپ کو آپ کے دادا جان کے پاس پہنچا دیا دادا جان اس وقت کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر نہایت تضرع وزاری کیساتھ اللہ سے دعا کر رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے پاس واپس پہنچا دے ابو جہل نے اُن سے بیان کیا کہ جب میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سوار کرنے کیلئے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیچھے سوار کیا اور اونٹنی کو اُٹھایا تو اونٹنی اُٹھی نہیں پھر آپ کو آگے سوار کیا تو اونٹنی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

یا احمق ھو الامام فکیف یقوم خلف المقتدی اے بیوقوف یہ بچہ تو امام ہے یہ مقتدی کے پیچھے کیسے رہ سکتا ہے، اس قسم کے اور بھی واقعات اور اقوال روح المعانی میں مذکور ہیں، بہرحال اس تفسیر پر آیتِ ثانیہ میں ضلال سے مراد راستہ بھول جانا ہے دینِ حق سے گمراہ ہونا نہیں ہے لہذا آیتِ اولیٰ میں نفی ہے ضلال بمعنی دینِ حق سے گمراہ ہو جانے کی اور آیتِ ثانیہ میں اثبات ہے ضلال بمعنی راستہ بھول جانے کا فلا تعارض بینہما۔ (روح المعانی ص ۱۶۲ ج ۳۰)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

احقر العباد

محمد انور گنگوہی عفا اللہ عنہ وعن والدیہ

وعن اساتذتہ اجمعین

تعداد آیات متعارضہ فی الظاہر در اصل کتاب	۴۸۲
〃 〃 در ضمیمہ	۱۰۷
کل تعداد	۵۸۹

فہرست ضمیمہ

اعتذار

بندہ اپنی تقصیر و کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ اگر تعارض کے کسی مضمون سے متعلق کوئی آیت ایسی نظر آئے جو احاطۂ شمار میں نہ آئی ہو تو اسکو اسی مضمون کے تحت مذکورہ آیات کے ساتھ لاحق فرمالیں نیز اگر تعارض کا کوئی مضمون سرے ہی سے کتاب میں آنے سے رہ گیا ہو تو نقص فی التتبع پر محمول فرمادیں۔ مؤلف

وہ کتب جن سے اصل کتاب اور ضمیمہ کی تالیف میں استفادہ کیا گیا

۱	قرآن کریم	۷	تفسیر قرطبی	۱۳	صاوی	۱۹	الفوز الکبیر
۲	جلالین شریف	۸	تفسیر ابوالسعود	۱۴	جمل	۲۰	الروض النضیر
۳	بیضاوی شریف	۹	تفسیر مظہری	۱۵	بیان القرآن	۲۱	تحفۂ اثنا عشریہ
۴	شیخ زادہ	۱۰	روح المعانی	۱۶	معارف القرآن	۲۲	امداد الفتاوی
۵	تفسیر کبیر	۱۱	تفسیر خازن	۱۷	الاتقان	۲۳	النبراس شرح شرح عقائد
۶	تفسیر ابن کثیر	۱۲	تفسیر مدارک	۱۸	تفسیر کشاف	۲۴	مصباح اللغات

تشکر

بندۂ ناچیز خداوند کریم کا بصمیم قلب شاکر و ممنون ہے کہ اس نے بندہ کی اس صغیر مگر مبارک کاوشِ علمی کو شرفِ قبولیت سے نوازا کہ اہلِ علم حضرات خصوصاً مدارسِ عربیہ کے اساتذۂ کرام و عزیز طلبہ نے اس مجموعہ کو محبت کی نگاہوں سے دیکھا اور پسند فرمایا خداوند قدوس ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس مجموعہ کا نفع عام و تام فرما کر اس کو ذریعۂ نجات اور توشۂ آخرت بنائے۔ آمین۔ ——— مؤلف عفی عنہ